

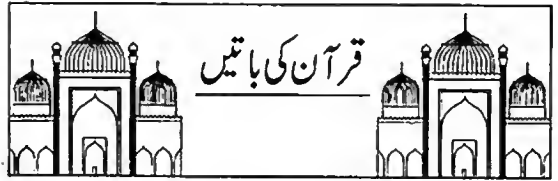
چونکہ یہ سال ختم ہوا ہے اس لیے اس شمارے
میں ڈائجسٹ کی بجائے ڈائجسٹ
کا شمارہ

Feb 2018

قیمت - 70/- روپے

Pakistani Point

Aik Raula Apni Sey



☆ ہمیں تاروں کی منزلوں کی قسم اور اگر تم مجھ کو یہی بڑی قسم ہے کہ میرے بڑے رہتے کا قرآن ہے جو کتاب محفوظ
میں لکھا ہوا ہے اس کو وہی اچھ لکھتے ہیں جو پاک ہیں رب عالم کی طرف سے اتنا را گیا ہے کیا تم اس حکام
سے انکار کرتے ہو اور اپنا عقیدہ بناتے ہو کہ اسے چھٹاتے ہو۔ (سورۃ واقفہ 56 آیت 75 سے 82)

☆ جو کھڑے اور بیٹھے اور لیٹے حال میں اللہ کی یاد کرتے اور آسمان اور زمین کی پیدائش میں غور کرتے اور کہتے
ہیں کہ اسے رب تو ہے اس مخلوق کو بے فائدہ نہیں ہے کیا تو پاک ہے تو قیامت کے دن ہمیں دوزخ کے
عذاب سے بچائیے رب جس کو تو نے دوزخ میں ڈالا اسے رسوا کیا اور اعلیٰ عالم کا کوئی مددگار نہیں اسے
رب ہم نے ایک عمارت کے والے کو سنا کہ ایمان لے کے پاک رہنا چاہیے اپنے رب پر ایمان لاؤ تو ہم ایمان
لے آئے اسے رب ہمارے گناہ معاف فرما اور ہماری مہمانیں کو ہم سے خوشگوار دم کو دینا سے نیک بندوں
کے ساتھ اعلیٰ اسے رب تو نے جن جن چیزوں کے ہم سے اپنے پیغمبروں کے ذریعے سے وعدے کئے
ہیں وہ ہمیں عطا فرما اور قیامت کے دن ہمیں مسوانہ کیب جیسی کچھ شے کیس کا خلاف وعدہ نہیں کرتا۔

(سورۃ آل عمران 3 آیت 191 سے 194) Pakistanipoint

☆ کوئی ہے کہ اللہ کو فرض حسد سے کہہ دے کہ اس کے بدلے اس کو کئی حصے زیادہ دے گا اور اللہ ہی روزی کو نیک
کرتا اور وہی اسے کٹاؤ کرتا ہے اور چترہا کی طرف لوٹ کر جاؤ گے۔ (سورۃ بقرہ 2 آیت 245)

☆ اور اللہ ہی نے تم کو تہماری ماؤں کے حکم سے پیدا کیا کہ تم کچھ نہیں جانتے تھے اور اس نے تم کو اس
اور انھیں سونپ دیا اور ان کے علاوہ اور اعضا بخشے تاکہ تم شکر کرو۔ (سورۃ صافات 16 آیت 78)

☆ کیا ان لوگوں نے ملک میں میری نہیں کی میر کرتے تو دیکھ لیتے کہ جو لوگ ان سے پہلے تھے ان کا انجام کیا
ہو اور ان سے زور و قوت میں نہیں زیادہ تھے اور انہوں نے زمین کو جوتا اور اس کو اس سے زیادہ آباد کیا تھا
جو جنہوں نے آباد کیا۔ اور ان کے پاس ان کے پیغمبر تھے انہیں لے کر آتے رہے تو اللہ ایسا تھا کہ ان پر ظلم
کرتا بلکہ وہی اپنے آپ پر ظلم کرتے تھے۔ (سورۃ روم 30 آیت 9)

☆ وہی ہے جس نے تمہارے لئے زمین کا فرش بچھایا۔ آسمان کی رحمت بٹائی۔ اوپر سے پانی برسایا اور اس
کے ذریعے سے ہر طرح کی پیداوار نکال کر تمہارے لئے رزق پہنچایا۔ جب تم یہ جانتے ہو تو دوسروں
کو اللہ کا مد مقابل نہ ٹھہراؤ۔ (سورۃ بقرہ 2 آیت 22)

☆ ہاں ہاں مشکل کے ساتھ آسانی بھی ہے اور بے شک مشکل کے ساتھ آسانی بھی ہے۔ (سورۃ اشراہ
94 آیت 5 سے 7)

☆ اور وہ اپنے بندوں پر غالب ہے اور تم پر عجبان مقرر کئے رکھے یہاں تک کہ جب تم میں سے کسی کی
موت آتی ہے تو ہمارے فرشتے اس کی روح قبض کر لیتے ہیں۔ اور کسی طرح کی کوئی شے نہیں کرتے۔
(سورۃ انعام 6 آیت 61)

(کتاب کانام "قرآن مجید کے روشن موتی" بشکر شیخ بک ابنجی کراچی)

☆ مومنوں! اللہ پر اور اس کے رسول پر اور جو کتاب اس نے اپنے پیغمبر آخرا میں پر نازل کی ہے
اور جو کتاب میں اس سے پہلے نازل کی تھیں سب پر ایمان لاؤ اور جو شخص اللہ اور اس کے فرشتوں اور اس
کی کتابوں اور اس کے پیغمبروں اور وہ قیامت سے انکار کرے وہ سب سے بھگ کر دور جا پڑا۔
(سورۃ نساء 4 آیت 136)

☆ اور جو مال اللہ نے اپنے پیغمبر کو ان لوگوں سے لڑائی بھڑائی کے بغیر دلویا ہے اس میں تمہارا کچھ حق نہیں
کیونکہ اس کے لئے تم نے کھڑے دوڑاے منافقین اللہ اپنے پیغمبروں کو جن پر چاہتا ہے مسلط کر دیتا
ہے اور اللہ ہر چیز پر قادر ہے جو مال اللہ نے اپنے پیغمبر کو دیات والوں سے دلویا ہے وہ اللہ کے
اور پیغمبر کے اور پیغمبر کے قریب والوں کے اور قریبوں کے اور حاجت مندوں کے اور مسافروں کے لئے
ہے تاکہ جو شے تمہیں دولت مند ہیں انہی کے ہاتھوں میں نہ پھرتا رہے سو جو چیز تم کو پیغمبروں میں وہ لے لو
اور جو مال تمہیں تمہیں سے لڑو اور اللہ سے ڈرتے رہو۔ بے شک اللہ سخت عذاب دینے والا ہے
اور ان مصلحتیں ہر ایک مصلحت کے لئے بھی جو اپنے مکرور اور مالوں سے خارج اور جدا کر دیئے گئے ہیں
اور اللہ کے فضل اور اس کی خوشنودی کے طلب گار اور اللہ اور اس کے پیغمبر کے مددگار ہیں یہی لوگ سچے
ایماندار ہیں۔ (سورۃ شوریہ 59 آیت 6 سے 8)

☆ اور کسی مومن کو کشاں نہیں کہ مومن کو مار ڈالے مکر بھول کر اور جو بھول کر بھی مومن کو مار ڈالے تو ایک
تو ایک مسلمان غلام آزاد کر دے اور دوسرے مقتول کے وارثوں کو خون بھادا کر دے۔ ہاں اگر وہ معاف
کر دیں تو ان کا اختیار ہے مگر قاتل تمہارے فرشتوں کی جماعت میں سے ہو اور وہ خود مومن ہو تو صرف
ایک مسلمان غلام آزاد کرنا چاہئے اور اگر مقتول ایسے لوگوں میں سے ہو جن میں اور تم میں صلہ کا عہد ہو تو
وارثان مقتول کو خون بھادنا اور ایک مسلمان غلام آزاد کرنا چاہئے اور جس کو یہ پھر نہ ہو وہ خود مکرور و مبینہ
کے روزے رکھے۔ یہ کفار اللہ کی طرف سے قبول توبہ کے لئے ہے۔ اور اللہ سب کچھ جانتا اور بڑی
حکمت والا ہے اور جو شخص مسلمان کو قتل کر دے گا تو اس کی سزا دوزخ ہے جس میں وہ ہمیشہ جلا رہے گا
گا اور اللہ اس پر غضب ناک ہو گا اور اس پر لعنت کرے گا اور ایسے شخص کے لئے اس نے بڑا سخت عذاب
تیار کر رکھا ہے۔ (سورۃ مائدہ 5 آیت 92 سے 93)

Dar Digest **13** Febuary 2018

تاج 2017 میں شہر آباد پر دہلا چکا تھا تو یہ ہے کہ اس میں صوبائی صاحب خانہ صلیب فوراً سے زیادہ اچھا دیکھنے والی اور بھی ہوئی، اس میں سائبر کی یاد
 کی بات ہے، لکھ نادر صاحب سے متعلق میں دل سے دعا ہے کہ وہ جلد میں مر جائے، اس میں صاحب خانہ صاحب دل پر ہے، انگریزی سے ترجمہ سے ہوئے
 سائبرنگلی صاحب ہیں، اللہ کریم کہ میں سب دلاؤ گا، میں نے خط وادان میں کہہ کر اس کے حکم میں خرچہ کیا، میرا دھرم ہے، آئینہ
 کا بیان ہے، میرے جیسے، میں عرض کیا کہ وہ سے اور خط وادان میں کہہ کر سے زیادہ دیکھیں گے، میں نے کہہ کر، زور نائی، تاخیر نہ کرو، (دعا کے لئے
 شہر آباد پر میرے جیسے، میں عرض کیا کہ وہ سے اور خط وادان میں کہہ کر سے زیادہ دیکھیں گے، میں نے کہہ کر، زور نائی، تاخیر نہ کرو، (دعا کے لئے

[illegible]

مہیاں یا زور حسین : اسلام آباد کے کئی اخبارات میں ایک بڑے سائز کے رولڈ میں شائع ہونے لگی ہیں۔
 ترجمان میں نمایاں ہر روز (پیشہ کاروں کو) محبوب حنی (گناہ مند) کی ایک مرتبہ ہفت روزہ کا ترجمہ ہر ماہ کی کئی
 (تین یا ساٹھ) پڑنے کا بھی سواڑا ہے۔ اس میں ہر مکتبہ کا انتظام ہے۔ ہر ماہ کے روزانہ میں ایک ہی مکتبہ کے نام کے ناموں
 کی فہرست ہے۔ مکتبہوں کے ناموں کے ساتھ ایک ہی نام کے ساتھ ہے۔ ہر ماہ کے روزانہ میں ایک ہی مکتبہ کے نام کے ساتھ ہے۔
 مکتبہ کے نام کے ساتھ ہے۔ ہر ماہ کے روزانہ میں ایک ہی مکتبہ کے نام کے ساتھ ہے۔ ہر ماہ کے روزانہ میں ایک ہی مکتبہ کے نام کے ساتھ ہے۔
 ☆ ہر ماہ صاحب : پیچھے حسب ذیل غرضی ایک ہی کتاب کی "پان لکھا" اشاعت شامل ہے اور ہر ماہ کے امید ہے کہ چند نئے کی آئندہ
 نوازش نامہ بھیجا رہے گئے ہوں گے۔ Thanks.

[illegible]

☆☆ شاہد صاحب: خط لکھتے اور کہانوں کی قسط کے لئے Thanks. دیکھتے تو ان کی مائے کو سندھم رکھتے ہوئے تھی عدم
 اٹھایا جائے گا۔ 13 جگہ کے لئے قارئین کی خوش انداز سے کی خوشی ہے۔ آئندہ ماہ کی افواہیں نامہ کثرت سے متاثر ہو گا۔

[illegible]

☆☆ اسحاق صاحب: ہم نے آپ کو دعاؤں میں یاد رکھا ہوا ہے۔ آپ بھی ہمیں اپنی دعاؤں میں یاد رکھنے کا دیکھ کر دعاؤں سے

☆☆

ایس احتیاز احمد - کراچی

اچانک لڑکی کے تیور بگڑ گئے اس کی آنکھوں میں شعلے دھمکنے لگے خوبصورتی کی جگہ چہرہ کرخت ہو گیا، مترنم آواز کی جگہ اس کے منہ سے بھاری آواز نکلی تو سامنے کھڑا افادر حیران رہ گیا کہ پھر اچانک.....

ذہن سے برسوں مجنوںہ ہونے والی ایک ایسے شخص کی کہانی جو شیطان کا دوسرا روپ تھا

[illegible]

”مجھے سب سے زیادہ جس شخص کے بارے میں تشویش ہے وہ گناہ ہے۔“ نادر بخیر نے کہا۔ ”یہ ایک بڑا سمجیر اور باجماع ہوا مسئلہ ہے۔ اس کی کسی بھی عمر سال ہے اس کے خلاف بحث ہی غبی ہے۔ اس کی ماں پر بھی ہے اور اس پرورد ہے پڑے ہیں! انکڑوں کو دکھایا لیکن کوئی ان کی بات نہیں سوتا۔ میں نے اس کے آپ پرورد رہا ہے کہ اسے کسی ماہر نفسیات کو دکھائے۔“

فادر جنہو کہتا ہا اور اس کا ذہن اس کی باتوں سے دور پر اور کار نامہ "مسلمہ سالہ لڑکی پر دروس" سے پڑتے ہیں یہ لفظ بڑا فرسودہ اور وقفاؤسی ہے۔ نوجوان لڑکیوں

”وہ وقت سخت دیکے کی مہمورت چاہتا ہوں
 قاور۔“ اس نے کہا ”جمہوری ہے“ اس نے سخت سے
 کہا۔ ”لیکن جمہوری ہے اس لڑکی کا معاملہ ہے۔“
 لڑکی جو اس کے پیچھے بیٹھنے کی کام کرکشی

”وہ وقت سخت دیکھنے کی محفرت چاہتا ہوں
 قاور۔“ اس نے کہا ”جمہوری ہے“ اس نے سخت سے
 کہا۔ ”لیکن جمہوری ہے اس لڑکے کا معاملہ ہے۔“
 لڑکی جو اس کے پیچھے بیٹھی تھی، کام کرکشی

بہت دور چاہتے تھے۔
 "کیرئیری اسے چھوڑنے کے بعد وہ اسے کیا کرے گا؟
 رک کر ہوا اس کا کام سونپنے ہے۔"
 "رک کر؟" "کیرئیری کے لیے چھوڑنا۔" اس لڑکی
 کا جو دھڑکی لڑکی کا... "بھرتی نہ کیا۔"

"مجھے سب سے زیادہ جس شخص کے بارے میں تھوٹیل سن رہا تھا وہ کاتھ ہے "نارڈجھنو نے کہا۔ "یہ ایک بڑا مخمیر اور اچھا ہوا مسئلہ ہے اس کی کسی خبر معلوم سال سے اس کے لئے غائب ہو گئی ہے۔ اس کی ماں مر چکی ہے اور اس پر پورے پڑتے ہیں ڈاکٹر لوں کو دکھایا لیکن کوئی ناقص نہیں ہوا۔ میں نے اس کے باپ پر زور دیا ہے کہ اسے کسی ماہر نفسیات کو دکھائے۔"

فادر نجو بہتر یا دور رس کا ذہن اس کی باتوں سے پروان چڑھا۔ "اس باروں لڑکی کا ذہن پڑتے ہیں ایسا ہیڈ فز مسودہ اور دو کتابوں سے جو ان لڑکیوں

”وہ وقت سخت دیکھنے کی محفرت چاہتا ہوں
 قاور۔“ اس نے کہا ”جمہوری ہے“ اس نے سخت سے
 کہا۔ ”لیکن جمہوری ہے اس لڑکے کا معاملہ ہے۔“
 لڑکی جو اس کے پیچھے بیٹھی تھی وہ کام کرکشی

کر رہی تھی اسکول کی خالید لگی تھی اور گرگوری سے لگا ہوا چرائی تھی۔ ”اگر واقعی اہم مسئلہ ہے تو کوئی تائید نہیں“ گرگوری نے کہا اور انہیں انداز لاکر کرسیوں پر بیٹھا دیا۔ ”جہاں سے یہ بتانے کی ضرورت نہیں کہ تم گارتھ ہوادور یہ سون ہے“ فادر نے دونوں کے چہرے بخورد کیئے ہوئے کہا۔ ”ہاں تو میں تم لوگوں کے لئے کیا کر سکتا ہوں۔“

”مہم آپ سے ملنے کے لئے بہت دور سے باہر انتظار کر رہے ہیں“ گارتھ نے کہا۔ ”لیکن میں جانتا تھا کہ فادر جو ملے جائیں، جب اندر آؤں، انہوں نے آپ کو بتا دیا ہوگا۔“

”مختصر طور پر بتایا ہے“ گرگوری نے کہا۔

”دیکھئے انہوں نے مجھے مشورہ دیا کہ میں اسے ڈاکٹر کو دکھاؤں کسی اسپتال میں، مگر میرے خیال میں انہیں اس کے ذاتی قوانین پر مشر ہے۔“ گارتھ نے یہ کہہ کر فوراً کہا ”میں انہیں اصرار نہیں دے رہا ہوں، جو واقعہ پیش آیا اس کے پیش نظر انہیں کیا رائے قائم کرنی چاہئے۔“

”گوں سارا واقعہ؟“ گرگوری نے پوچھا۔

”انہوں نے آپ کو نہیں بتایا؟“ گارتھ نے تذبذب سے کہا۔ ”انہوں نے صرف اتنا بتایا کہ ”گرگوری نے اسے چہرے پر لڑائی کی تھی جس میں اس کی اور کہا۔ ”سوزن اگر دوسرے کمرے میں جائے تو مناسب ہوگا۔“

”میں فادر؟“ سوزن نے دھبی، شرمیلی آواز سے کہا۔ ”میں نہیں سمجھوں گی۔ آپ لوگ مجھے سے کچھ نہ چچا نہیں۔“

اس کی جرأت مندی پر حیران ہو کر گرگوری نے کہا ”بہت خوب بہت خوب۔“ اور گارتھ کی طرف مڑ کر کہنے لگا فادر جو نے مجھے اتنا ہی بتایا کہ ”سوزن ذاتی طور پر حد پریشان ہے اس پر سخت دور سے پڑتے ہیں اور انہوں نے اسے کیا باہر ڈاکٹر کو دکھانے کا مشورہ دیا ہے۔“

”ماہر نفسیات کو“ سوزن نے اسے ٹوکا۔ ”ہاں اسی کو، گرگوری نے کہا۔

”انہوں نے بس یہی کچھ بتایا ہوگا آپ کو؟“ گارتھ نے پوچھا۔ ”ہاں اتنا ہی تم لڑکی کو ماہر نفسیات کے پاس لے گئے۔“

”نہیں“ گارتھ کی بجائے سوزن نے جواب دیا۔ ”دیکھئے فادر؟“ گارتھ جلدی سے بولا۔ ”میں بات تو یہ کہ دل کو دلک بہت یاد دہیں لیئے ہیں اور میں اس کا کھنک نہیں ہو سکا، دوسری وجہ یہ کہ۔۔۔“

”ڈیلی“ سوزن اونچی آواز سے بولی۔

”دوسری وجہ یہ کہ یہ میری لڑکی کا ذاتی قوانین میں بالکل ٹھیک ہے میرے پاس کی ماں کے خاندان میں اس قسم کی بات بھی نہیں ہوتی ہے تو لڑکی کا دماغ کیسے چل سکتا ہے اور اس پر پڑنے والے دور سے۔۔۔ تو یہ کچھ اور ہے، اپنی بات پر اس پر ایک رشتے کے چچا تھے ان پر بھی یہی قسم کے دور سے پڑتے تھے۔ سوزن کے ساتھ میں بھی معاملہ ہے۔ چنانچہ میں نے اسے ایک نہیں دو ڈاکٹر لایا اور انہوں نے اس کا تفصیل سے معائنہ کیا۔۔۔“

”کیسے ہیں“

”بہتر کوئی خاطر خواہ نتیجہ ابھی نہیں ہوا“ گارتھ نے اپنی بات جاری رکھی ”ٹھیک“ گرگوری نے کہا۔ ”انہوں نے کیا بتایا۔“

”کچھ نہیں۔“ گارتھ بولا۔

”انہوں نے کہا کہ مجھے کسی ماہر نفسیات کو دکھایا جائے“ سوزن بول پڑی۔ ”سسر گارتھ گرگوری نے کہا۔ ”میں اس نتیجے پر پہنچا ہوں کہ بچے کی راہ میں حائل ہے پیسے درختوں پر نہیں اگتے اور جیسا کہ آپ نے کہا ہے کہ کرفلیات کے ماہر ہمدانی نہیں لیتے ہیں۔ اس مسئلے کا ایک مل ہے میرا، بہنوئی ایک بڑا ماہر نفسیات ہے اور۔۔۔“

”لیکن یہ فضول ہے“ گارتھ نے نگاہاری سے سر جھنجھڑی۔ ”اس میں صریح ہی کیا ہے؟“ گرگوری

نے کہا ”صرف پیسے کی کمی ہی واحد رکاوٹ نہیں ہے“ گارتھ بولا ”میں اپنی لڑکی کو ایسے ڈاکٹر کے پاس کیوں بھیجوں جو ڈیڑھ سو برسوں کا علاج کرتا ہے، امیری لڑکی کو تو ایسا مرض نہیں ہے۔“

”اس میں لڑکی کے ذاتی مریض ہونے یا نہ ہونے کا سوال نہیں ہے ایک ماہر نفسیات۔۔۔“ گارتھ نے ہونٹ سمجھ کر اور آٹھیں بند کر کے کرسی میں سر ہلایا۔ ”نہیں، نہیں، دو کہنے لگا۔ ”مجھے معلوم ہے یہ دماغ کے ڈاکٹر سے فزیشن میں کیا کرتے ہیں۔ یہ انسان کے دل کی ساری بات چٹکا لیتے ہیں وہ اس سے سب کچھ اگھوا لیتے ہیں چاہے جن کا انسان ہر وہ گناہ اور ذلیل خیال ان کے سامنے نکال کر رکھ دے جو اس کے ذہن میں کسی گناہ اور نتیجہ میں اس مریض لڑکی کے ساتھ نہیں ہوں گے دن کا سر ہل کر یہ نہیں کر دں گا اور فادر ایسے آپ پر جبر ہے کہ کیا گھٹیا ایسی باتوں کی اجازت دیتا ہے۔“

”نہیں“ گرگوری نے سارے سے کہا۔ ”مجھے اعتراف ہے کہ گھٹیا اس کی اجازت نہیں دیتا ہے۔ لیکن اس کے بالکل خلاف بھی نہیں ہے، ایک ماہر نفسیات کے سامنے ذہن کی ہر گندگی اگلے اور ایک بادی کے سامنے اعتراف گناہ کرنے میں کیا فرق ہے سسر گارتھ؟“

”فادر آپ جانتے ہیں کہ میں سوزن کو اس وقت آپ کے پاس کیوں لایا ہوں؟“ گارتھ نے ایک بات کا رخ مڑتے ہوئے کہا۔ ”کیوں؟“ گرگوری نے پوچھا۔

”آج یہ کمرے سے بھاگ رہی تھی میں نے پکڑ لیا تو بولی کہ ”میں ماہر نفسیات کے پاس جاؤں گی کیونکہ مجھے اس کے پاس لے جاتے ہیں ہو۔“

”میں اسے یہاں لے آیا کہ آپ اسے سمجھائیں کہ میں کچھ کہہ رہا ہوں وہ درست ہے“ گارتھ تم ختم کر کے اطمینان سے بیٹھ گیا۔

”کیا درست کہہ رہے ہیں فادر“ سوزن نے

معدومیت سے پوچھا۔ گرگوری مسکرایا۔ وہ کہتا جانتا تھا کہ گارتھ بالکل غلط کہہ رہا ہے لیکن اس نے عملیت سے کام لیتے ہوئے کہا۔ ”یہ درست کہہ رہے ہیں اور ہم نہیں سوچ رہے ہیں کہ تو کوئی نہ کوئی حل نکال آئے گا۔“

”ڈیلی! اگر آپ انہیں اصل بات بالکل نہیں بتاتا چاہتے تو آپ بتائی ہوں“ سوزن چپک کر بولی۔ ”تم بتاؤ گی؟“ گارتھ نے جبر سے کہا۔ ”جس بات کو میں پچاس سال کا بوڑھا نہیں کہہ سکتا تم بالشت بھر کی چھوڑی کہہ دو گی۔۔۔“

”میں اتنی بچی نہیں جیسی ہوں، بہتر ہے آپ فادر کو بتا دیا۔“ سوزن نے اطمینان سے کہا۔

”ایک ریز میں اس فادر جو کہ پاس لے آیا۔“ گارتھ نے چپا چپا کر بات شروع کی ”اسی مطالعہ کا گام وہ اس نے تجاویز میں بائیں کرنے لگا اور میں باہر برآمدے میں انتظار کرنے لگا۔ کچھ دیر بعد امیر سے ایک کہانی آواز آئی جیسے کوئی جبر سے کہی ہو۔ اور ہر گھنٹی مسمیٰ ہی چنچ سنا لی رہی۔ یہ چنچ سوزن کی نہیں تھی اس نے فادر جو کہ ہی ہو سکتی ہے وہ۔۔۔ رک جاؤ۔۔۔“

”میں نہیں۔“ کہہ رہے تھے باقی قسم کے کچھ الفاظ بھیجے۔ میں اس فیصلہ نہ کر پانچ کہیں کہ اس کی چنچ بولنے والی ”بہنہا چنچاؤ“ میں دوڑ کر اندر گیا تو فادر جو کمرے کے وسط میں کمرے سے تھے ان کا جہہ انہ کے تفصیل کے کار کی طرح سفید تھا۔ ان کے منہ سے بات نہیں نکلی رہی تھی وہ گھبرائی گھبرائی نظروں سے چادروں طرف دیکھ رہے تھے۔ چند ثانیے بعد وہ مجھ سے کچھ کہنے بغیر باہر نکل گئے۔ اس واقعہ کے چند روز بعد میں نے سنا کہ انہوں نے اپنا جائیداد لے لیا ہے۔

”خبر اس واقعہ سے ان کے تاجہ کو کافی تعلق نہیں ہے“ گرگوری نے اپنے تجسس پر قابو پا کر ہونے کہا۔ ”وہ جتنی خانے کا انتظام سنبھالنے کے لئے بہت دنوں سے کوشاں تھے۔ نہیں اس واقعہ کا کوئی پس منظر کی تفصیل معلوم ہے؟“

”جیسا“ گھر گئے جواب دیا ”البتہ جس وجہ سے میں سون کو قادیانہ کے پاس لایا تھا وہ یہی تھی کہ قادیانہ میں نکلنے میں اور سون کو قادیانہ کے محکمہ میں تیار ہو کر حرج کے لئے روانہ ہوئے۔ جب میں اس کے قریب پہنچے تو اپنا پاک سے میرا ہاتھ پھیرا اور ہانک کر فریادوں میں اس کے پیچھے دوڑا لیکن یہ ہاتھ نہ آئی۔ گھر آ کر میں نے اسے بہت بھڑکائی لیکن یہ خاموش رہا۔ اور اس نے اسے بہت کچھ کہہ کر کھینچ لیا۔“

رکھ لیا اور دبا گئی۔
 ”نہیں..... نہ.....“ وہ ہکا بکا کر پیچھے ہٹا
 تو سون نے اسے اپنے لیے لیے، پتے بازوں کے
 حصار میں لیے۔ اور اپنے ہونٹ اس کے ہونٹوں
 سے پیوست کر کے زبان اس کے منہ میں سمیٹ دی تو
 جھجھکے اسے زور سے دھکا دیا تو وہ لڑکھڑا کر دو قدم
 پیچھے ہٹ گئی۔
 ”ہاں.....“ وہ دم سے قدم فٹہ فٹہ کر لگا لگا کر

خیالی کے پوتے۔
اس کی غیر متوقع آمد نے گمبوی کی ملازمہ سز
خانی کو کتنے میں ڈال دیا۔ مگر وہ اسے سیدھے قدموں
گمبوی کی اطلاع دے چلی گئی وہ بھی ہکا بھکا آیا
اور اس نے جب کہ ہشپ گوارہ نے ہاتھ تھپتھا چم
لئے۔ وہ دونوں ملازمہ گاہ میں جا بیٹھیں اور کونار
اس کے سوچو وہ ماحول اور کام کے بارے میں پوچھتا
ہوا۔ یہی دیکھ کر ہانوں کے بعد اس نے جمبوی کی رد واداسے
پھرنے کے لیے تو وہ سناٹے میں آ گیا۔ اسنے میں
سز خانی نے آقا جت سے اسے کچھ کہا تو وہ کونار
سے معذرت کر کے آغا اور روٹی کر کے میں چلا گیا
ہاں سز خانی کی ہمت تھی۔

ساتھ تنہا رہ گیا۔
 ”میرے قریب آؤ مس“ کو مارڈ نے کہا تو
 سوسن بدولی سے آگے بڑھی ”تمہارا نام؟“

[illegible]

”ہاں کھلیں“ اس نے جیب میں ہاتھ ڈالنے ہوئے کہا ”مہم دوکے لیے ہیں ایک نصف ڈالر کا اور دوسرا چھائی کا تم آج انھیں بند کرو اور میں بے گھر ہوں گا۔“

”تھوڑے دنوں کے لیے یہاں نصف ڈالر کا کوئی سا اور چھائی ڈالر کا سا، سمجھ گھڑی کیا اپنی آنکھیں بند کرلو۔“

”سوں نے انھیں بند کر دی تو کوٹا روڑے چھائی ڈالر کا کس کا سونے بازو سے لگایا، ”میرا خیال ہے نصف ڈالر“۔ سوں نے ہاتھ ہونے کوٹا روڑے نصف ڈالر کے بازو سے لگایا۔

”صحیح اعجاز نہیں ہوا ہے“ سوں بولی۔

”چھائی ڈالر ہے یا پھر وہی نصف؟“۔ کوٹا روڑے چھائی ڈالر کا کہ جب میں ذرا لیں نصف ڈالر اس کے بازو پر لٹکے گا۔ وہ اسے بھی چھائی ڈالر بتاتی تھی نصف، دیر تک یہی متاثر رہا۔ پھر کوٹا روڑے دوسرا ہاتھ جب میں اس کے بازو سے لگایا پھوٹی سی صلیب نکلی اور اس کے بازو سے گڑی۔

”آپ نے مجھے حیران کیا؟“۔ سوں نے چلا کر انھیں کھول دیں ”آپ نے کسی چیز سے میرے بازو کو داتا ہے یا کسی دودھ؟“ وہ دوسرا ہاتھ لے کر کہہ کر بلبلانے اور روڑے لگی۔ کوٹا روڑے اس کا ہاتھ بنا کر اس کے بازو پر لٹکایا تو وہاں صلیب کا صرف معمولی سا نشان تھا۔

”کھٹ سے دو روزہ دکھلاؤ؟“ اس نے انھیں اندر بلا دیا۔

”کیا بات ہے؟“۔ کوٹا روڑے نے اس سے پوچھا۔

”سوں کو تکلیف پہنچی ہے“۔ کوٹا روڑے کا ہاتھ لڑنے کے پاس کوئی عرصہ مضمرہ ہوا جس کے بازو پر لگواؤ۔

”گھوڑی سوں کا ساتھ ساتھ لے لیا اور چھوٹ جلد تھا۔ وہ کوٹا روڑے نے اسے اپنے صلیب والی بات بتائی۔

”کیا آپ کو یقین ہے کہ اس کی آنکھیں بند تھیں؟“ گھوڑی نے ساری بات سن کر کہا ”ہاں وہ واقعی بند تھیں۔“ کوٹا روڑے نے جواب دیا۔

”لیکن بند آکھوں گے بازو ایک کول کے صلیب میں فرق نہ پڑا جس مشکل نہ تھا۔“ گھوڑی

نے جبر کیا " بازو کی جلداتیں ساس نہیں ہوتی ہے " کھارڈ نے کہا تو بھگوری نے طرے اس کی تردید نہیں کی۔ " میں اس کی فیتور پہنچا ہوں کر لڑکی ہے ایک اور زمین سونے دو درہم ہے " اس وقت انھیں باہر کے کمرے سے سونے کے تھقبوں کی آواز آئی اور باہر کھل کر انہوں نے دیکھا کہ دو کمرے کے وسط میں کھڑی ہے تماشا خٹے چاندی ہے۔ سامنے دو دربار پر کھڑی سرخ کی تصویر کا فریم جھول رہا تھا اس کا شیشہ چٹان چور ہو چکا تھا اس پر ایک موٹی کتاب بیٹھی تھی جس کی دو دربار کے قریب پر تھی۔ انھیں دیکھ کر سونے والی چاہی کھینے لگی اور انہوں نے اسے تھمت کر پالائی منزل پر لے جا کر خراب گاہ میں بند کر دیا۔

کھارڈ نے اسے اندر بلایا اور کھجوری نے ازراہ ہمدردی کہا کہ وہ کچھ دیکھنے کے لئے سستائے۔ سونے بلانچوں میں جہاں ہستر پر لیٹ گئی۔ کھارڈ نے کھجوری سے کہا کہ وہ انجیل مقرر کی وہ آیتیں پڑھے جو انجیل کے بارے میں ہیں۔ اور کھارڈ نے انجیل کے کمرسون کے قریب ایک کھڑکی پر بیٹھ گیا اور کھارڈ نے پڑھنے لگا۔ جو وہ پڑھتا جاتا کھارڈ اس کو رگہ رگہ غصہ ہو جاتا تھا جو وہ دہر دو دانت کھپانے لگی اور پھر کچھ دیر بعد اس کے جسم میں انجیل ہونے لگی۔

معاہ وہ ایک جھگڑے سے اٹھ بیٹھی اور اٹھا دھند بھاگی وہ سیدھی ایک دربار سے گھرائی اور فرش پر ڈھیر ہو گئی کھارڈ دو دروازوں کھل کر چلا آیا " مسز خندانی لڑکی لڑ " اسے چند لمحوں میں دو رعبوں سے جکڑی ایک مصلوب کی طرح چنگ پر پڑا دیکھی کھارڈ نے اس کے پیچھے سے ہسٹر کی ہٹا دیا تھا اور سربگ اس کے جسم میں تھے چارے تھے کھجوری نے کتاب دہیں سے شروع کی کہیں کھجوری کھی سونے کے قلعے سے غراہٹ نکلے گی ایک دروند کے غراہٹ جس میں غرارت کھی تھی اور غراہٹ کھی اس کی آنکھیں بند تھیں۔

" بند کرنا " اس کے ہونٹوں سے ایک کڑخت ڈاؤنٹ " بند کرنا " بند کرنا " وہ سارے " کہ کھارڈ اور

گر گیکوری نے کوٹارڈ کی طرف دیکھا۔ اس کے چہرے پر تاحنا نہ سگرا سمیٹھی "اگر تم شیطان ہو تو اس لڑکی کو اذیت کیوں دے رہے ہو؟" گر گیکوری سون پر جبکہ کر بولا۔ "اسے اذیت تم دے رہے ہو؟؟ سون نے کہا "بھری بات کا جواب دو"

"جواب ضرور ملے گا میں نے اس پر قبضہ کر لیا ہے تاکہ اسے خود ہی آگ آدھ کر دوں۔"

"کیوں؟"

"اس لئے کہ حرام موت مر کر یہ ہمیشہ کے لئے میری ہو جائے گی۔"

"یہ تباہ دوسرے ساتھ جہنم کی آگ میں رہے گی جہاں وہ بھی ہوگا۔"

"دوکن؟"

"جس نے اس کی عزت پر ہاتھ ڈالا میری؟"

میرا مطلب ہے لڑکی کی "گر گیکوری جلدی سے بولا "یہ نہ پوچھیں تو جبر ہے"

"جہیں تانا ہوگا"

"سنو تم بھی اس لذت سے آشنا ہو سکتے ہو"

"یکساں نہ کرو"

"تمہیں بے حد عطف آئے گا"

"میں کہتا ہوں دوکن تھا؟"

"تم میرا جواب نہیں دے کر تمہیں کر دے تم یقین نہیں کرو گے"

"اس کی فکر نہ کرو"

"ہناؤ وہ کوئن تھا؟ بیورج سچ اور کوٹاری مریم کے نام پر تانا؟"

"قادر....."

"جھوٹ ہے"

محمد یوں کا پورا دزد لگا کر چلا، باہر پارڈل زور سے گر جا اور اندر میرے سبکی جوار کی طرح لگی تندہ دتیر ہوا کا جھوکا کھڑکیوں کے بندیشوں سے کھرا، اور دھامیں دھامیں بارش ہونے لگی۔

"یہ غیبی جھوٹ ہے، ہر اس پر بتاں ہے" کرے

سے ہار لیں کر گیکوری کوٹارڈ سے کہہ رہا تھا "مجھے یقین ہے قادر جھوٹ پر حرکت نہیں کر سکتے"

"تمہیں کس طرح یقین ہے کوٹارڈ؟" مرد لہجے میں بولا "خود آپ نے بھی تو اسے جھوٹ کہا ہے؟"

گر گیکوری حیرانی سے بولا "وہ میں نے جوش میں آ کر کہہ دیا تھا" کوٹارڈ نے لاپرواہی سے کہا "یقین ہے"

ہائیکسن ہے "گر گیکوری نے احتجاج کیا۔"

"جبر ات ابھیر کھو، ناقابل یقین ہو گئیں ہائیکسن نہیں ہے" کوٹارڈ بولا۔ "ہر ایسی لکھی" کر گیکوری نے پھری ہوئی آواز میں کہا "یہ مت جھوٹے کہ یہ جہنم شیطان نے لگایا ہے آپ جھوٹ کے جہاں بھی بات ان کیس میں اس کے کہنے کو سچ مان لیں گے"

"یہ ضروری نہیں ہے" کوٹارڈ نے جواب دیا "لیکن اس کے کہے پر یقین نہ کرنے کی کوئی وجہ نہیں ہے آؤ کل پہلو بارہا اس کہانی کا تجزیہ کر کے ہیں"

دو دنوں کرے میں گئے تو سون آٹھیں کھولے

اسی طرح پڑی گی۔ "سون" گر گیکوری نے کھری جھجکی سے کہا "اس بارے میں ذرا تفصیل سے بتاؤ دقت کیا تھا کوئن کی جگہ تھی"

"آج..... چھا" سون تنفس سے بولی

"مجھے تمہاری دیکھی کی وجہ معلوم ہے یہ راہبنا نہیں ملتا جھٹ جٹ سے مرے لئے کہ ہونٹ چاٹ چاٹ کر اس کی تفصیل سنو گے"

گر گیکوری نے زور سے اسے چائنا لگایا

"گر گیکوری" کوٹارڈ چٹا کر گیکوری نے دوسرا چائنا لگایا تو سون ہلکا ہوا اس کے منہ سے دہی سسکیاں اور کراہیں نکلتے لکھیں کر گیکوری نے پھر ہاتھ اٹھایا تو کوٹارڈ نے دوک دیا۔

"کیا کر رہے ہو گر گیکوری" کرے سے باہر ہوا کے جھجکا ہوا لوں کی گونگڑا جھٹ اور سولادھار بارش کا ہنسنے شہر تھا کرے میں طغی کرتا تھا۔ صاف صدر دروازے پر دھک ہوئی "کوئی دھک دے رہا ہے" مزار خانی بولی۔ "دینے دو" کوٹارڈ نے جھلا کر کہا۔

"مصلوب سچ کے نام پر بتاؤ کہ واقعی قادر جنو نے سون کا گھر کی عزت پر ہاتھ ڈالا تھا" گر گیکوری نے گونگڑا کر سون سے کوئی دروازہ زور زور سے پینٹے لگا۔

"ہر ایسی لکھی" سوز خانی نے کوٹارڈ کی قہر اس طرف میڈول کرنا چاہی "کھٹکھٹانے دو" کوٹارڈ غرا کر بولا "میں نے قادر جنو کا نام کیا" سون نے اطمینان سے کہا گر گیکوری اور کوٹارڈ ایک دوسرے کا منہ کھٹکے لگے۔

"تم ہی نے قادر کو کہا تھا" گر گیکوری نے جھٹوں کے بل جھٹ کر کہا "کیا قادر صرف روحانی باپ کو کہتے ہیں؟" سون نے ہانڈی حیرت سے کہا۔ "قادر دوسرے مستون میں بھی تو باپ کو کہتے ہیں"

"اگر وہ قادر جنو میں تھا تو پھر کن تھا؟"

گر گیکوری نے زچ آ کر کہا "وہی جاس وقت دروازے پر دھک دے رہا ہے" سون نے آٹھیں بند کرتے ہوئے کہا۔ گر گیکوری تیزی سے دروازہ کھولے چلا گیا۔ اس کے سامنے گاڑھ کھڑا سون کے الفاظ گر گیکوری کے کانوں میں گونج اٹھے اور وہ بے حس و حرکت کھڑا رہا "ہٹ جاؤ میرے راستے سے" گاڑھ، گر گیکوری کو دھکا دے کر اندر آئے۔ گر گیکوری نے دروازہ بند کر دیا۔

"کہاں ہے وہ؟" گاڑھ گھر چلی پر نظر اس دروازے ہوئے تھیں سے بولا "وہ اب رہا اور بالکل ٹھیک خاک ہے" گر گیکوری نے کہا "ڈرامی بات تُو"

"ہاں..... ہاں ضرور سنوں گا" گاڑھ ذات کا کچا کر لکھنے لکھی پانی پنی کے پاس "چلو"

"تمہاری بیٹی اٹم اس کے باپ ہو" سون کے لئے اس سا باپ بدتر ہے، روحانی باپ جس کے نظریے سے اس نے تم کو لپاؤ ڈھیرے ساتھ" اس نے گاڑھ سے کہا۔ "اگر کسی نے اس پر ہاتھ اٹھایا ہو گا اسے ذرا بھی تکیف پہنچائی گی ہوگی تو اچھا نہ ہوگا" گاڑھ کہتا جا رہا تھا "تُو تم دروازہ پیٹ رہے تھے" کوٹارڈ نے

گاڑھ کو دیکھ کر کہا۔ "ہاں میں تھا" گاڑھ نے کہا اور سون پر نظر پڑتے ہی دروازے کے پاس گیا "بے بی ان لوگوں نے تمہارا کئی خشر کر دیا" سون نے کوئی جواب نہ دیا۔ "بھری بات سن رہی ہو جان بے میں ہوں تمہارا ڈیلڈی" اس نے بے کہتے ہوئے پلٹ کر دو دنوں پادریوں کو دیکھا اور غضب ناک ہو کر بولا "تم نے اس کے ساتھ کیا کیا؟"

"سوز گاڑھ" گر گیکوری نے کہا چاہا "اسے نشہ آور چیز چٹائی ہے؟"

"اس کا یہ حال کیوں ہے؟" اس نے چلا کر کہا "پادری کو کر تم راب کہ میں ہو اپنی زبان پر قابو رکھو" کوٹارڈ نے تھجھکی۔

"مجھے یہ دھوکا سنو۔ دو" جہیں یہ حساب چکانا ہوگا" گاڑھ نے دھکے سے کہا "کیا تم ہمیشہ اسی طرح دھک دے رہے ہو؟؟ کوٹارڈ بولا بہت تھکے گا رہے ہو نیچے جا کر آرام کرو۔"

"میں میں سون کو گھر کے چارہا ہوں" گاڑھ نے پنی سے کہا۔ ہر ایسی لکھی کی آپ چاہر آنے کی زحمت کریں گے؟" گر گیکوری نے کوٹارڈ سے کہا اور دو دنوں باہر ملے گئے۔

"اب کیا کرنا چاہئے؟" گر گیکوری نے کوٹارڈ سے کہا اور دو دنوں باہر ملے گئے۔

"اب کیا کرنا چاہئے؟" گر گیکوری نے کہا" کیا اسے تانوں کر کیا کچھ ہوا ہے کیا اس نے اندازہ نہیں لگایا ہوگا؟" کوٹارڈ نے جواب دیا "کیا۔" اچھا تو اب یہ مجھ پر چھوڑ دیجئے آئیے اندر چلیں۔" گر گیکوری نے فیصلہ کر لیا کہ میں کہا اور دو دنوں کرے میں ملے گئے۔

"اس سے پہلے کر تم سے جواب طلبی کو دم اپنے بارے میں بتاؤ۔" گر گیکوری گاڑھ سے صاحب ہوا۔ "اپنے اور سون کے بارے میں اپنے اور اپنی بیوی کے بارے میں چھوٹا پہلے تمہاری بیوی میری تو اس کے بعد کیا ہو گیا؟ وہ کس طرح مر گئی؟"

"پتہ نہیں تم سے کیا کہہ رہا ہوں" گاڑھ غرا کر بولا

اب بیوی کے پیسے کے بارے میں بھی
بتاؤ۔“ کوہارڈ نے کہا۔ ”کیا مطلب؟“ گارتھ نے

”سوئی!“ گارتھ تڑپ کر چیخا اس سے کہتا رہا۔
 ”اے اپنی ماں کی جگہ لینی چاہئے اس کی جگہ گھر کی“

”اے ہمارے دوست! تم ابھی پولیس کے پاس جا سکتے ہو“

ہونے لگیں۔ ”اس کا رتھ کو“ اور وہ بے ہوش ہو کر لڑگیوری کی ہانپوں میں جمول گئی۔

”یاد رکھیے جو کچھ آپ کہیں گے وہ آپ کے خلاف بطور شہادت استعمال ہو سکتا ہے۔“ پولیس افسر لیفٹیننٹ فریک ہیراڈی نے دوسری یا تیسری مرتبہ کہا۔

”ہاں میں جانتا ہوں اور اسی لئے بغیر کچھ سوچے کچھ نہیں کہوں گا، مگر گیکوری نے ٹیم سکرپٹ سے جواب دیا۔ ”آپ کے خیال میں کاتھری کی موت کس طرح واقع ہوئی؟“ فریک نے پوچھا ”میں کچھ نہیں کہہ سکتا“ گیکوری نے ساٹ لہجے میں جواب دیا۔ ”اور آپ کا قار؟“ فریک نے کونڈے پہ پوچھا۔ ”گیکوری کہیں جاسکتا سوائے اس کے کہ اس کی موت قدرتی تھی دست نیب نے اسے ہلاک کیا“ کونڈا بولا۔

”تو آپ کے خیال میں ہر موت میں دست نیب شامل ہوتا ہے“ فریک نے کہا ”ہاں“ کونڈا نے جواب دیا ”مخل میں کس؟“ فریک نے جہتا ہواسوال کیا ”تو تمہارے خیال میں کاتھری کو قتل کیا گیا ہے؟“ کونڈا نے انہیں اس سوال کیا۔

”بہتر تعلق پولیس میں ملے گی تفتیش کے شعبہ سے ہے پورا کچھ پولیس الیڈا قدرتی طور پر میرے ذہن میں یہ بات آ رہی ہے“ فریک بولا۔ ”اس پر تو کچھ بھی نہیں ہے نہ اپنی آنکھوں سے دیکھا تھا اس سے“ سسر خاری بول پڑی۔

”کچھ گری ضرور تھی لیکن اس سے کچھ فاصلہ ہے“ فریک نے بڑی تہذیب سے اس سے کہا ”دور سے جھین میں نظر آیا ہوگا کہ کبلی اس پر گری ہے کیا آپ نے کاتھری کا ساتھ دیکھا یا چیک کیا؟“ گیکوری نے پوچھا۔

”کچھ مطلب ہے آپ کا قار؟“ فریک نے ہنوزی اٹھا کر پوچھا ”کچھ نہیں جیم“ گیکوری نے کہا، ”بجائے اس کی یہی ڈوب کر مری گئی اس سلسلے میں کوئی تفتیش“

”اس سے آپ کا نتیجہ نکالنا چاہتے ہیں؟“

”یہ ہو سکتا ہے کہ اسے اپنا جرم ظاہر ہو جائے گا خدشہ ہو گیا اور اس نے خودکشی کر لی ہو“ ”ظہر ہے“ سسر خاری نے اچانک پل پڑی ”اس طرف تو میرا خیال ہی نہیں جب پراسیکیوٹر کسی اور قار چنوں کے لئے لڑی کے کمرے سے باہر گئے تھے اور کاتھری وہیں رہا تھا تو قس نے اسے جب سے ایک چھوٹی سی شیشی نکالے اور اس میں سے کوئی چیز نکال کر منہ میں ڈالے ہوئے دیکھا تھا اس سے کچھ دیر بعد ہی وہ دمک پر جا کر مر گیا“

”شیشی“ فریک چونکا ”ہاں اس کی جیب سے ایک شیشی برآمد ہوئی ہے مگر میرے..... اس نے براہ کفر فون اٹھایا۔“ ڈاکٹر فوسٹر میں فریک ہیراڈی بول رہا ہوں کہ کاتھری کی جیب سے جو شیشی نکلی ہے اس پر لیبل کیا گیا ہے“

”لیبل نہیں ہے؟“

”پہچانو آپ کو کیوں کا یہ کیا کی چیز یہ کہیں اور مجھے بتائیں“

”خودکشی“ اس نے فون بند کر کے ڈریلب کہا ”اس سمت میں تو میرا ذہن کیا نہیں اچھا اب میں اس کی لڑکی سے سوالات کروں گا۔“ لیفٹیننٹ نے کہا۔ ”لڑکی ابھی تمہارے سوالوں کا جواب دینے کے قابل نہیں ہے اسے تو اب تک اس کے باپ کی موت کا بھی نہیں بتایا گیا کچھ بھی ہو میں اس سے ملوں گا“ فریک نے کہا۔

”تم اس وقت اس سے نہیں مل سکتے! گیکوری نے سختی سے کہا۔ ”وہ آج سب کے ذہر سایہ ہی سے اس کی حالت کچھ بھی نہیں ہے“ کونڈا نے مداخلت کی۔ ”میں پولیس واپس آ رہا ہوں جناب“ فریک نے طنز سے کہا ”ہم لوگ برا کام روحانیت کے ذریعے نہیں کرتے ہیں“

”بہر حال تم اس سے نہیں مل سکتے“ گیکوری نے عزم سے کہا اور اس کا راستہ روک کر کھڑا ہو گیا۔ ”تم اس وقت رامپ کدے اور ہشپ کے

دور رو لیفٹیننٹ۔“ کونڈا نے گھبریلے میں کہا ”میرے راستے سے ہٹ جاؤ“ فریک اس کی بات کو نظر انداز کرتے ہوئے گیکوری سے بولا ”میں اپنا فرض ادا کرنے جا رہا ہوں کیا یہ ممکن ہے کہ کاتھری نے خودکشی کی ہو اور اسے زہر سے گرہ لگا کیا کیا ہو۔“ مگر گیکوری کے ذہن میں ابھی کچھ ایک کی کوئی اور اس کی چنگ میں اسے قار دھو کر پروسن کا حملہ یاد آیا۔ پھر اس کی کاتھری سے نفرت اس میں شامل ہو گئی وہ ابھی فیصلہ نہ کر پایا تھا کہ وہ فریک کا راستہ چھوڑ دے یا اسے بخوشی اندر جانے نہ دے کہ صدر دروازے کی کھنکھنی۔

”کھنکھنی نے آپ کو ناخوشگوار واقعہ سے بھالیا ہے قار“ فریک زہر خنک سے بولا ”میرا کوئی آدمی آیا ہوگا میں ابھی آتا ہوں، اور اگر کسیدہ حال لڑکی کے پاس جاؤں گا، وہ دم دم کرتا گیا اور جب لوہا تو اس کے ساتھ قار دھو تھا۔“

”اورہ قار! اچھا ہوا، آپ آگئے، یہاں بڑے عجیب واقعات ہو رہے ہیں“ سسر خاری اسے دیکھتے ہوئے بڑی سے تالی سے آگے بڑھی اور اس کا ہاتھ جیم لیا مگر گیکوری نے لب بدلا سے ہاتھ ملایا۔

”کونڈا نے اس کا تجربہ مقدم کرتے ہوئے کہا ”جیم میرے بچے کیسے آتا ہوا؟“

”میں اعتراض کرتے آیا ہوں“ جنو نے نظری ہوئی آواز میں کہا کہ اسے اس سکوت چھایا کونڈا اور گیکوری کے منہ سے نکلے ہوئے گئے۔

”گاتھری ایک روز میرے سامنے اعتراض کرنے آیا تھا“ جنو کہنے لگا ”جیمو“ کونڈا دھاوا۔ ”میں جانتا ہوں پور ابھی پولیس کی مقدس قوا میں سے اُغرائے ہوئے کہوں“ جیمو کہتا رہا ”لیکن میں مجبور ہوں“

”کہا کہ تھوڑا سی کٹا کار فاش کرنے کا گناہ کر رہے ہو، اس نے تم پر روحانی باپ کی حیثیت سے اصرار کیا تھا“ کونڈا نے خرا کہہ ”لیجان چلاری رکھے

قار“ فریک نے جنو سے کہا۔

”وہ اپنے بیٹے پر کئی سالوں سے ایک بوجھ لے پھر باہر جاتے وہ استرا ف کا گھر کے ہلاک کرنا چاہتا تھا“ جنو نے بات چلاری مگر ”اس نے بتایا کوئی چھ سال قبل اس نے اپنی بیوی کوریا میں ڈبوایا تھا جا کر اس کی زندگی کے بچے کی رقم سن ہزار ڈالر حاصل کر لے۔ میں نے اس سے پوچھا کہ کیا وہ تھا اس رقم کا حقدار۔ میں نے تو اس کی لڑکی اس کی لڑکی اس کی مبراہ کی شریک ہے۔ میں نے اس سے نیک چلتی کی ضمانت طلب کی اسے باقاعدگی سے گرجا میں آتے جاتے رہتے اور اپنے گناہ کی معافی مانگتے رہتے کونڈا اور اس کا گناہ بخشے جانے کی دعا دیا، دسے کر دھت کیا لیکن اس کے جانے ہی ایک انہماک سا خوف میرے ذہن کا آس پاس مڑلنے لگا وہ اس رقم کا واحد حقدار نہیں تھا قار دوسروں اس کی لڑکی اس میں مبراہ کی حقدار تھی۔ تو کیا جب وہ دولت کے لئے ایک انسان کو قتل کر سکتا ہے تو دوسرے کو نہیں کر سکتا۔“

”لیکن دوسرے ذات میرے ذہن پر چھایا رہا ایک بات یہی نظروں کے سامنے تھا لیکن میں اس کا کچھ نہیں دیکھ سکتا تھا کیونکہ لیجان کے قوانین کے مطابق میں اس کا قار دوسروں پر اصرار کر سکتا تھا میں اسے آزاد دے کر گھومتے پھرے تو دیکھ تو میرے بیٹے پر ساٹ لوٹ جاتی تھی جانتا کہ اس کے گلوے سے گلوے کر ڈالوں لیکن یہ کبھی میرا نہ پڑا ہی تھی۔“

آ خر جنو سے زہر کیا تو میں اس کے گھر گیا اور اسے سمجھایا کہ وہ پولیس کے سامنے اپنے جرم کا اقرار کر لے۔ میرے سمجھانے سے اس نے حاتی ہو بھری لیجان خودکوا قانون کے حوالے کرنے میں نابل ملوں کرتا رہا لیکن اس کے بعد میرے یہاں سے ڈرائیفر کے احکام آگئے اور میں نے خدا کا شکر ادا کیا کہ گھر سے پھٹکارا لے گا لیکن اس وقت میرے تصور کے درمیان میں سو دن آن لڑی ہوئی اور میں لڑا لڑا اٹھا میں اس معصوم کو ایک بھیڑیے کے چنگل میں چھوڑ کر جا رہا تھا قی



روح کا انتقام

صاحبزادہ شاہد بیگ سکھ

وہ رات طوفانی اور خوفناک تھی بجلی کڑک رہی تھی بادلوں کی گرج نہ دلوں کو دھلا کر رکھ دیا تھا اور اس پر بارش نہ اور بھی غضب ڈھا رکھا تھا کہ.....

ایک روح کا خونی انتقام اس نے لوگوں کو دہلا کر رکھ دیا تھا..... لوگوں کی ریت کھائی

بھوت آپس میں سر جوڑے ہیں کر رہے ہیں۔
خون کی کاپری منزل میں طویل قطاروں میں
بیڑہ روم میں ایک بیڑہ روم میں وہ دونوں تھے۔ رات
ہلے بکے خوف کی جی گھبراہٹوں نے لے لیے ایک حسین
اور یادگار رات تھی۔ یہ وہ رات تھی کہ جس کے خواب
دیکھے جاتے ہیں۔ زندگی بھر جس کا انتظار کیا جاتا ہے۔
آج کے دن لاڈ و دیم کی یہ میرا نظارہ اور اینٹری کی

وہ لوگ فانی اور خوفناک رات تھی۔ بجلی کڑک
رہی تھی۔ بادلوں کی گرج دلوں کو دھلا رہی تھی۔ تیز بارش تو
ہیں برس رہی تھی کس آج کی رات بکے بکھارے ساتھ ہا
کر لے جانے کی۔ بجلی جتنی تو ایک بلی کو ستر روشن ہو
جاتا اس قدر نماج کی کہ تیز عکس لان میں لکڑے
طویل درخت خوش نما منظر پیش کرتے مگر بجز اندھیرا
چھاتا جاتا تو یہ محسوس ہوتا جیسے لے اور طویل تدم

خدا میں کیا کرادوں۔
اب تک قدرت کی طرف سے ایک اتفاق پیش
آ گیا تھا گرگوری کے آنے پر میں لوگوں سے دھشت
ہوئے میں کیا تو کیمسٹ مٹی سی سے بھی لٹنے کا جب وہاں
سے چلنے کا تو اس نے پوچھا "کیا میں گھر کے پاس
بھی جاؤں گا؟" میرے پاس کہنے پر اس نے ایک شیشی
دے کر کہا "میں اسے گھر دھو کے دوں" ممدوست کی
بنام پر وہ اس نے گھر نہ جاسکے گا گھر دل کا مریض تھا
اور اس کا پرانا گاہک تھا میں نے وہ شیشی طوعاً و کرہاً
گھر دھو کھینچا دی۔
"کیا میں گھر دھو کے نام کا لیبل لگاؤں گا؟"
فریک نے پوچھا۔ "ہاں" جبر نے کہا "لیکن اس کی
جیب سے جو شیشی ملی ہے اس کی لیبل نہیں تھا" فریک
نے گھبراہٹ کی طرف دیکھ کر کہا کہ تو اس نے لاپرواہی سے
ٹالے لگا دیے۔
"تو اس کا یہ مطلب ہوا کہ گھر دھو نے خود شیشی
کر لی" فریک نے جیسے خود سے کہا "حالات سے ظاہر
تو یہی ہوتا ہے" گرگوری نے کہا "اسے اپنا جرم ظاہر
ہوئے گا خوف ہو گیا تھا"
"یہ بھی تو ہو سکتا ہے کہ اس کا مریض جاگ گیا ہو"
فریک نے کہا۔
"مگر اب بھی لڑکی سے پوچھ کرنا چاہو
؟" گرگوری نے پوچھا۔ "لیکن اس وقت نہیں"
فریک نے جواب دیا۔ "حالتی کارروائی تو مہر حال
پوری کر لی ہے۔"
اس واقعہ کو مہینوں گزر گئے تھے اور سون نادور
جیو کی تحریل میں جیم خانے میں روم رہی۔ کرسس کا
روز یا ایسے میں اپنے ہارے سب ہی یاد آتے ہیں۔
گرگوری کو سون یاد آتی اور اس نے اسے فون کیا۔
سون کی آواز سرت اور تنکین سے لبریز تھی۔ دھرا دھرا
کی باتیں کرنے کے بعد اس نے کہا "نادور اگلے سال
میں اٹھارہ سال کی ہو جاؤ گی اور تالے ہونے کا غصہ
مجھ پر سے اتار جائے گا اپنی مرضی کی زندگی گزارنے

ہے.....؟ کوئی جان بوجھ کر ایسی خوفزدہ کرنے کی

37 February 2018

کوریدور میں انکلاطروں کی جی دجود نہ ہوتھا۔

Dar Digest 3

February 2018

وہ شام کے بعد کادت تھا بھی، بغیر منتی ہوا ہے
اس بات کو کہ میں کرفٹ کھیل کر نکلتا ہوں اور ابا کے رات بچا
کرسٹن کو کورڈوں کی بڑی دیوار پر بچھے زین کا پوٹو اٹھا کر
حالا ملک دھارے علانے میں نہ جھن بائیں گئیں میں اس
پوٹو کے کونے کہ بہت حیران ہوا اور دیوار پر چڑھ کر اس
کاٹھنا کا پوٹو اٹھا کر بکری میں نے دیوار پر چڑھنے کے لئے
جب کا کراہی کر رہی تھی، کرفٹ کے ساتھ اندر سے کسی
عورت کی بڑائی قیمتوں اور چٹنے جانے کی آواز میں
آنے لگیں اس عورت کا ہنسا ایسا عجیبے فیسے میں بندھ
دھڑو ہوتا ہے ان آوازوں کے کان میں چڑھتے ہی بچھے
کرفٹ کاٹھنا اور ابا کے پوٹو دھارے سے چھوٹ گیا میں دیوار
کے ساتھ کڑکھاتا ہوں زمین پر بری طرح سے گرے گا بظاہر
کوئی بڑی چوٹ تو لگے گی جس کرفٹ میں انھوں نے خوب لگی
میں وہاں سے اٹھ کر گیا کھانا کھانے کی میں داخل
ہو کر دروازہ کے سامنے بیٹھ کر دایا۔

سورج بابا ہمارے گاؤں میں ایک ہراساں
شخصیت تھے انہیں اس گاؤں میں آئے سال دو تاحکم
کئی سفید داڑھی لمبی ریشی اور چمکا چہرہ لوگوں کو ان
کا نام تک معلوم نہیں، دن کو وہ گاؤں کے باہر ایک
پراپرے سورج کی طرف دیکھتے رہتے تھے اسی لئے ان کا
نام سورج بابا دیا گیا۔ ان کے ہاتھ میں ایک مضبوط لہرا
ساٹا بھی رہتا تھا جو کلب بھی ان کے ہاتھ میں تھا۔

اب چنگ سورج بابا آگے آگے تھے ہی
میں نے بھی ہمت کی اور ان کے پیچھے انگریز بائیں
طرف سے پہلا کورز تھا جس کے چھوٹے سے تختہ میں
جھاڑوں کی بہت سی کٹائیں تھیں جو دوسرے کورز
جن میں سے ایک کارواہ کے پیچھے لہری کی طرف سے
برآمدہ میں پہنچنے سے بھی عجیب سی بو محسوس ہوئی کچھ کھڑکی
صندلی وغیرہ کا وصول ہوتا ہے بار بہت گرمی کی لہروں
جگہ بہت ہی خوشنوی کی پیچھے جانے میں کوئی اہم
سورج بابا کے پیچھے جب میں اندر داخل ہوا اور
تو ایسا کہ کوئی حیرت خیز قدموں سے دوڑا ہے
پارکلا ہوا جس چند ساعت کے لیے میں کوئی سوچا
وہ پورا کورز دیکھ لیا لیکن جیسے وہیں کہ لا کورز

”حوصلہ رکھ.....“ سورج بابا کی سخت آواز

پھر یہی غفلتوں کے سامنے اس وقت دہرے
آ گیا جس پر دوسری جنگ بھی تھی سورج بابا نے گھر کو بچے
دیکھا اور ہوش آ کر کہیں میں ملکر کھجب سے اعزاز سے
موسے نے بتائے ان کا یہ نظریہ کہ کون میں پیچھے رکھا۔
لیکن انہوں نے آگے بڑھ کر بچے کو پرانا۔
"خوسلر" ایک دفعہ پھر ان کی تیز آواز کی سرگوشی سنائی
دی اور انہوں نے کچھ دیر میں سر سے اسے موسے سے یاد دلا دیا
میں جاگتی ہوئی اور اُن کی سرگوشیاں اُن کی چپ چاپ
سورج بابا کے پیچھے چل رہا۔

کارڈ میں دیوار کے ذریعے کوئے جہاں شہوت کے
 رقصوں نے گن گئیہو، گواہا کر اوجھار اور ساہوکار
 میرے دل میں ہول سے اٹنے کے بغض میں باہر دھواں
 چلا ہوا تھا۔ سورج پاپا کو کھڑک پر چڑھانے
 لگا۔ اوجھار سے دن آیا تو مجھے جب یہ اچھٹل گیا
 سارے کونے کی ایندھن ڈاکٹر کی قبروں اور دی کی
 تھی جس کا شور اور تیرہ تو میں آفس تھا میں اس
 دقت چھوٹا سا تھا چھ سات سال کا لیکن مجھے ابھی وہ
 کھلی تھی میرا دل اس دن کی ایک پیاری سی ہوا کی
 تھی میری رگت میں صاف تھری تھی اور مجھے ابی
 دنیا دہاکر تھی مگر تین بہنوں کے بدستوں
 مردوں سے میں دنیا میں آنے والا چھایا لے دوچی
 میری سچی اور بات۔ دیکھ میں ان کے گھر دی آر
 نہیں دیکھے رہے۔

کرتا ہے اور اس کا راز ایک ڈائری میں لکھ کر اس سیف میں رکھ دیتا ہے اور پھر جاوے کے ذریعے اسے اوپر والے فلور پر رکھ دیتا ہے خود وہ کہیں یا تو اپرکل جاتا ہے۔

جب چار پانچ آدمی اس سیف تک پہنچنے کی کوشش کرتے ہیں اور ایک دوسرے کو گرانے کی نیک دکر تے ہیں اور آپس میں لڑتے ہوئے چار کر جاتے ہیں اور ایک سیف تک پہنچ جاتا ہے وہ سیف کو چھونے لگتا ہے کہ پیچھے سے حال جو کہ ہاتھ آ رہا ہے آتے آہیں گد سیف کو دیکھنے کے لئے آتا ہے آجاتا ہے اور وہ آدمی مرنے سے بچ جاتا ہے۔

سورج بابائے مجھے ڈرے کی لوک چھپائی تو میں
چلت کر ان کی طرف دیکھا مجھے اندر کروں کی
ف جانے کا اشارہ کر رہے تھے میں اندر جانے سے
بہا ہوا سورج بابائے مجھے باہر بازو سے مضبوطی سے
ڈال دیا اور مجھ کو کر کے اندر کر دیا، میں نے ڈرتے
ڈرتے اصرار اور کڑی مخالفت اندر کر دیا کہ میں جیسا تھا
وہاں ایک چٹائی بھیجی جس کے اوپر اندر فرش
کریٹ کے نوٹے بکھرے ہوئے تھے جنہیں دیکھ کر
بابائے میری طرف دیکھتے ہوئے سر ہلایا یہ سب
کر مجھے کچھ حوصلہ ہونے لگا کیونکہ یہ سب یہاں
لوگوں کے ہونے کی نشان دہی نہیں اس کے بعد مجھے
دور پر کھڑے کھڑے کھڑے کھڑے کھڑے کھڑے کھڑے
کھڑے کھڑے کھڑے کھڑے کھڑے کھڑے کھڑے

Dar Digest **40** February 2018

آوی نہ ملا سوراہا ہوا ہے پتلی سے اور اھر ٹھٹھنے کا نہ ہی مذہب کو بڑا بنانے کے لیے اس کے ہاتھ میں بکڑی ہوئی لاٹھی فرش پر زور دے کر لگے وہ پتلی سے اور اھر دیکھ رہے ہیں ان ڈنڈے سے فرش کو زور دے کر شوکت رہے تھے۔

اچانک ان کی لاٹھی کی ضرب عزم میں ان کی آنکھیں کی غیر میں تخت پر ہم گھس اور انہوں نے مجھے اپنے پیچھے آنے کا اشارہ کر کے تیسرے کمرے کو لڑکی طرف بڑھنا شروع کر دیا۔

میرے منہ سے نکلا "یا اللہ خیر" کو اڑ میں داخل ہوئے ہیں یا تیسرے اور چھ کمرے کو لڑکی درمیانی دیوار کے پاس چلے گئے اور اسے لاٹھی سے شوکت بھرا کر دیکھنے لگے۔ پھر انہوں نے زور سے چوتھائی ایک اینٹ دوسری طرف کھسک گئی میں سوچ رہا تھا کہ "ہاں ہم بائیں بائیں ہیں جب کوئی نہ ملا تو بھاگ گئے ہوں گے اب دیوار توڑنے کا کیا فائدہ؟"

ابھی میں نے اپنا سوچا تھا کہ ہاں تین چار اینٹیں اور اٹھ دو تین اسی وقت ہاں نے میری طرف دیکھا ان کی آنکھوں میں ایک خاص قسم کی چمک تھی۔ "جاؤ دوسری طرف دیوار دیکھو۔" ان کا کام سننے ہی مجھے کرفت سا کھانڈا اور میں بھاگے ہوئے چھوٹے کمرے میں پہنچا۔

دونوں کمرے کو لڑکی کی مشین کو دیوار کو کچھ کر بھی جیت کا جھٹکا تھا، اسے تو ایک اینٹ تک نہیں اگڑی تھی دوسری طرف سے منہ منہ سے اور ایک چٹائی کا آواز گونج رہا تھا۔ مجھے اس طرف پہنچا جہاں دیوار کے پاس سورج پاپا لاٹھی تانے لگے تھے اور ان کے سامنے تین آوی زین پر لوٹ پوٹ ہو رہے تھے، ان میں سے ایک کے سر پر عجیب سی ڈھنگ تھی۔ جس کے اوپر دو سینگ در نہ تو سینگ اور دو سر کی سوس ہو رہا تھا۔

اس آوی کا چہرہ بھی کافی ہمایاک دکھائی دے رہا تھا اس کے ہاتھوں نے ایک کوئے کی طرح ایک دروازے میں داخل ہو گئے ان کے پیچھے میں بھی گیا

پرانی دیوار کے ساتھ کا صلہ چھوڑ کر ایک دیواری تھپتھپ سے بنائی گئی تھی کہ پتہ ہی نہیں چٹا تھا کہ یہ ایک نہیں دو دیواری ہیں اور ان کے سچ اپنا غلام تھا کہ چار پانچ آوی آسانی سے بیٹھ اور سکرسٹ کر لیٹ سکتے تھے۔

سورج جی اللہ میرے ہمنام تھے اسے اندازہ تھا میں دو کمرے میں ہی پڑی نظر آ رہی تھی جس میں سے آگے دو کمرے کو گور سے دیکھا تو حیرت زدہ رہ گیا وہ کمرے کھلوے ہیں میں بلکہ دو کمرے میں دونوں میں نشہ دھت کھلا دیکھ رہا تھا میں جب انہوں نے سراٹھا کر میری طرف دیکھا تو مجھے ایک اور کھٹکا لگا کہ ان میں ایک شادی

میں نے جلدی سے آگے بڑھ کر اس کو ہلا دیا کراہا یا وہ نشہ دھت میں رکت تھی اسے اس حالت میں دیکھ کر بہت دکھ ہوا تھا وہ بیٹھے چاروں سے غائب تھی، سو لوگ یہی بھورے تھے کہ وہ کسی کے ساتھ بھاگ گئی ہو جبکہ میرا دل اس بات پر تسلیم نہیں کرتا تھا جب سورج پاپا نے وہاں دو لڑکیاں خاص طور پر شادی دیکھا تو ان کی آنکھیں اس طرح کول کول گھومتی تھیں وہ گہری سوچ میں پڑ گئے، میں نے جلدی جلدی تینوں منظر آ دیدیں کو ان ہی کی باتیں سے کن کر باندھ دیا۔

سورج ہاں نے مجھ سے کہے کہ مجھے وہیں رکھ کر کہا کہ اور خود شادی دوسری لڑکی کو لے کر وہیں لے گئے تھے ایک آگے سے گئے بعد ایک بھگدڑ کی میں بیٹھ کر آئے اور ان تینوں کو اس کاڑی میں بیٹھا کر لے گئے۔ میں ان سے پوچھتا رہ گیا کہ "دو کون ہیں اور یہ سب کیا ہے۔" شادی دودھ لڑکی کہاں ہے۔ لیکن انہوں نے میرے کسی سوال کا جواب نہ دیا میری پہلی اذان ہونے لگی تھی اور ان کی نظروں سے اوجھل ہوتے ہیں میں سوچوں میں کہ سو مڑنا سب کو ہاتھ لگایا ہی تھا کہ ہاتھ جھٹک کر پھریں۔ دسے گا سو مڑنا سب اس قدر گرم ہو رہی تھی کہ بہت مشکل سے میں سو مڑنا سب کو لے کر گھر پہنچا میری سوچ کی سولی شادی پر ابھی ہوئی تھی۔

☆.....☆.....☆

شادی میں کا اصل نام شاہوہ تھا ہم چلی جی اس کا

باب امریکہ میں کافی عرصہ رہا اور مرنے سے پہلے اپنے سالے یعنی شادی کے ماموں کو اپنے پاس بلا یا اور امریکہ میں مل گیا لیکن وہ خود اس کے بعد جلد ہی چل بسا شادی کا یہ پہلے ہی فوت ہو گئی اب وہ اپنے ماموں کے گھر بیٹھی کے باپ کے ساتھ ہمارے ہی گاؤں میں رہتی تھی وہ مجھ سے چھ سال بڑی تھی لیکن ہم بہت اچھے دوست تھے کچھ عرصے ہی سے ہماری جوڑی خوب ہلا کر گائی اور شادی میں لوگوں کے ناک میں دم کرنا ہمیں بہت مزہ دیتا تھا۔ شادی اور اس کے بعد کچھ تھی اب بھی اس میں کچھ ناز تھا۔

ابھی کچھ دن پہلے ہی شام کے وقت میرے پاس بیٹھا میں بھی کی تپا دی کر کہا کہ مجھے کھوٹے کے کھانوں کی تپا اور تاکہ کی ان میں سنائی دی میں پڑھائی میں ہی کھنہ ہا پیچھے پلٹ کر نہ دیکھا۔

"اے کھنہ کھنہ زرا پلٹ کر ہمارے طرف بھی دیکھ لو۔" شادی کا آواز نے مجھے چٹکا دیا میں نے پلٹ کر دیکھا تو اسے بالکل کوچران کے انداز میں میرے ہنسنا دیکھنے کی ہنسی ہی پکڑی ہاتھ میں چاک اور کھوٹے کی ہانگ میں اسے حیرت سے اس علیہ میں دیکھ رہا تھا۔

"ہیں تو دیکھو مجھے شرم آ رہی ہے۔" اس نے چہرہ پر ہنسی میرے ہونے کہا۔

میرے منہ سے سنا تھا تھا کچھ لکھ گیا اور مجھے دن یاد آئے جب وہ مجھے خوب سے دیکھتی تھی اور میں شرمنا تھا وہ آواز دہرائی تھی کہ۔

"کوئے شرمنا تو مجھے چاہئے میں لڑکی ہوں تم لڑکے کو کر شرمنا رہے ہو۔" اس کے جواب میں میں شرمنا سا سر اگردیا۔

"مجل پیسے دنیا دے اسے کھڑے تھے بندہ نہ بندہ سدی ذات ہو۔"

اس نے چاک ہوا میں لہو لہو کھڑا ہنسنے لگا اور شادی میں سر پہنی تھی کچھ آواز میں گانے لگی۔ شادی بہت خوب صورت لڑکی تھی لیکن اس کی آواز..... پس نہ

پہچس میں نے کانوں سے ہاتھ رکھ لئے اس نے تانگہ سے کی یہی طرح چٹکا لکھائی میں کتبوں کی طرف متوجہ ہوا تھا وہیں اس نے پیچھے سے میری دونوں ہاتھوں میں ہاتھ ڈالے اور مجھے کی بے کی طرح اٹھایا۔

"اسے ایک منٹ کا نہیں تو سمجھئے۔" میرے منہ سے بھٹل نکلا اس دن شام کے لکھ مہر مات گئے واپس آئے جامعہ دی گئی۔

☆.....☆.....☆

اھر میرے بہت سے ہونے اھر شادی کی طرف سے ملا وہ کیا میں بھاگتا ہوں کہ گھر پہنچاں سے پہلے بھی میں اس کے کمرے کے پکڑے جی سے لگا تارہا میں وہ تھی۔

اس دن شام میں، میں نے اسے مشکل پہنچا لیکن آج میرے سامنے وہ پرانی شادی تھی جس نے اپنے ہاتھ سے ہاں کاوس ہاں کا میرے سامنے رکھا مجھے آج وہ بہت ہی عجیب لگ رہی تھی۔

"عاطف وہ جو کچھ بھی ہوا..... پلیز اسے بھول جاؤ اب اس بات پر یقین کر کہ اس میں میری غلطی بالکل نہ تھی میرا قصور نہ تھا۔"

میں نے اس کی طرف حیرت سے دیکھا اس کے الفاظ لڑکھا کر اسے لگے۔

"میں نہیں سمجھتی کہ تمہارے لئے وہ سب جانا ضروری ہے کہ تمہارے لئے جانا بلکہ..... میرے لئے تمہیں یہ بتانا کہ میں اور امی امریکہ جا رہے ہیں۔" اس کی آخری بات سن کر میں حیرت سے کھڑا ہوا کیونکہ یہی شادی کی جو مجھے کئی دن پہلے تھی کہ۔

"عاطف میں امریکہ جانے کے بارے میں سوچ تک نہیں تھی۔"

"جبران نہ ہو..... انسان کو اپنی زندگی میں کبھی کبھار ایسے فیصلے بھی پڑتے ہیں جن کے بارے میں اس نے کبھی سوچا تک نہیں ہوتا۔"

جوں میں نے آسمانی کرکٹ پر رکھ دیا تھا اور کھڑا اس کی بات سن رہا تھا چاک وہ ابھی اور میری بولی آواز

میں بولی۔

”مخالف میرا دل نہیں کرتا یہاں سے جانے کو کہیں۔۔۔ مجبور ہوں۔“ اس نے ایسی حرکت کی کہ میں چونک پڑا۔ اور وہ آسرو پہنچی ہوئی دیوار کے ساتھ جا کھڑی ہوئی اس کے دیوار تک پہنچنے ہی بچے ہوئی آیا اور میں نے دو بال نکال کر بھلی سے دھمکائی گالی کورنگ ڈالا اس وقت باہر تھموس کی آواز سنائی دی کہ جس کا گلاس اٹھا کر منہ سے نکالیا تاکہ اس پر ایک سنگ کی طرح پڑے گا۔ یہ دیکھ کر میں نے ہنسی سے کہی یہ حرکت دیکھ کر شاد و غم کوئی لگے انھوں سے بچتے آسرو اور چہرے پر بھلی مسکراہٹ بڑی عجیب نظر تھا۔ اس نے مجھے ایک کھڑکی کھلی اور اسے گلاس کی طرح کی لٹاف تھی میں اس سے بہت خوش تھا کہ میں نے دست ہونے کے بدلے میرا دل ہلا دیا اس تمام دلوں کی بہت ہی خوشگوار یادیں ہیں۔

☆.....☆.....☆

میں نے ایف اے کا امتحان دیا تھا اب بالکل فارغ التحصیل ہو رہی کرتے تھے لیکن مجھے پڑھانا چاہیے تھے۔ پڑھائی میں، میں آؤں میں کلاس تک بہت لائق اسٹوڈنٹ تھا پھر ایک دن میں داخل و داخل سا ہونے لگا پہلے پڑھنے کو دل ہی نہ چاہتا تھا کہ پڑھنے لگ ہی جاتا تو زیادہ نہ کر پتا تھا میں جیسے جیسے میٹرک سے ایف اے اور اب امتحان دے کر فارغ تھا اس لیے میں نے ایک ڈپارٹمنٹل اسٹور میں بیٹل میں کی ملازمت کر لی تھی جس سے رات گیارہ بارہ ہو جاتے تھے۔

رات جب میں چھٹی کر کے آتا تو سیدھا رات جو کہ کھانا تھا استعمال کرنے کی بجائے شاد کت رات استعمال کرتا جس پر ایک برانا قبرستان تھا۔ اسپتال کے کوارڈر میں سے جن اور پڑھنے وغیرہ تو دلچسپی میں ہر انسان کے اندھان سے ذہن قدرتی طور پر موجود ہے مجھے بھی اس قبرستان کے پاس سے گزرتے ہوئے خوف محسوس ہوتا تھا اس لیے میں وہاں سے تیزی سے گزرتا تھا ایک رات لاہور سے کچھ سامان آیا تو وہ اتارے

اتارے کاٹی لٹ ہو گیا جب میں اس راستے پر آیا جہاں سے سامنے ہی قبرستان نظر آتا تھا تو میرا سر ہلکا سا ہونے لگا اس قبرستان کے پاس پہنچنے ہی راستہ میں طرف گاؤں میں داخل ہوتا تھا میں اس وقت جب میں گاؤں کے راستے پر چلنے والا تھا میری نظر قبرستان کی طرف اٹھی اس سے پہلے میں بہت ہی احتیاط کرتا تھا۔ قبرستان کی طرف دیکھنا تک نہ تھا لیکن اس رات میں نے دیکھا کہ قبرستان کے بائیں کوئے والی قبر پر روشنی کی پڑی ہے بس ایک نظر میں سے اس روشنی کو دیکھا اور وہاں میری سرنگائی اسیٹھ میں، میں اترتی اترتے ہوئے دل میں آیا کہ ایک دفعہ پھر دیکھوں میری نظر کا دھوکہ ہے یا واقعی اس قبر پر روشنی پڑی ہے میں نے موزر سائیکل کھڑکی اور اپنی ایک طرف دیکھا لیکن اب وہاں کوئی روشنی نہ تھی میرے دل میں ڈر بھی تھا لیکن مجھے اس معاملہ کو جاننے کا ایک محسوس ہو رہا تھا۔

میں ڈرتے ڈرتے آہستہ آہستہ اس طرف چل پڑا میں سر جھکائے اس موزیک بٹنچا جہاں سے مجھے قبر پر روشنی دکھائی دی تھی میں نے آہستہ سے سر اٹھا کر اس طرف دیکھا جہاں سے مجھے صاف نظر آیا کتبہ قبر پر روشنی کی لکیری ہے۔ اس روشنی کو دیکھتے ہی میں وہاں موزر سائیکل کی طرف دوڑ پڑا۔ اس کے بعد بائیں کیسے میں کھڑکی مجھے یاد دلایا کہ یہاں سے کچھ تھیں چاروں تک سخت جوار، جب بخار لیک ہو جاتے تو کالی گزری محسوس ہونے لگی میں اسطور سے مسلسل چھٹی کر سکتے گا۔

میرا ہی عقل گاؤں کے ساتھ ہی ایک چھوٹے سے باغ میں جہاں میری طرح کے آکر بیٹھے اور لاہور اصری کی باتیں کر کے باؤں باؤں میں ایک دن میں اس قبر پر روشنی کے اندھان سے ذہن قدرتی طور پر موجود ہے مجھے لگے۔

کوئی کہتا کہ ”جنت اور جہنمیں وغیرہ ہوتی ہیں۔“ ایک نے کہا کہ ”لوں میں بھی کوئی ہیں۔“ میں

نے وہ منظر دیکھا کہ انھوں سے دیکھا تھا اور اسپتال دلا چکر بھی میرے سامنے تھا۔

”یاد یہ میں ماما ہوں کہ جنت میں ہیں لیکن ان کی اپنی دنیا ہے اور ہر بات ہی تم کیا ہوتا ہے کہ انسانوں اور جنت کا تعلق ہو۔ بدروح کا بدروح کا انسانوں ہے ہاں درمیں میں لیکن وہ عالم ارواح میں ہوتی ہیں انہیں اس دنیا سے آنے کی اجازت نہیں۔“

اسی وقت ایک لڑکی نے مجھے چیلنج کر دیا۔ ”مخالف ہماری آواز میں سچ میں جنت ہیں۔“ فلاں گئی میں رات دن کے بعد کوئی نہیں گزرتا کیونکہ وہاں سے کچھ آدمی ڈرتے ہیں۔“

میں اس طرف صحن ہی نہیں دے رہا تھا لیکن دو تین بھوکوں نے ایسے ہی میری بھڑکی چلائی کہ میں نے چیلنج قبول کر لیا اور اسے گیارہ کے بعد اس گلی سے گزرنے کی حاکم بن کر چلا گیا مجھے پتا تھا یہ سب فضول میں ہو رہا ہے۔

دو بھڑکیاں کی رات تھی میرے دماغ میں ایک سنسنی سی بھلی ہوئی گلی ساڑھے گیارہ بجتے ہی میں نے اس گلی میں داخل ہوجانا تھا اگر آج مجھے کوئی فیئر فائر نہ آتا تو میری پادلی ہم کو بولیں میں کھانا کھاتی اور گھر آکر کوئی گلی جن وغیرہ ہوتا تو اس سے ڈر کر میں موزر دوڑ جاتا تو کھانا کھاتا پڑتا۔ اسی ساڑھے گیارہ بجتے میں دو تین منٹ سے مجھے جھکی آت دی گئی وہ پڑھ رہا تھا۔

کیونکہ اندر سے میں ڈرا ہوا تھا ساڑھے گیارہ بجتے ہی میں اس گلی میں داخل ہو گیا وہ گاؤں کی ایک ٹمٹہ کو دوسرے محلے سے لانے والی ٹریل کی تھی جس کی چوڑائی اتنی تھی کہ اگر کوئی موٹر سائیکل وہاں سے گزرتا تو پھیل جاتے والے سڑک چلوں اور یہاں سے ٹھل جاتا دل گدگداتا کہ تیز تر چلوں اور یہاں سے ٹھل جائیں لیکن قدم استے بھاری ہو رہے تھے کہ اٹھانے ہی نہیں چاہے تھے۔ پہلا موزر نے ہی کچھ حوصلہ ہوا کہ چلو کچھ کا صلو کر کے کر لیا لیکن یہی تو شیطان کی آغوش کی

طرح لپی لپی ہوئی جا رہی تھی اب سامنے تھوڑی سی چڑھا لپی تھی۔

جس پر چڑھنے ہی میں ٹھک کر کھ گیا راستے میں بالکل سامنے ہی کوئی بڑا ڈھانچا تھا میرا ہاتھ اس اصری کی جس کی مجھ کی طرح کھڑا اسے دیکھنے لگا میرا جسم غصہ ہوا میرا سر بدل میں آیا کسا گئے بڑھ کر بھوکوں کہ حقیقت میں ہے کیا چیز۔ میں نے بہت مشکل سے قدم اٹھایا ہی تھا کہ میری پیٹھ پر دو لیکن ایک جگہ پر کسی نے ہاتھ رکھ دیا مجھے ایسا کہ کہ سر ہلکا اچھل کر باہر آجائے گا میں رکھ دیا اور کھڑا گزرا رہ گیا۔ مجھ میں اتنی ہمت نہ تھی کہ پیٹھ پر کھڑکے اس ہاتھ کا وزن آہستہ آہستہ بڑھ رہا تھا۔

اچانک سامنے گلی سے چند لوگوں کی دوڑنے اور شریانی کے آواز میں آئیں گئیں اور ایک عجیب کی روشنی بھجلائی گئی۔

”تم انسان ابھی محدود میں رہ کر اور میں ابھی حد میں رہنے لگا کر۔“

”بالکل سچ غصہ اچھ میرے کان میں سرگوشی کر گیا میرے دماغ پر ایک اچھانا سا بوجھ پڑا اس وقت میرے تمام کچے دوست دوڑتے ہوئے وہاں تک پہنچ گئے سب سے پہلے میں پرکے ہوئے لڑکے کھڑا کیا جو کہ ہماری ہی عقل کا تھا۔ ان کا بیان مجھے بعد میں پتا چلا کہ مجھے ہرانے کے لیے اس موزر پر چپ کر بیٹھے اور میرے آئے ہی عجیب آوازوں سے مجھے ڈراتے جس کا انتقام انہوں نے ایک چھوٹے سے نیپ رکھا ڈا میں کیا ہوا تھا۔

لیکن مجھ کو ڈرانے سے پہلے ان دلوں نے کوئی انہونی ٹولن دیکھ لی جو بہت ہی لمبے قد کا آدمی کی تھا ایک قوا سے دیکھتے ہی وہ گرمیاں بکھدوڑا کچھ دل گدگدے والا تھا اس نے ہمارے کرب و دھن کو بتایا اور انہیں ساتھ لے کر ہمارے بائیں کوئے چلے گئے وہاں آئی جس کا تھک چکی تھی کہ بچے پتا تھا ڈرا جائے دو مجھے ہمارے تھے لیکن حقیقت میں جیت گئے تھے بظاہر میں ڈرنا تھا لیکن یہ مجھے پتا تھا کہ میں تو اندر سے اتنا ڈر گیا تھا کہ میری

حکمت قلب بند ہوتے ہوئے رہی تھی۔ اس کے بعد میرے دل پر بیچنے کی طرف ایک بوجھ سا رہا اور وہ غلطی کر گئی۔ مگر میرے کانوں میں کوئی نہ تھی۔ خیر وقت گزار رہا اور ستر یا دس سال اسی طرح دہناتے ہوئے گزار گئے اس تمام عرصہ میں میری چند سے ہاتھ کا جو تھرا اٹھنے یا لٹکنہ کدو تھا ابھی کی چند پرچہ ہوا ہے اور وہ سرگوشی راتوں کو کھینچے بند سے بیدار کر دیتی ہے اسی نے مجھے کہاں کہاں نہیں دوڑایا جہاں معلوم ہوتا کہ کوئی دم درود والے بزرگ ہیں ہم ان کے پاس پہنچ جاتے تو بچہ پدم لگا ہوا پانی پا لیا تھا ضرور ہوتا تھا لیکن ان سے میری جان نہ چھوٹ سکا وہ واقعہ میرے ساتھ گسٹ میں پیش آیا تھا اس کے بعد ان ہی راتوں میں مجھے ڈراؤنے خواب آئے ایسے کہ میری چھینک لگ جائیں میں ساری ساری رات ڈرے کے مارے جا رہا رہا اور میرے ساتھ میرے گھر والے بھی پریشان رہے۔

دوسری طرف مجھے ادھر ادھر ہو کر سے کھاتے ہوئے بہت جربہ ہو گیا تھا میں نے ایسے گاؤں میں سے ایک چھوٹی سی دکان کھول لی وہ دکان کا تیسرا دن تھا موہل عام ہو چکے ہیں میرے پاس بھی سام سنگ کا ایک سیٹ ہے میں دکان چھوڑ کر چلی آئی تھوں اور دریاں میں آ کر خوب بے ہوش کے لئے گھر کا ایک چکر لگے تھوں۔ اس دن میں کان بند کر کے گھر کی طرف چلائی تھا کہ مجھے کال آنے لگی میں نے اس کزن پر ٹھوکری کھا تو کسی باہر کے ملک کا تھا ہمارے گاؤں کے بہت سے آدمی جا رہے تھے ان میں میرے کزن بھی تھے میں نے کال انیڈیا کی، کچھ دیر خاموشی رہی پھر میں نے "ہیلو کیا۔" "اؤں نے عاتق کمال ہے۔" یہ آواز تو میں عمر کے ہر موڑ پر بچپان سے سن رہی تھی وہ شادی دس سال کے بعد میرے بھگیاں ہو رہے تھے۔

"شادو۔" میرے منہ سے اتاری نکل سارا اور

دوسری طرف سے لگی سی سسکی کی آواز آئی خاموشی کچھ طویل ہو گئی۔

"ہاں میں ہوں۔" اس نے اتنا ہی جواب دیا۔ اس کے بعد گھر منٹ گئے ٹھوے ہوئے رہے اس نے بتایا کہ وہ امریکہ میں ایک بہت اچھی کچی میں جاب کرتی ہے اس نے میرا پوچھا تو میں نے بھی اپنی داستان حیات سنائی کوئی کئی کئی ہونی باتوں میں، میں نے اسے اگست کی رات میں اپنے ساتھ پیش آنے والا واقعہ بتایا۔

"اتنے سالوں بعد بھی تمہیں وہ رات ننگ کر رہی ہے۔" اس نے بھونگی سے پوچھا۔ "ہاں جی نہیں کیا تاؤں ای بھی میری باتیں تو کر کے پاس ایک بنگ لے کر جا رہی ہیں۔" "اوہ۔۔۔ پہلے تمہارا یہ مسئلہ کروا لے ہیں اس کے بعد تمہیں دوسرا کام ہو گا۔" "دوسرا کام۔۔۔ وہ کون سا ہے۔؟" میں پوچھتا رہا لیکن اس نے نہیں بتایا بعد میں مجھے معلوم ہوا کہ امریکہ میں ایک بڑی ہیں پاکستانی کینیڈا کے بہت سے لوگ ان کے مرید تھے بلکہ امریکہ میں اس علاقہ میں رہنے والے کئی مسلمان ان کا پناہ مانگتے تھے پش کے لحاظ سے ڈاکٹر تھے ڈاکٹر سید عمر میرن بھی ملاقات ان سے لپٹے تھاپ کے ذریعے ہوئی میرا مسئلہ سننے کے بعد انہوں نے کہا۔

"دیکھو عاتق میاں انسان اشرف المخلوقات ہے ہائی انسان حقوق سے اشرف ہے لیکن اللہ کے قائم کئے حدود و حدود کے مطابق زندگی گزارے۔" وہ دکان گناہ نہیں لیکن اپنی پیدائش کے متعذر قبول کر دینا میں بھی کھو جاتا۔۔۔ ہر مسرتھان ہے۔ ایک چھوٹی سی مثال ہے کہ بزدل بن کر تپے اندھ فرما تپے کہ جرج کرتا ہے وہ ایسے ہوا جتا ہے جیسے کہ ہاں کے پچھ سے بچھ دینا میں آتے ہیں۔ یعنی کہ اس کے گناہ خطا میں معاف ہو جائی ہیں لیکن اب اس حالت میں صاحب کا کام ہے نہ کہ حالت میں کہہ کرے لڑائی کی پابندی کرے اپنی طرف سے پوری کوشش کرے کہ لڑاکا مومن سے بچے اخلاق، معاملات اپنی طرف سے پورے کرے مگر آئی آیات میں بہت

اثر ہے دم وغیرہ بھی ہے لیکن ہاتھ کرنا چاہئے کہ دولی لے لیکن صاحب میں پرہیز بھی کریں۔ لیکن میں بھی چاہئے کہ نماز پڑھو، ذکرن کوناف رکھو یا وضو پڑھو اگر ان کی تلاوت کو اپنا معمول بناؤ ہمارا کام ہے مل کرنا۔" میں شاد صاحب کی تمام بات سمجھ گیا تھا اور اس پر چاروں گئے کہ ارادہ کر لیا انہوں نے لپٹ چپ پر بیٹھ کر ہی میرا روحانی علاج شروع کیا وہ دوسری رات میں اسی طرح کا وسط تھا لیکن مجھے کئی محسوس ہو رہی تھی میرے سارے گھر والے دشمنان یا اڈے سورے تھے اور میں باہر سردی میں کھڑا مسکون کی تلاش کر رہا تھا کہ اچانک وہ ہی ٹھنڈی سرگوشی میرے کان میں سنائی دی۔

"تم انسان اتنا بھی بد نہیں رہا کرو اور میں اتنی بد نہیں رہے دو۔" اس سرگوشی کو سننے ہی میرے اندر ایک سناٹا مچا گیا۔

میرے دماغ میں سے ایک مایہ کڑا اور محن میں دم ہو گیا۔ اسی وقت میری چند پرچہ میں دل کے مقام پر کسی نے ہاتھ رکھا وہ اور میری آنکھوں کے سامنے اٹھ اٹھا گیا چند ساعت بعد اندھیرا چھٹ گیا میں حیران رہ گیا وہ میرے دل میں سوئی تھی جیسے کسی ہی اس کی بھی میں کھڑا تھا اور میرے سامنے۔۔۔ اوہ۔۔۔ اسے دیکھ کر میرے دماغ سے گزے ہوئے اتنی عریض میں بھی میرے سامنے سے چند لپٹنے لگا وہ سفید پٹریوں میں کوئی انسان ہی تھا جی کے مجھے جتنی لمبا ہی میرا دماغ اسے دیکھ کر نہ ہونے لگا۔

وہ آہستہ آہستہ نیچے جھینٹے اور میرے دماغ میں ایک سید صاحب کا بتایا ہوا درد آ گیا میں نے آہستہ آہستہ درد شروع کر دیا ابھی میں نے چند ہی الفاظ ادا کئے تھے کہ وہ لپٹا آدمی غائب ہو گیا اور میں آہستہ آہستہ بیٹے ہوئے گھر آ گیا۔ درد لڑائی کی ٹھنڈی محسوس مطلب میں دروازہ ہی سے گیا تھا میں نے گھر میں داخل ہو کر کڑی چڑھا کر والے اسی طرح سورے تھے

میری وہ پری رات مجھے گزری۔

دوسرے دن میں نے شاد سے راپلہ کال لوارا سے سید صاحب سے جلد راپلہ کرنے کا کہا لیکن اسی کے لپٹ تھاپ سے سید صاحب سے بات ہوئی مگر اسی شام سید صاحب سے لپٹ تھاپ پر اسکا کپ پر ایک طویل نشست ہوئی اور انہوں نے دم کیا ہوا پانی کو تیر کے ذریعے بھجوا دیا چکر سے دن بھر ٹھہل گیا۔

سید صاحب کے روحانی علاج دم دے ہوئے پانی اور میرے ہمیشہ باخضور ہے اور پانچ وقت کی نماز پڑھنے سے میری زندگی میں سکون آنے لگا اور چہرہ کے اندر مجھے اس سرگوشی اور ہاتھ کے دباؤ سے نہات لگی۔ اس دوران شاد نے میری امت بدعالتی شاد چاہتی تھی کہ اس کے پیچھے کو استہل کر کے اپنے گاؤں میں ترقیاتی کام کے جائیں اور اس کے لئے دو گھنٹے اپنی طرف سے پیچھے بھیجتا چاہ رہی تھی پہلے ہم دونوں میں بحث ہوئی رہی میں کہتا کہ "یہ ترقیاتی کام کہہ کر ماحکومت کی ذمہ داری ہے۔"

وہ کہتی کہ "حکومت ان دیہات کا کہاں خیال کرتی ہے تو ایسے بکھیریں سے فرمت نہیں ہوتی۔" دیکھتے ہیں تو وہ ٹھیک ہی تھی ہمارے گاؤں میں داخل ہونے والے چاروں طرف سے بار بارے راستے تھے جن میں دو کی حالت جاب ٹھیک تھی لیکن دو باطل خراب حالت میں تھے اور پھر شاد نے پیچھے بھجوانے شروع کر دیے، میں نے لائی کام شروع کر دیے شاد نے دیکھتے ہی کہی کہا تھا کہ۔۔۔ گاؤں کے لوگوں کو یہ پتہ نہ چلے کہ یہ سب کام شاد کروا رہی ہے۔ "اس نے مجھے اتنا پیچھا کہ گاؤں کی بہت سی گلیاں لٹکی آج آپ کا کام دائر فطر لٹا لٹ اور پھر اس سکولوں میں اور کال اور سولر سلم بنگ لگ گئے نہیں کدو میں پیچھے بکھیتی رہتی کی بکھیتی پر میں ہر گز کرنے والا کام کھیت اس سے لگتا تھا وہ تھاب وہ مطمئن ہوئی تھی ان سب کاموں کا مجھے باقاعدہ وہ وہ معاشدہ جی نہیں کے ان سب کاموں میں میرا کیون تھا حالانکہ جی نہیں



زوگ عاشقی

محمد شعیب - لیصل آباد

اچانک کمرے میں ایک ہیولہ نمودار ہوا، اس کے لب ہلے اور آواز سنسناٹ دی، عاشقی مرتی نہیں، میرا جسم تو فنا ہو گیا مگر میری عاشقی ہمیشہ تمہارے ساتھ ہے اور رہے گی، اپنے آپ کو اکیلا نہ سمجھنا لیکن.....

ایک عاشق کی حیرت انگیز روایت جو کہ پڑھنے والوں کو ہلا کر رکھ دے گی، پڑھ کر دیکھیں

”فلسفہ ہوا، میری نظروں کے سامنے سے۔“ اس نے انتہائی کڑخت لیے میں کہا۔ وہ خاموش سے نہر تھا۔ اگرچہ دل کٹی کر رہی ہو مگر کھنچا کھنچا محبوب کی شان میں کٹائی کرنے کی جرأت اس میں نہ تھی۔ آنکھوں میں آنسو لگنے کے لیے بہتا ہے مگر وہ ان پر بند باغیچہ تھا۔ آخر عاشقی نے نبی کو سکھایا تھا۔ اپنے جذبات کو سفید چادر میں لپیٹ کر خود کو دھریں

بہت انکار کیا لیکن وہ نہ مانی۔
”شادو تمہارے پاس اتنا پیڑ کہاں سے آیا ہے اور تم یہ سب کیوں کر رہی ہو۔“
”ایک دن میں نے اس سے پوچھا تو کہنے لگی۔
”سب پیڑ میرے ابو کے اکاؤنٹ میں تھا اور ساتھ میں، میں خود بھی تو کماری ہوں میرا پیڑ بھی اپنے کام پر لگ جائے تو کتنا اچھا ہے کروڑوں ڈالر پڑے ہیں ابو کے ادھر سے اکاؤنٹ میں آخر میں نے اتنا پیڑ کیا کرنا ہے اور دوسرا میں یہ سب کیوں کر رہی ہو یہ بولے ہوگی خواہ مخواہ کی اور میرا بھی دل چاہتا ہے کہ جب بھی گاؤں آتا ہوں پکڑی پکڑی گھاس کچرے اسے جگہ جگہ پکڑ دے جو جگہ صاف تھرا جاوے۔“
میں اس سے پوچھنے ہی لگا کہ اسے چپوس کی ضرورت کیوں نہیں آخر اس کے بیٹے ہوں گے مگر خبر ہو گا کہ میں اس کے پاس کچھ لوگ آئے جہاں میں بات ختم کی پڑی۔
وہ ایک بہت ہی خوشگوار اور دلچسپ شخص میری سید صاحب سے روحانی محفل ہوئی تھی ان کے روحانی علاج اور دم شدہ پانی اور میری طرز زندگی بدلنے سے میں بالکل ٹھیک ہو گیا تھا لیکن جب بھی کسی اچھی سے گزرتا ہے میرے بول میں کلک سی ہوتی۔ شادو کے کئے گئے کاموں کے کیش نے مجھے بھی ترقی دی تھی میری چھوٹی سی دکان تھوڑا بڑا اسٹور بھی تھی میں نے ایک چھوٹی سی کارلے گی میں اب بھی اسپتال کے ان کوارڈروں کے پاس سے گزرتا تو انہیں دیکھ کر مجھے بہت الجھن ہوتا بالکل دیران اور ہماز جھکار سے بھرے ہوئے میرے ذہن میں خیال آ جاتا ہے کہ مجھے میں نے ان لوگوں کے لئے پرائیویٹ اسپتال میں ملے میں نے اپنے کلکے کے معزز زور بزرگ آدمیوں کو ساتھ ملا کر ابراہیم ابن الہ سے باغیچہ قائم کروا دی تھی اور پھر وہ پاس چکر لگنے لگے لیکن کام نہ پاس میں ملے میں گاؤں کے اسپتال کی لیڈی ڈاکٹر سے بھی میں ہی وعدہ ملا وہ بھی اس کے لئے ایک ہی اور ڈیپارٹمنٹ کو خط لکھی

اللہ کا خصوصی کرم ہوا اور میں جیت گیا میرے ناظم بننے میں چند دن بعد میری اسپتال کی لیڈی ڈاکٹر کے ساتھ شادی ہو گئی جو کہ اس کی بیٹی ہے جو شروع شروع میں ہمارے گاؤں کے اسپتال میں انجائینرنگی اور برقی لینی ہمارے ایک پوری پوری ڈاکٹر کی جس سے میں بچپن میں کھیلتا تھا۔
انتیادرات ملتے ہی میں نے اور ماہر نے اس اسپتال کے دیران کوارڈروں میں ایک ویلنٹین اسکول کھول لیا چاروں کوارڈروں کو صاف ستھرا کرنے کے بعد رنگ روٹوں اور بہترین حالت دے دی یہ وہی کوارڈر تھے جن کے قریب سے گزرنے پر لوگ ڈرتے تھے اب ان ہی میں میں جن بھوت کی بیچوں اور پٹنے کی بیچوں بلکہ بچوں کی پڑھنے آواز آتی ہے اب اسکول کا افتتاح شادو نے اپنے ہاتھوں سے کیا اور اسکول کے لئے آٹھ نوٹیشن دی کہ کچن سے فیس لئے بغیر ہی دس سال تک اسکول چل سکتا تھا۔
میری شادی کا سن کر شادو کے چہرے پر سوگوار سی سرکھٹ آ گئی اور جب میں نے پوچھا کہ ”تمہاری شادی ہوئی ہے کیسے؟“ تو وہ ٹال گئی۔
وہ پہلے سے کافی کھور ہو گئی تھی اب پھر مجھے گک رہی تھی۔ دایاں چالے ہوئے وہ گاؤں کی اس کی سید صاحب کی ہوئی ایک دیکھنے کی کتاب اور ان کا کام کیا ہوا آپ ذمہ دار مجھے سے کروا دیاں مٹی گئی۔



تھے۔ وہ مردوں کو بلکہ ساحر و جادو سے بھی اس کی جانب دیکھ رہا تھا۔ انھوں میں ایک عورت نکلتا تھا۔ بے چارے کی سکت اگرچہ جسم ہو سکتی کہ وہاں ان کو کھانے سے بونے تھا۔

"اب جائتے ہو یہاں سے۔" اس نے ہم کو ضرب لگائی۔ اپنی صفائی دینے کی ضرورت ہی نہیں تھی۔ آخر جرم ہی کیا کیا تھا اس نے؟ فقط اظہار محبت؟ کیا کسی سنا پٹی محبت کا اظہار کا جرم ہے؟ کیا بیوب کو اپنی عافیت کے بابت تانا بوتا چلنا ملتا درد ہے؟

اس کی جلیں بیوگ ہیں۔ قرب تھا کہ اور نیساں موتوں کے ہاوندز میں پڑی ہو جاتے۔ وہ چیخے کی جانب کھسکا قدم ڈرو لگا سے عکروہ شعل گیا۔ اب اب بھی ذیلے تھے۔ دل میں کسی کنول کی مانند سانسے ملا چہرہ اس کو آنکھیں دیکھ رہا تھا اور سانسے سے کھسکتا نظر آ رہا تھا۔ کسی کی ایک دشتے والا ہے دل کی سن کا راج و درو کی ٹھوکریں کھانے کے لیے چتا رہا۔

میسر راجدوت، ہزاروں دلوں کی حرکن، بحیثیت کی دنیا کا ہوسواری، اپنی ایک لوگ کی محبت میں ایسا کر ڈار ہوا تھا کہ اپنا مقام، اپنا مہر و عہد بھول چکا تھا۔ جہاں بھر کی نوعیتیں ایک طرف اور محبوب کا ساتھ ایک طرف..... وہ سائرہ کی خاطر بھیجی کرنے کے لیے تیار تھا مگر اس کی آنکھوں میں میرا ایک بل کے لیے بھی نہیں چٹا تھا۔ اس کے ساتھ کا کم کاس، اس کی بھوری سر کی گرائی جب میرے لیے تھے اس نے دل کا حال سائرہ کے سامنے رکھا تو وہ اسے سمجھتا برداشت نہ کر سکی اور ایک ہانچا اس کے رخسار پر دے دیا تھا۔ عاشقی کا مجسمہ تیرا برداشت ہونٹوں کی طرح دیکھتا رہا۔ دل کے ٹوٹنے کے بعد کے منظر کو وہ اپنے کانوں میں جکائی رکھی اگرچہ تیرا تھا مگر وہ کی شہد شاید وہ جانتا تھا۔ تقدار آج وہ اس ڈالنے سے بھی آتشا ہو چکا تھا۔

کتنا اٹھا سا ہے

رود جڑے لیا ہے

ہر ہم زندگی دا ہے

مرفی عشق اپنا گناہ ہے

اپنے ہی گانے کے الفاظ ان کے اٹھے سے سمجھ

آپ کے لیے کیا ایک ہانچا جیسا کہ اس کے لیے اس نے وہ الفاظ کہے تھے۔ وہ دیر سے دیر سے چلتا رہا تھا کہ یکدم اس کی آواز نے ایک بار پھر ان قدموں کو کھوکھیا دیا تھا۔

"مہمہ....." وہ اس کے ساتھ اسے دیکھ رہا تھا جبکہ ایک دھڑکنے کے ساتھ چلتی ہوئی اس کے قریب آئی تھی۔

"یو، اپنا ہاتھ....." وہ پھول جو اس نے پڑی سی چاہے اس کے لیے خریدے تھے۔ اس کے منہ پر مدہ دینے کے لیے پھر اس کو اس کی گھر کی بل گئیں۔ ہر شئی جدا ہوئی، خوشبو نے فضا کو مٹھ لیا تھا مگر وہ ہر مہمہ گانے کی بجائے عشق کی چنگ کا کام کیا اب آنکھوں کو بند نہ رکھتا تھا۔ ایک ہنسی کا قطرہ بہہ رہی نکلتا تھا۔

☆ ☆ ☆

☆

☆

☆

عاشقی آس کی سرسبز محبت کو دھکے دے جانے کے بعد محبت کے دنیا کا یہ ستارہ جیسے دھل چکا تھا۔ تمام کسرت اس نے لٹو کر دیے اور تمام اہم کو خیر بخش کر دیا۔ اپنے آپ کو چار دیواری میں قید کر کے اس اپنی عافیت کو یاد کرتا تھا۔ مگر والے اردو ست احباب اس کی حالت پر اگرچہ گورنہ تھے مگر وقت کی موجوں پر چھوڑ کر اپنے اپنے کاسوں میں مصروف تھے۔

"لو، نا ہے....." کسی..... کچھ دنوں بعد کچھ پہلے جیسا ہوا ہے گا۔" تقریباً سب کی باتوں کا سبب منہم تھا تھا کہ کوئی کیا جانے عافیت کو لوگ؟

بند کرے میں جہاں اس نے جگہ جگہ سائرہ کی تصاویر اپنے پسروں کے ساتھ لگائے ہوئے تھے۔ انہیں دیکھتا جاتا اور گیارہ کے نادر سے رود بھرا سر بھیجے تا آج بھی وہ اپنی عافیت کے بھنے عاشقوں اور وہیوں کو یاد کرتا تھا کہ اس کے منظر نے کسی تہذیب کی تہذیب کی تہذیب کی رات کا پہلا پھر تھا۔ بالوں سے بچا آسمان کسی طوفان کا چٹخ خیمہ تھا۔ کھڑکیوں کے ردوں دھواڑے زوردار آواز کے ساتھ خوں خوں مٹتے اور بند ہوتے چارے تھے۔ اس نے حسرت کے ساتھ باہر کی طرف دیکھا اور

گھٹا کر بیٹھ کر رکھ کر اس جانب مڑا۔ وہ سفید چغندر لوراسی رنگ کی ہائی ٹیک میں بیٹھ تھا۔ چاندی رنگت پر یہ لباس خوب چمک رہا تھا۔

"سائرہ.....! تم کب تو ہو؟" اس نے آسمان کی طرف دیکھے ہوئے خوشگامی کی تھی۔ جواب بھی کبھی عاشق سے دیا گیا تھا۔ دل کے بے چینی ہوئے تھی۔ بالوں کا شور اور دم بھگم اس کے سون کو آواز دہرا کر رہی تھی۔ وہ متضام کیجے کی دھواڑے کی پڑتوں کو بھی بالوں کی طرف اسے ایک بل کے لیے نہیں نہیں آ رہا تھا۔

"کیا یہ اور ہے مجھے ایسا کیوں کہا ہے مجھے سائرہ کی مصیبت میں ہے؟" اس نے اپنے کانے ہوئے پھر کی جانب دیکھا تھا۔ جہاں اس کے میں پیچھے سائرہ کوئی تھی۔ وہ لمبے بھی کیا ہے تھے؟ محبوب محبت سے آتشا تو تھا مگر ساتھ ساتھ؟ اور ایک بار پھر ابھر رہی تھا۔

"مجھے تو اس کے پھٹا ہوا ہے؟" اپنی اپنی رازت برداشت کرنے کے باوجود وہ اس کے بارے میں گھر مند تھا۔ ذوق ملانا اور دوسرے آف لاکا۔

"مونا بل سوچ آف کر کیوں؟" فکر پہلے سے زیادہ بڑھ گیا۔ اب وہ وہاں نہیں ٹھہر سکتا تھا۔ جس حال میں تھا وہی حال میں اپنے محبوب کی خاطر بل دیا۔ نہ موسم کی فکر تھی اور نہ لذت کے اس پہر کی فکر۔

"سمیر....." اس کی قسم کہ اس کو کیرج کی طرف جاتا دیکھا تو پھر ناچار ہو کر ان کے الفاظ کی کیرج سن سکتا تھا۔ دل منظر میں جس خوب پہلا ہوا تھا۔

بارش خوب بک رہی تھی۔ بالوں کی کیرج نے فضا میں موجود بار آواز کو بوا دیا تھا۔ ایسے میں وہ تیز زانو کرتے ہوئے گاڑ کو اپنی منزل کی طرف گامزن کیے ہوئے تھا۔ سناں بھوک، جس کے دلوں اطراف بوسیدہ سے درخت تھے، ایک وحشت کا منظر پیش کر رہے تھے۔ ان گھوٹوں میں سائرہ کا چہرہ مٹے ہوئے دو کی بارشوں کاٹے ہوئے حارے سے بچا تھا۔ اس بار بھی جب وہ دیکھتا تھا کہ ایک دم بریک لگائی۔ ان گھوٹوں میں ایک کھک کے جسم نے سائرہ سائرہ کی کاٹگی۔ جوں کی

طرح تھی ہوئی تھی۔

وہ سوچے سمجھے باہر آیا اور تیزی کی ساتھ سائرہ کی کار کی طرف بڑھا جو اندر سے بالکل خالی تھی۔ وہاں موجود تھا۔ دو گھنوں میں ہی وہ ملے جلے پر بیگ چکا تھا مگر اسے آپ کی بجائے سائرہ کی گھر تھی۔

"سائرہ اس دیر سے میں کار چھوڑ کر کہاں جا سکتے ہیں؟" اس نے پٹائی سے بالوں کو پیچھے کرتے ہوئے سوچا تھا۔ بھی بارش کی دم بھگم میں اسے بال کی چھٹا سناٹا، دیو کی تیزی کے ساتھ ہماگ رہا تھا۔ قدموں کی چاپ بھی اس چھٹا کر میں شامل ہو رہی تھی۔ وہ حیرت سے چلا۔

"یا آواز نہیں؟" اس نے سوچا اور سونے کی طرف ہماگ آواز قریب سے قریب تر ہوئی جا رہی تھی۔

"بھابھ..... بھابھ....." اب دہم کی آواز دیکھ سناٹا دی تھی۔ وہ ڈاکو سے سناٹا تو سائرہ کی آواز تھی۔ اس کے جسم میں جیسے ایک کرنٹ دوڑ گیا تھا۔ ہانچے ہوئے اس آواز کا تعاقب کیا گیا۔

وہاں سائرہ ایک ہماگ رہی تھی۔ دن کے کلاس میں..... اس کے پیچھے کی ٹوٹے تھے، جوں کا تعاقب کر نے کی کوشش میں تھے سمیر نے یہ دیکھا تو ان دونوں کے سامنے ٹکرا ہوا۔

"چھوڑو اس کو بچھا کر آؤ، درخت ہمارے لیے اچھا نہیں ہوگا۔" اس نے دیکھی تھی۔ شش آواز ساعت سے گھر آئے تو وہ جلیقہ سے بیکروں کو دیکھ کر وہ خاسا جی تھی مگر امید کی کہ ان کے نظر آنے پر اس کی جان میں جان آئی تھی۔ ہندو کے نقش کے لیے وہ جلیقہ پارلے اسے لکھ کر کی طرف جا رہی تھی کہ خراب موسم کے باعث انجن میں پانی بھرا..... ایسے میں ٹوٹے وہاں آواز ہوئے اور اپنی جان چھانے کی خاطر اس نے بھاگتی جا رہی تھی۔

"اب تو ہمیں تانے کا کھمارے کے لیے کیا اچھا ہے؟ کچھ نہیں؟" وہ تین تھے اور اب ایک سب نے لے کر اس پر دھڑکے تھے۔ سائرہ نے آگے بڑھ کر انہیں روکنا چاہا مگر اسے وہاں دیکھا چکا تھا۔ وہ اس علاقے میں آیا تھا۔

جب خون بار بار سوچ آفد ہوتا ہے گی کمر ہوئی تھی بھی اسے ڈھونڈنے لگا تھا۔

”ولید!..... اچھا ہوا تم آگے۔ وہ دیکھو کیرا اکیلے ان فٹنڈوں سے لڑ رہا ہے۔ میڈلز اس کی مدد کرو وہ مدد کریں گے۔“ سائزہ نے دودھ بھرے گچے میں ولید سے مدد کی درخواست کی مگر اس نے غلطی میں گردن ہلا دی۔

”خاک ہو گی ہو گیا؟ وہ بدبواہی ہیں۔ چلو یہاں سے کسی کے محلے سے ملنا دیکھیں پتا چاہیے۔“ وہ اس کا ہاتھ نیچے ہونے والی سے لے کر باورانی کا سر غصا گیا۔ مکمل طور پر ہوجک چکی تھی۔ ایک لکچر اس کے سر پر ملا رہی تھی مگر کتاں جیسے بار بار پلٹ کر دیکھ رہی تھی جس میں کبیر میری طرح گھماں ہو چکا۔ بدلت بدلت بارش میں خون بھی

شال ہو چکا تھا۔ وہ ان کے سامنے برسی طرح بار بار چکا۔ سر پر لگا پٹ کے کبیر خون بہہ رہا تھا۔ گھولنے کی کوشش محسوس ہو رہی تھی۔ وہ گھٹنوں کے بل زمین پر آ کر آگیا۔ گردن کو ہلکا سا اٹھا کر دیکھا تو سامنے سائزہ کا سر بھی دور چلی دیکھا لی وہی۔ چہرہ بڑھا کر اسے بلانا چاہا مگر پیچھے سے ایک ضرب لگی کہ وہ چپڑ زمین پر چڑھ کر ہوا ٹوٹا ناگھیں گلی تھی جس اور سائزہ کو اپنے ستارہ جاتا دیکھ رہی تھی۔

☆
”میر!.....“ اس کی دھند آٹھ مکمل کی تھی۔ جسم پیسے سے شرابو تھا۔ اس نے اپنی پیشانی سے پیشہ پتہ چھا اور گہرا سانس لیتے ہوئے لکڑی ہوئی۔ پورا کمر سرخ گلابوں سے سجا ہوا تھا۔ آج اس کی اور ولید کی شادی کو پورے چار سال بیت چکے تھے۔ آج ہی کے دن کبیر کی موت ہوئی تھی اور اب سے آج تک وہی لکڑی مات میں گزری تھی جب اس نے کبیر کو خواب میں سہنے ہوئے نہ دیکھا ہو۔ ہر رات وہ ان آنکھوں میں اسنے لیے جوت دیکھتی تھی مگر تسلیم کرنے سے انکار کرتی تھی اس کی جوت اس کا شوہر ولید تھا۔ جو ہر بل اس کے ساتھ تھا۔ آج وہ اس کے لیے خاص نقشہ لائے جا رہا تھا۔

”اب بس ولید سے ہی ہو گئے۔“ وہ تیار ہونے لگی۔ ”تو آج اس یقین کو بھی تو زود بتا دوں۔“ میس کے لیے اس درم میں گئی اور اس منٹ بعد ایک سرخ رنگ

کی ساڑھی پہنے رہاں اُپنی تھی۔ یہ ساڑھی صبح ولید نے ہی اسے پہنے کو کیا تھا۔ وہ درمیک بھلی کے سامنے اپنے بل کھٹکا کر رہی تھی کہ اسے اپنے پیچھے کی کوٹھڑی سے کلاہ ہوا۔ وہ بھلی کو وہاں کوئی نہ تھا۔ اس نے دم بھج کر اپنے خیال کو جھک کر اور دوبارہ دیکھا کرنے لگی۔ اسے ایک بار پھر آئیے میں کی شہید دیکھا لی وہی۔ وہ برسی طرح گھولتی اور پلٹ کر دیکھ رہی تھی۔

”کک کک کک۔“ کون ہے وہاں؟ ولید آپ ہوں؟“ اس نے کھٹکا کر ایک رنگ پر رکھا اور جیسے تھوڑے سے اس کے برسی اور سامنے پردوں کو ہٹا دیا۔ اس نے خوف کو ہٹاتے ہوئے پردے ہٹاتے ہوئے گردن کوئی نہ تھا۔ اس کی جان میں گناہ تھی۔

”کک۔“ میرا دم تھا۔“ اس نے گہرا سانس لیا اور پلٹی تو خوف کے مارے پیچھے کی جانب اچھل پڑی۔ وہاں ولید کھڑا تھا۔ اچانک اسے اپنے سامنے کھڑا دیکھ کر وہ برسی طرح چکی تھی۔

”ولید!.....“ وہ برسی طرح چکی تھی۔

اتھا کھڑا تھا کہ اس نے اس ڈوری کو سائزہ کے گچے میں پلٹ دیا اور اسے برسی طرح کھٹکے لگا۔ سائزہ اس محلے کے لیے قلعہ تیار کر دی اور اکثر ان سائوں کے ساتھ اپنی بھانجے لیے تھا۔ وہاں اس نے گلی۔ سوال پوچھنے کا وقت بھی تھا اور نہ ہی کوئی جملہ زبان سے ادا ہو سکتا تھا۔ سائزہ کی لڑائی دھواں ہو چکا تھا۔ ڈوری اپنی باریک کر مشہور تھی کہ اس کے گچے کی رنگوں کو کسی چرسکی تھی۔

”بہت پار میرے محلوں سے بچنا چاہیے تو عمر آج نہیں..... آج نہیں مرنا ہوگا۔“ وہ جڑ سے جھکے کھڑا تھا ایک جنوں اس کے سر پر سوار تھا۔ اس نے ولید کے پچھلے سے نکلا چا کر کام کر رہی۔ اب اسے اپنا آخری وقت معلوم ہوا تھا کہ ایک آواز سماعت سے نکلتی تھی۔

”چھوڑ دو سائزہ۔“ آواز ششاسنی۔ ولید اس آواز کو نہ کر رہی طرح چھوڑنے کا خیال نہیں منہ ہونے سے پہلے سے تمام کھڑکیاں دروازے بند کر دیے تھے۔ یہ آواز؟ وہ چلا تو ایک بہت بڑھا ہوا لگا۔ سامنے میرا ہی طوفانی رات دھلا سہاں میں کھڑا تھا۔

”میر!.....“ ولید کی زبان سے جاری ہوا تو سائزہ بھی کھانسنے ہوئے غلٹی، وہاں واقعی قہر تھا۔ آنکھیں حقیقت پر کھڑکیاں کرنے سے قاصر تھیں۔

”تم میری اپنے قصہ میں کامیاب نہیں ہو سکو گے۔“ یہ کیسے میری سیر کی آنکھوں سے جب دونوں لٹی تھی اور ولید اس کوئی کی تاباکی کو برداشت نہ کر سکا اور وہیں ڈھیر ہو گیا۔ سائزہ یہ سمجھنے سے مر رہی۔

”میر!..... تم زندہ ہو؟“ وہ بھلائے ہوئے کہہ رہی تھی اور ولید کو بوسہ مارتا ہوا دیکھ کر اس کا دل دھچکا پڑا تھا۔ جو اس نے کیا تھا اس کے بعد کوئی جذبہ ہمدردی نہ تھا۔

”عاشق مرنے نہیں ہے سائزہ..... میرا دم تو اس رات ہی ہو گیا مگر میری عاشق تھی تمہارے ساتھ ہمیشہ رہی تھی اور تمہیں اس شخص کے کرب سے بھائی رہی۔“ میں اتنا کہتا تھا کہ وہ جس آنکھوں سے اوجھل ہو گیا۔ سائزہ کی آنکھوں میں آسو تھے اور حالت کو کبھی

سے قاصر دیکھا رہے تھے۔ بھی اس کا دماغ جھلکا اور ایک ایک بات سمجھ رہی تھی۔

اس رات ولید اسے بجائے نہیں بلکہ یہ دیکھنے آیا تھا کہ سائزہ کی آنکھیں کبیر کے سر سے وقت پر سائزہ پر آئی موت کا پسے سر لپا۔

شادی کے بعد جو کچھ شام کی تھی۔ اس وقت بھی ولید میں موجود تھا مگر اس نے اسے بجائے کی کوشش نہ کی مگر میری عاشق نے پہنے کی راہیں ہموار نہیں کیں۔ کہ قہر میں جھپٹنے سے بند کھڑکی، آج میری عمر انداز میں خود بخود گئی تھی۔

نیرج جوں پر کسی نے تھل چھجک دیا تھا اور کچھ دیر پہلے وہاں سے گزرا۔ ولید بھی ہوا تھا مگر وہ پھلسمٹا اور پیچھے سے سائزہ نے اپنا پیادہ مڑ کر رکھا تو اس کا پاؤں پھسل گیا مگر کسی نے اس انداز میں اسے پکڑا تھا کہ اسے محسوس ہوا۔ اس کا کا دو پنڈیر برسی طرح پڑی سے ساتھ جھکے میں جھپٹ گیا اور وہ منہ کے بل کھٹکے سے بچ گئی۔

اس دن بھی وہ اپنی ڈرامیجک سیٹ کی ویلٹ کھولنے کی کوشش کر رہی تھی مگر وہ کھٹکے کا نام ہی نہیں لے رہی تھی۔ ولید اسے جلدی کرنے کو کہہ رہا تھا۔ بھی اس کا سارا دھیان ویلٹ کی طرف تھا۔ بھی میرا رادی طور پر اس کا سر اس کے جابج جھک گیا۔ پیچھے کی سے زور سے دھکا دیا ہوا۔ اس سے پہلے وہ وہاں اپنا چہرہ اٹھائی، ایک ٹائمر کی آواز سنائی دی۔

آج ان تمام راتوں سے پردہ فاش ہو چکا تھا۔ اس کا دل چھوٹ چھوٹ کر رونے کو چاہ رہا تھا۔ ولید کی لاش سامنے تھی مگر یہ انہوں کے لیے نہیں تھے بلکہ اس عاشق کے لیے تھے جو مرنے کے بعد بھی اپنی عاشق بھارت پر دوڑ میں پڑھتی تھی لی اور اپنی قسمت کو کھٹکے کی کھڑکیوں اس نے جوت میں جوت کی تھی تو جہن کی تھی؟ کیوں؟ میری عاشق کو چاہتا تھا کہ وہ نہ خالصتاً اسے چاہتا تھا۔ بھی تو ہر لمحہ عاشق تھا میرا بپا۔

☆

برس ہا برس سے ہراسرار قوتوں کو مسخر کرنے کے لئے سرگردان انسانوں کی ہراسرار ہولناک داستان حیرت، قدم قدم پر مسخر جادو اور عملیات کی حیرت انگیز مناظر پڑھنے والوں کو انگشت بدنڈان کر کے اچنبھے میں ڈال دیں گے، ایک بالکل نئے طرز کی حیرت ناک دلوں پر دھشت طاری کرتی کہانی۔

ایک ڈاویدہ اور ہراسرار آستی کی ہولناک مردودوں کی دھڑکتیلی تیز کرنے والا سلسلہ

ہیرا نام کیل جان آ قال ہے۔ اور اس آخری لفظ کی وجہ سے ہی شاید میں اس طویل اور ہراسرار داستان کا کردار بنائوں۔ کیونکہ آ قال میری ذات ہے اور میرے تمام جدی پشتی لوگ عملیات وغیرہ کے ماہر گردانے جاتے تھے۔

خود میرا آپ بھی ایک مشہور عالم تھا۔ اس کا نام سکندر آ قال تھا۔ ہوش منہ لانے کے بعد میں نے ہمیشہ ان کے گرد لوگوں کا بچہ دیکھا تھا۔ انہیں دیکھ کر میں گستاخا جیسے وہ خود کوئی نوجوان اور انہیں پرانوں سے گھر رکھا ہوں۔

میں دو بہنوں کا اکوٹہ اور لاڈلا بھائی تھا، لیکن میں ابھی کم سنی میں ہی تھا کہ میری دونوں بہنیں اچانک ہی ہراسرار کم کی موت کے ہاتھوں خالق مٹی سے جا مل گئیں۔ مجھے ٹھیک طرح سے اندازہ انہیں کہ اس واقعہ سے میرے باپ پر کیا گزری تھی، البتہ میری ماں ضرور نیم چوٹائی سی ہوئی تھی، وہ اکثر راتوں کو افسوس کر دیتی تھی۔ اکثر اس کی نگاہیں سے میری آنکھ کھل جاتی اور میں سے ساختہ بچتا۔

”کیوں رو رہی ہو ماں..... کیا ہوا؟“

”اب ہونے کے لئے کیا ہو گیا ہے..... اس کا جواب ہونا..... تو پریشان مت ہو سو جانا..... سو جا“

میں نے اپنے باپ کو رات کے وقت بہت کم گھر کے اندر دیکھا تھا۔ بلکہ یہ گھر کیا تھا..... پرانی

ایک رات تو میں اٹھ کر بیٹھ گیا اور اسے بھانے کے انداز میں بولا۔

”اتنا نہیں روئے ماں..... بری بات ہوتی ہے تم ان دونوں کے لئے روتی ہو؟“

”ہاں بیٹا.....!“ وہ جگ اٹھی۔ ”میں صرف روکتی ہوں اور کچھ تو میرے اختیار میں نہیں ہے۔“

”لیکن رونے سے کیا ہوگا ماں..... تم خود ہی تو کہتی ہو کہ وہ اب بہت دور چلی گئی ہیں اور کسی کوٹ نہیں آئیں گی۔“

”ہاں.....!“ اس نے سر ہلایا۔ ”میں خود ہی یہ بات کہتی ہوں کھل بیٹا!“

”تو پھر روتی کیوں ہو.....؟“

”کیا کروں.....؟ اگر میں آ نکھوں کے ذریعے اپنے دل کی بھڑاس نہ نکالوں تو میرا دل پھٹ جائے گا۔“

”یہ سن کر میں نے خاموشی سے اپنی ماں کے سینے پر سر رکھ دیا تھا، اس نے مجھے بری طرح سمجھ لیا تھا مجھے آج تک یاد ہے کہ اس کا دجو کس طرح ہولے ہولے کانپ رہا تھا۔“

اور قد جم چلی تھی..... جس کا ایک حصہ میرے باپ نے صرف اور صرف اپنے حریف کے لئے رکھا ہوا تھا۔ اور ہر ایک دن میں نے اپنے باپ اور ماں کا جھگڑا دیکھا، یہ خبر اس بات پر ضرور ہوئی تھی، اس بارے میں مجھے قطعی اندازہ نہیں تھا۔ میں اسکول سے واپس آیا تھا اور میں نے اپنا رستہ تخت پر رکھا ہی تھا کہ اندرونی کمرے سے مجھے اپنے باپ کی وہاں سنا لی دی۔ ”یہ تم کیا کہہ رہی ہو؟ کیا پاگل ہوئی ہو؟“

”تمہارے پاس میری باتوں کا کوئی جواب نہیں ہے۔“ اسی لئے تم مجھے یہ لقب دے رہے ہو۔“ ماں کی آواز میرے کانوں سے گزری۔ ”لیکن میں اس بات کو مانا کرتا ہوں کہ تمہارے ہی کمال نے میری دونوں بچیوں کی جان لی ہے۔ ضرورت ہے کہ کسی محل میں کوئی ہوتی ہے یا بچہ مری کہ تم سے اپنا دشمنی نکالی ہے۔“

میں اور تپ جب چلا گیا اور اس کمرے کی دیوار سے لگ کر ان کی باتیں سننے لگا۔

میرا باپ کہہ رہا تھا۔

”دیکھو بھو، اس دن دم کاٹنے والے سے نکال دو۔“

دو۔ دو میری بھی اولاد نہیں تھی۔ مجھے بھی اس سے اتنا ہی پتا تھا، جتنا کہ تمہیں تھا۔ لیکن میں تمہیں اپنا دل تو جتھے کرکشی دکھانا سکتا۔ کمراب کوئی کرکشی کیا سکتا ہے۔“

”ابن کا گمانی موت سے دوچار ہونا تھا۔“

”سب سے اعلیٰ کاغذ تھا اور اس اتنی ہی زندگی تھی۔“

”لیکن میں یہی کہوں گی کہ یہ تمہارے ہی کمال کا نتیجہ ہے۔“

”ورنہ اس بات پر کرکشی ہوتا۔“

”تم پھر وہی اسی بات کر رہی ہو۔“ میرا باپ جھلا کر بولا۔

”اچھا یہ بتاؤ کہ وہ دونوں کہاں خواب ہو گئی تھیں؟“

”ان کا کچھ پتا نہ تھا۔“

”وہ کھیلنے کے لئے نکلی تھیں۔“ اس نے

قدور سے پرکھون کچھ نہ کہا۔

”اتفاق سے وہ میل میں گریں اور۔“

وہاں سے لے کر ماشوں ہو گیا میری ماں بھی چپ رہ کر اسے کھڑے چلی تھی، ابھرا ہے یہ نہ سکتا تھا۔ ”یہ سراسر من مروت کا بیانیہ ہے۔ وہ کسی اسکول کی طرف کھیلنے نہیں جاتیں۔ کیونکہ میں نے ان کی سہیلیوں کے گھر جا کر بھی معلوم کیا تھا۔ ان کے ساتھ کوئی نہیں تھا۔“

”اب تم ہال کی کھال مت نکالو بھیا۔“ میرا

باپ ایک بار جھرا چلا اٹھا۔ ”اب گڑے مڑے اکھاڑنے سے کیا فائدہ ہے۔ کیا ان لڑائی جھگڑوں سے

وہ واپس آ جائیں گی۔“ تاکہ۔“

”تم تو چاہے ہی یہی ہو کہ میں خاموش ہو جاؤں اور میری بچیوں کی موت پر پردہ چڑا دے۔“

ماں کی آواز گونجی۔

”کیونکہ تمہارے ہی کالے کرتوتوں کی وجہ سے وہ دنیا سے روٹھ گئیں تمہارا ہی کوئی شاکہ محل انہیں

کھا گیا۔“

”بھو۔“ اس بار میرے باپ کی آواز سے

گو یاد رور اور بل گئے تھے۔

اب مجھ میں برداشت کی سکت نہیں رہی تھی۔

میں اپنے باپ کی آواز کے اس بے باک تاثر سے خوفزدہ ہو چکا تھا۔ چنانچہ میں ان دونوں کو ”سیدنا“

”جنگ“ میں جھڑپ کرانے کے لیے پیغام میں ہی کھڑے باہر نکل آیا تھا۔

مجھے اتنا شک یاد ہے کہ ہمارے چوڑا سا شہر۔

کسی خوب صورت گاؤں سے کسی غور کی گئی تھی۔

اس کے چاروں طرف لکڑی ہریالی کا پہرہ تھا۔ چونکہ

ہمارا علاقہ شہری حدود کے قریب واقع تھا، اس لئے

ہر پل کی کامیاب منظر بہت دور تک سے دیکھنے کا پورا پورا

سواغ تھا۔

اس حدود کے قسم ہوتے ہی سلام کا گھنٹا بجنگ

تھا اور اس بجنگ کی یہ خاص بات تھی کہ اس میں غونجی

روند سے باخوں خوار ہار کر نہیں تھے۔ البتہ ہرن

اور بارہا کھینچے ضرور آبادی کے قریب آکر کلک آتے

تھے۔ چنانچہ کسی کو سوچ نہ آتا تو انہیں شکار کی لیتا تھا۔ میں خود بھی اکثر اپنے اسکول کے دوستوں کے ساتھ رانی پھیل کی طرف نکل آتا تھا اور یہ کام لوگ اسکول کی پمپنٹی ہونے کے بعد کیا کرتے تھے۔ لیکن اس وقت سے گجرات بھی طاری ہوئی تھی کہ گھر والے ہتھکڑی ہوں گے۔ اس کے باوجود اگر لڑکے کالی گلت کا مظاہرہ کرتے ہوئے پمپنٹی کے کناروں پر موجود چھوٹی چھوٹی پمپنٹیوں کو پکھڑوں میں ڈال کر ”کرنا“ ”کرنا“ کرنا کرتے تھے۔

یہاں مرغیاں بھی ہوا کرتی تھیں، لیکن ان کی

آدم صرف سحر سے ہوتی تھی۔ ان کے جھنڈے

جھنڈے میں اندھیرے یہاں آکر جاتے تھے، اور اس

وقت ان کی چپکڑ اور درد رنگ کو بچنے لگتی تھی۔

سورج کی تازت بڑھنے سے گل ہی وہ

مرغیاں بھی اور طرف روانہ ہو جاتی تھیں۔

ہاں۔ ان کا شکار کرنے والے کی بہت تھی۔

گھر سے باہر نکلی ہی تھا کہ مجھے سہیل کی باتوں

کا سیدھا تھا لیکن سب سے سدا کہہ کر پکڑتے تھے

اس کاروبار کی اور طرف تھا، لیکن مجھے کبھی

دو میری طرف نہ تھا۔

میں جلتی تھی۔ تم جلتی تھی میں باہر کیوں

نکل آئے ہو۔“

یہ حقیقت تھی۔ قیامت کی سی گری پڑی

تھی۔ کیونکہ آسوں کی پکائی کا موسم چل رہا تھا۔

میرا باپ یہی کہتا تھا کہ گری اور تپو سے ہی آسوں کی

پکائی ہوتی ہے اور ایسی چبے گری پڑتی ہے۔

”اس کی پڑی۔“ میں نے بات تھمائی۔

”دراصل یہی کمال تھا میری ہے اس لئے یہ لڑکائی۔“

”ہوں۔“ ”سودنے کے گردن لائی۔“ میری

توپ چھوٹی مت۔“ ”کھانا تیار ہے اور تپ ہی مان گھر

ہے۔ لیکن کسی کام سے نہ گئی۔ نہ چانے کب واپس

آئے گی۔“

”میرے ساتھ کیا ایک تو نہیں ہوا۔“ میں

نے کچھ سوچے ہوئے کہا۔ ”لیکن آج گھر میں گھر کا

سارہ تھا اس لئے باہر نکل آیا۔“

”بہت اچھا کیا۔“ ”سود نے رات

نکالے۔“ ”چلو۔“ ”جھیل کی طرف چلے ہیں۔“

”نہ بابا۔“ ”میں نے کانوں کا ہتھکا گئے۔“

جب سے میری دونوں بہنوں والا حادثہ

ہوا تھا۔ میری اماں نے مجھے سختی سے وہاں نہ جانے کی

تائید کی تھی۔ یہ حقیقت تھی کہ کچھ دنوں تک وہاں

علاقے کا کوئی بھی فرد نہیں بیٹھا تھا لیکن ہجرت

گزرنے کے ساتھ ساتھ وہاں واقعہ لوگوں کے ذہن سے

ہوتا چلا گیا۔ پہلے بڑوں نے وہاں قدم رکھا

اور پھر بچوں نے بھی کھیل کود شروع کر دیا اسکول سے بھی

اکثر سے وہاں جاتے تھے لیکن میں ابھی کب اپنی ماں کی

ہدایت پر عمل کر رہا تھا۔

”کیوں؟“ ”سود نے ہجرت سے میری

کل دیکھی۔“

”میری ماں نے مجھے منع کیا ہے۔“

”اوہ۔“ ”ہاں۔“ ”سود جگ کر بولا۔

شاید اسے وہ ساتھ یاد آ گیا تھا۔ پھر وہ کچھ

سوچے ہوئے کر بولا۔

”وہ دوست ٹیک ہے کھیل۔“ ”سود اب وہاں

ایسا توڑی ہوگا۔“ ”دیکھو۔“ ”رواناہ کئے لوگ وہاں

جاتے ہیں اور میری ماں بھی آ جاتے ہیں۔“

”ہاں۔“ لیکن میں ابھی نہیں جانتی کہ۔“

”آج چلو گے۔“ ”سود میری اڑ گیا۔“ ”ویسے

بھی وہ پھر کتے ہے۔ وہاں کوئی نہیں ہوگا، دیکھو۔“

کتی گری ہے۔“ ”جھیل کے خضے پانی میں نہانے

میں بڑا لطف آئے گا چلو۔“

آخر کار اس کی خضد کے آگے مجھے ہتھیار ڈالنے

پڑے، اور پھر ہم دونوں پمپنٹی کی طرف روانہ ہو گئے۔

واقعی دور دور تک سناٹا تھا لیکن میں ابھی بلا تیر

گری میں کھان لٹے والا تھا۔؟ ہم دونوں تو سر پھرے

تھے۔

مبیل کے کنارے پہنچ کر سدورک گیا اور بولا۔

”دوسا نے کٹا ہوا درخت ہے اور میری اپنے
 کپڑے ٹانگہ دیتے ہیں۔“
 ”ارے.....“ میں جھل پڑا۔ ”تو کیا ہم
 “

”ہاں.....“ اس نے جلدی سے میری بات
 کاٹی۔ ”ارے بے وقوف..... اگر آج کپڑوں سمیت
 نہاؤ گے تو گھر بکڑے جانے کا پورا پورا انتظام
 کرنا پڑے گا۔“

ہو سکتا ہے۔ میری کوئیر ہے..... میں اگر سہاگن
اماں کو چتا چل گیا کہ تم جمیل پر کئے تھے تو وہ تم پر خوب
غصہ کرے گی۔ چمکیا کر دے گی؟
میں سوچ میں پڑ گیا، اسدو اتنی ٹھیک کہہ رہا تھا۔

”کیا سوچتے تھے.....؟ جلدی پڑے
 اتارو.....!“
 ”کیس.....“ میں ہنسی پھپھائی۔ ”اکر کوئی
 ادھر آ گیا تو.....؟“

چلو..... پھر جلدی سے کہا کہ وہاں لوٹ جائیں گے۔ لو..... میں شروع کرتا ہوں۔“

درخت کی ایک موٹی سی ٹنٹی پر ڈال دیا۔ اس کے فوراً بعد
 ہی اس نے جمیل میں چھلانگ لگا دی۔

گرمی کی شدت میں جمیل کے اس شخصہ پاف نے جسم کو بے حد سرد کر دیا تھا۔ دل چاہ رہا تھا کہ اسی جھک میں نہاتے ہوئے شام بھر چل جائے۔

”تھکے..... بے شرم۔“
 ”اوہو.....“ میں بھی بول اٹھا۔ ”تو تم کون۔“

شرم دار ہو۔ تم خود بھی تو بچے ہو..... ہاں؟“
”مذاق کر رہا ہوں.....“ وہ جلدی

February 2018

میں منتظر رہا، آخر کار کافی دیر بعد ان کی آواز میرے کانوں سے گرائی۔

”ٹھیک بیٹا۔۔۔ سوئے ہو؟“

”جی نہیں۔۔۔“

”میں سوچ رہی ہوں کہ تمہیں تمہارے ماموں کے گھر بھیج دوں۔“

”قائم ماموں کے گھر۔۔۔“ میں نے چمک کر پوچھا۔

”ہاں۔۔۔“

”کیوں اچھی۔۔۔“

”بس۔۔۔“ انہوں نے طویل سانس لی۔ ”میں جانتی ہوں کہ تم یہاں نہیں رہو۔ کیونکہ اس عمر میں۔۔۔“

”وہ بولنے لگے کہ تمہیں۔۔۔“

”تم خاموش کیوں ہو گئیں ماماں بی۔۔۔“

”چھوڑو! ان کا کیا سودا۔۔۔ کو۔۔۔ یہ انہی تمہاری بھجھ میں نہیں آ سکتی۔“ وہ بولیں۔

”میں قائم بھائی سے بات کروں گی۔ میں خود ان کے گھر جانے کی بات۔۔۔“

☆ ☆ ☆

امامی میں دشمنوں پر غور پڑتی رہی تھی، مجھے ابھی اسی کے بارے میں اتنا ذرا دھنسا تھا کہ میں خود بہت حیران تھا کہ امامی مجھ پر اتنے مہربان کیوں ہو رہے تھے۔

وہ میرے لئے کھانے پینے کی چیزیں لے کر آتے، میرے پاس بیٹھ کر مجھ سے ادھر ادھر کی باتیں کرتے۔ کسی کسی سہولت کا کام بھی کر لیتے۔

لیکن میں نے ایک بات نوٹ کی تھی کہ امامی جس وقت میرے نزدیک ہوتے اور مجھ سے باتیں کر رہے ہوتے تھے۔ اس وقت میں کوئی عجیب سی رنگ جاتی تھی وہ بھی بے رنگ نہ سمجھو۔ غرض امامی کی کام میں مصروف ہو جاتی۔ ویسے اس کی کوشش بھی وقتی تھی کہ وہ ہمارے تجربے ہی رہے۔ جان بوجھ کر وہ لاپرواہی کا مظاہرہ کرتی تھی، مگر اس کی قوت سماعت اسی

تھی ہی نہ ہو۔ جیسے نیند کی آغوش نے مجھے دیا دماغ سے بے خبر کر دیا ہو

”جی ہاں میری ماماں جی، بس کہ اس نے میرے سر پر چھت لگائی اور بولی۔

”مکاری کسی اور کو دکھانا۔ اب آنکھیں کھولو اور میری بات سنو۔“

میں نے پٹ سے آنکھیں کھول دیں اور اماں کی طرف دیکھنے لگا۔ انہوں نے بڑے پیار سے میرا ہاتھ تھا اور بولیں۔

”دیکھ بیٹا۔۔۔ میں نے تجھے اس وقت فیسے کے بارے میں بتا دیا تھا۔ لیکن وہ خبر بھی میری جاہت کا ایک رنگ تھا۔ دیکھ بیٹا۔۔۔ میں اپنی دولتیں جبر کو بھی

ہوں اور اب تم بھی میری زندگی کا آخری سہارا ہو۔ تم میری ماموں کی اسید ہو۔ جس اندھے کو میں سن

وؤں کو کسی نے دیکھل دیا تھا میں ہرگز نہیں جانتی کہ تم اس کو بھی سے قریب بھی جاؤ۔ میرے ذمہ بھی ابھی

میرے نہیں ہیں اور تم نے یہ حرکت کر کے ان ہی دھنوں کو مجھ سے چرکا لگا دیا۔“

”میں شرمندہ ہوں اماں۔۔۔ میں غلوں دل سے بولا۔

”بس۔۔۔ تم نے کتنا دل کیل کی طرف نہیں جاکا۔۔۔“ میں نے دل کو کون

ل لگایا۔ ”وہ بولیں مجھ چند گھنوں کے وقت کے بعد پوچھا۔ ”ابھی تاؤ دو پہر کو کھانا خود کھا دیا تھا؟“

”جی ہاں اماں جی۔۔۔“ میں نے نفی میں سر ہلایا۔

”کیا۔۔۔؟“ وہ چونک اٹھیں۔ ”تم نے کھانا نہیں کھا دیا تھا؟“

”امامی نے نکال کر دیا تھا۔“ میں نے گویا اکتشاف کیا۔

”او۔۔۔“ اس کے منہ سے نکلا۔

مجھ پر ایک طویل خاموشی جمی تھی، میں نے گردن کھرا کر اپنی کی طرف دیکھا، ان کا چہرہ اس بات کی گواہی دے رہا تھا کہ وہ کھانا چاہ رہی ہیں۔

سر ہلایا۔ ”میں کھانا نکال دیتا ہوں۔“

”آ جاؤ میرے بیٹے۔۔۔ میں ہوں ناں۔۔۔ تم پریشان کیوں ہوتے ہو۔“

☆ ☆ ☆

واقعی ماں شام دھلے کے بعد واپس آ گئی تھی۔ لیکن وہ قلعی خاموشی میں دوپہر والے وقت کے اس نے دوپہر کی گھنٹیں بھی گزار دی تھیں۔ البتہ اس نے مجھ سے نصرت سے اتفاق کر کے کھانے کی بات ضرور معلوم کر لیا۔

امامی اس طرف بہت ہی کم آ کر کرتے تھے۔ زیادہ تر وہ عوبلی کے اسی حصے میں رہا کرتے تھے جہاں انہوں نے اپنا ڈیرہ بنایا ہوا تھا۔ اسی طرف سے ان سے ملنے بٹھنے والوں کا بھی راستہ نکلتا تھا۔

میں انعامہ بھی نہیں ہو سکتا تھا کہ ان سے کون ملاقات کر رہا ہے، اب مجھ وہ خود اس وقت کیا کر رہے ہیں۔ البتہ وہ کھانے کے وقت ضرور درمیان کوٹوں کے ساتھ

ہوا کرتے تھے۔ لیکن بھی کھانا میرا بھی ہوا کرتا تھا کہ وہ رات کے کھانے میں غائب ہوتے تھے۔

اپنی دوؤں پہنوں کے کرنے کے بعد میں نے امامی کے چہرے پر مسلسل محسوس کی تجلی کی کا پہرہ دیکھا تھا۔ میری داشت میں یہ نشیوں کے چمڑ چاہنے کا

دھوکا تھا۔ لیکن بعد میں مجھے معلوم ہوا کہ میری سوچ بھی لادگی۔ یوں ہی میں اس عمر میں کا سوچ سکتا تھا؟ اسی

ضرورت تھا کہ میں غیر معمولی طور پر ذہین تھا۔ محرم۔

نومری تو مجھ کو غریبی ہی ہوتی ہے۔

اس رات کو بھی میں حسب معمول اپنی امامی کے ساتھ ہی لیٹا تھا۔ ابھی تک وہ خاموش تھی۔ میں بھی بار بار اس کے چہرے کی طرف دیکھا اور مجھ دوسری

طرف گردن کھاتے۔

پھر رات جاگ اٹھی تھی اس نے میری طرف کر دئی اور مجھے بکھارا۔

”ٹھیک۔۔۔ ٹھیک۔۔۔“

میں نے اپنی آنکھوں کو اور بھی مضبوط سے بند کر لیا، میں غائب کر رہا تھا تھا کہ ان کی بات میں سے

کوئی نام نہ نہیں تھا۔ وہ خاموشی سے سنتے رہے۔ میں اس کا سہلے پر اسے والی بات ان سے چھپا کر لیتا تھا۔ درحقیقت کہ اگر انہوں نے بھیمل کی طرف جانے پر پابندی لگا دی تو پھر میں اس طرف جانے کے لئے مجھ کو محرم ہونا پڑا۔ میں اپنی ماں کے لاؤں اس کا سر کھانے انداز کر سکتا تھا، لیکن اب امامی کے رعب اور فیسے سے میں بے

اجتناب خائف رہتا تھا۔

یہ ایک بات تھی کہ آج وہ جس انداز میں مجھ سے باتیں کر رہے تھے۔ وہ میرے لئے بالکل نیا اور اٹھا تھا۔ مگر میں نے ان کے چہرے پر ہمیشہ

خشمی اور جبر کی کا فطر دیکھا تھا۔

میں چپ ہوا اور ڈھیر ہلا کر بولے۔

”اس میں تمہاری ماں کا کوئی قصور نہیں ہے، مگر وہ ہوتے حادثے نے اس کے دل کو بہت

سدا ہے۔ مگر وہ اس بات سے واقف نہیں ہے کہ بہت کوئی اٹھی بھی نہیں کھانے۔ میں نے تمہارے گرا دیک

ایسا حصار کر دیا ہے کہ کوئی دیکھی یا ان دیکھی سے نہیں لگا سکتی۔ لیکن انہیں نہیں پہنچا سکتی۔ مجھے۔۔۔ یہ تمہارے

لمبھنے کی باتیں نہیں ہیں۔ کیونکہ تم بھی کم عمر ہو۔۔۔“

ناواں ہو۔۔۔ میں یہ سب کچھ نہیں ضرور سکتا ہوں گا۔

جیسے میں نے اپنے آپ دادا کی بھڑکی کی ہے۔ اسی طرح تم بھی میرے لئے غم پر چلاؤ۔

میں کھنکھن بولا تھا، کیونکہ ان کی باتیں اس وقت میری بھجھ سے بالاتر تھیں۔

لیکن مجھے کچھ نہ سمجھتا تو کھتا تھا۔ چنانچہ میں نے ہونٹوں کو تڑپا دی۔

”لیکن امامی۔۔۔ وہ کیا کہتی ہیں۔۔۔“

”پریشان نہ ہو۔۔۔ وہ کسے نہ۔۔۔ وہ کہیں نہیں جانتے گی۔ اسی مسئلے میں کسی کے گھر جا بیٹھی ہے۔ ذرا

خبر پوچھو کہ وہ خود یہ خودی واپس آ جائے گی۔“

”مجھے بہت ڈر ہے کہ بھوک لگے گی۔“

”او۔۔۔۔۔“ اچھا۔۔۔۔۔ انہوں نے چونک کر

متعلق کوئی بات کہ نقلی یا موزوں ہوگا۔
 خیر۔ تو چکر کھانے سے پوری طرح لطف
 اندوز ہوتے ہوئے قائم ماموں پر ہار پانی پڑی بہن
 کے ہاتھ کے دانستے کی تھریں کرتے رہے۔
 ”بھئی۔ مجھے تو آپ کے ہاتھ کا ٹھکانا بھیج
 کر لے آتا ہے۔“ وہ دھچکاتے ہوئے بولے۔ ”اتنی
 لذت تو کسی اچھے بولیں میں بھی دستیاب نہیں ہوتی۔“
 ”اب زیادہ چڑھاؤ مت۔“ اماں جی نے
 ٹوکا۔ ”اور آج تم نے اپنی دل کی بات کہہ دی ہے۔“
 ”کیا مطلب؟“ وہ چونکا اٹھا۔
 ”مطلب یہ کہ تمہیں ہم سے بالکل محبت نہیں
 ہے۔“ وہ مسکرائیں۔ ”تم صرف منہ کے پٹکارے لینے
 بیٹا آتے ہو۔“
 یہ سن کر قائم ماموں نے ایک بھر پر تہتہ
 لگا پٹا، ان دونوں کی باتوں پر اماں جی میرے
 دیر سے مسکرا رہے تھے۔
 کھانے کے بعد قائم ماموں نے اماں جی سے کہا۔
 ”اماں صاحبہ۔۔۔ میں اپنے ابا لانا بھول
 گیا ہوں۔۔۔ چلیں باہر چلے ہیں۔ میں اپنی بچی کھانوں کا
 اور ڈرلر ڈنڈی کی سی بوجا ہے۔ بہت بہت مل ہو چکا
 ہے۔ چلے بھرے سے سی پٹا ہوگا۔“
 ”فرزد چلو۔“ اماں جی نے سر ہلایا
 اور پھر دونوں باہر کی طرف نکل گئے۔
 ان کے جانے کی اماں جی نے دسترخوان سینٹے
 ہوئے مجھ سے پوچھا۔
 ”کیسی؟“
 ”جی اماں۔۔۔“
 ”تم اپنے ماموں کے ساتھ جاؤ گے؟“
 ”کہاں اماں جی۔۔۔“
 ”ان کے کہہ۔۔۔ اور کہاں۔۔۔؟“
 ”جو کس بات تو فرمائی مجھے یہاں سے نکال رہی ہو۔“
 میں نے ان کی شکل دیکھی۔
 انہوں نے پیار سے میرے سر پر ہاتھ میرا اور

آہستہ سے پولیں۔
 ”اس۔۔۔ کیونکہ میں جیسے خود سے دور تو کر سکتی
 ہوں لیکن تمہیں کدو پنے کی کھج میں ہر نہیں ہے۔“
 ”اس بات کا مطلب کیا ہے ماں
 جی۔۔۔؟“ میں اپنی فکر بولا۔ ”میں تمہا نہیں ہوں۔“
 ”وقت نہیں سب کچھ سمجھاؤ گا۔“ وہ
 پولیں۔ ”ابھی تم ہی کرو۔۔۔ جو میں کہہ رہی ہوں۔۔۔
 کیونکہ میں نے ایک سب۔۔۔
 حسب عادت وہ پھر بولے بولے رک گئیں۔
 میں بے چین ہو گیا تھا۔
 ”بولتا اماں جی۔۔۔ آپ خاموشی کیوں
 ہو گئیں۔۔۔؟“
 ”میں جب تہماری بہنوں کا ذکر اپنی زبان پر
 لاتی ہوں، تو تیرا دل دھل جاتا ہے۔“ ان کی آواز
 بھراگی۔ ان کو نواہنے کے بعد مجھے تہماری طرف سے
 دھڑکا لگا رہتا ہے۔ اگر تم میری نظروں سے اوجھل
 ہو جائے تو میں پریشان ہو جاتی ہوں۔“
 ”تو پھر مجھے کیجیوں کیوں رہی ہو؟“ میں نے اپنی
 عقل کے حباب سے بہتر سوال کیا۔ ”جب تم مجھے
 خود سے دور نہیں کر سکتی ہو تو مجھے ماموں کے حوالے کیوں
 کرنا چاہتی ہو؟“
 ”کہنے کے۔۔۔ تم وہاں محفوظ رہو گے۔
 ”بہنوں نے کہا۔“ تم نظروں سے دور ہو جاؤ گے، لیکن
 میرے دل سے تو قریب رہو گے۔“
 ”اماں جی۔۔۔ میری کچھ بھی سمجھ نہیں آ رہا۔“
 میں نے منہ پٹایا۔
 ”ارے نادان۔۔۔ اس کمر میں ہر طرف از
 دیکھے سامنے منڈلاتے ہیں۔ یہاں بہت کچھ ایسا ہے
 جو دکھائی نہیں دیتا اگر تم اس کی زد میں آ گئے تو۔۔۔
 بس۔۔۔ اب تم اس بات کو چھوڑ دو۔۔۔ اور جوت مت
 کرو۔۔۔ جو میں کہہ رہی ہوں وہی کرو۔ آج میں اس
 قائم کو اسی نے یہاں بلا یا ہے کہ وہ تمہارے باپ سے
 اس موضوع پر بات کرے کیونکہ وہ خود نہیں یہاں سے

لے جانے کا خواہش مند ہے۔“
 ”اچھا اماں جی۔۔۔“ مجھ کے۔۔۔ میں نے
 سعادت مندی سے سر ہلادیا۔
 اماں جی اور قائم ماموں کی رہائی ہوئی تو خود مجھے
 کسی گڑبگڑ کا احساس ہوا کیونکہ اماں جی کے چہرے
 پر پتلا ہوا تھا جس کی اور قائم ماموں سے زیادہ عجیبہ
 دکھائی دے رہے تھے، میں نے انہیں کسی اس کوڑیوں
 نہیں دیکھا تھا۔
 اماں جی تو ہاں رکے بھی نہیں تھے وہ فریادیں جو ابلی
 کے دوسرے حصے کی طرف چل دیئے۔
 اماں جی کا ہاتھ تو پیچھے ہی ٹٹکا ہوا تھا چنانچہ ان
 کے جاتے ہی وہ قائم ماموں کی طرف متوجہ
 ہو کر پولیں۔
 ”کیا ہوا۔۔۔؟ تم نے کھانے کی بات کی۔۔۔؟“
 ”ہاں۔۔۔“
 ”تو پھر۔۔۔ کیا بوجا پلا۔۔۔؟“ اماں جی نے
 بے چینی سے پوچھا۔
 ”ساف انکار۔۔۔“ قائم ماموں نے طویل
 سانس لے کر کہا۔ ”بہنوں نے کہہ دیا ہے کہ کھانے کی
 قیمت پر کسی یہاں سے نہیں جاتے گا۔“
 ☆☆☆☆
 اماں جی نے میرے والد صاحب سے اس
 موضوع پر کوئی بات نہیں کی تھی، البتہ اس دن کے بعد
 سے ان دونوں کے درمیان ایک سرد جنگ کا آغاز
 ہو گیا تھا۔
 اس دوران ایک ہی بات اور بھی سامنے آئی تھی،
 جو خود میرے لئے بھی تھرت کا باعث بنی۔
 اماں جی کا تھیمران دکھائی دینے لگے تھے، ماں
 جی سے تو ان کی بات چیت بند کی چتا چھوہا اب مجھے کائی
 وقت دینے لگے تھے۔ میرے لئے کھانے پینے کی
 چیزیں خرید کر لائے اور اکثر مات کے وقت بھی آ جاتے
 اور مجھ سے خوب باتیں کرتے تھے۔
 ماں جی یہ سب کچھ خاموشی سے دیکھ رہی تھیں،

نہ جانے کیوں انہیں چپ کی لگ گئی تھی۔ وہ اب مجھ
 سے بھی زیادہ بات نہیں کر رہی تھیں۔
 اماں جی کا وہ میرے لئے کائی کشش کا باعث
 تھا، کہاں تو ان کے پاس میرے لئے دت ہی نہیں
 ہوتا تھا اور کہاں اب وہ کھنوں میرے پاس بیٹھے رہتے
 تھے۔
 اور جب تک وہ میرے قریب رہتے ہیں جی
 کسی بے چارے سواری کی طرح ایک طرف پڑی رہیں۔
 ہوں لگتا تھا جیسے کہ میں ان کا وجود ہی نہ رہا ہوں۔
 ایک دن وہ کسی کام سے لگی ہوئی تھی اس دت
 اماں جی کی طرف نکل آئے۔ مجھے اکیلا دیکھ کر بولے۔
 ”کہاں گئی تہماری ماں۔۔۔؟“
 ”کیسی کام سے لگی ہیں اماں جی۔“
 ”ہوں۔۔۔“ انہوں نے سر ہلایا بھرا بھرا۔
 پھر وہ مجھ کو آ کر مجھ سے مخاطب ہوئے۔
 ”آؤ میرے ساتھ۔۔۔“
 ”کہاں اماں جی۔۔۔“ میں نے حیرت سے پوچھا۔
 ”جہاں میں رہتا ہوں۔۔۔“ وہ مسکرائے۔
 ”اب تم مجھ سے میں اس ہی لائق ہوں تو بولے والے ہو کہ
 بہت ہی باتوں کو سمجھو۔۔۔ جو ابانی کی ولایت پر تم رہ گئے
 آہے۔۔۔ وہ اس نے ضروری ہے کہ تمہیں ان باتوں سے
 دلنشست آہستہ آگاہ کیا جائے۔ جہاں آئندہ تمہارے کام
 آئیں گے۔ کیونکہ تم اس ہی روش پر چلو گے جس
 پر تمہارے دادا پر دادا نے اپنی زندگی تباہی۔ اور انہیں
 بہت کچھ پانے کے لئے بہت کچھ کھانا پڑا، لیکن
 جو کچھ انہوں نے حاصل کیا، اس کی وجہ سے دنیا ان کے
 پیچھے بھاگی تھی۔ لوگ سلام کرنے کے لئے دور دور
 سے ان کے دروازے پر آ کر جاتے تھے۔“
 ”اچھا۔۔۔ میرے منہ سے نکلا۔“
 ”ہاں میرے منہ کے کڑے۔۔۔“ ان کی آواز
 میں جوش تھا۔ ”اب عزت، یہ عزت ہمارے خاندان کی
 بچکان ہے۔ تم نہیں جانتے۔۔۔ ورنہ بڑی بڑی کاروں
 والے امیر لوگ ہمارے سامنے ہاتھ باندھ کر

اور سر جھکا کر کھڑے ہوتے ہیں۔ کیونکہ بعض اوقات وہ ایسے سکون میں پھنس جاتے ہیں کہ جن کا دل صرف ہم جیسے عاملوں کے پاس ہوتا ہے..... چنانچہ اعلیٰ غرض اور بھوری کے تحت بڑے بڑے لوگ ہمارے سامنے اپنے گھٹنے ٹیک دیتے ہیں۔“

تھا۔ فرش پر دریاں بچھی ہوئی تھیں اور ایک جانب دو مسند تھی، جہاں ابا جی بیٹھ کر لوگوں کو تعویذ وغیرہ دیا کرتے تھے۔

مہک جاتی تھی۔ ایک جانب چٹائی پھینسی ہوئی تھی، جس کے سرے پر ایک گاڑی رکھ رکھا ہوا تھا، اسی ٹیکے کے سرہانے پر چند کتبے بھی رکھ ہوئی دکھائی دے رہے تھے۔

پوچھا۔
”یہ بتاؤ کہ تم نے اور تمہارے باپ نے کھانا
کھا لیا؟“

تو اس وقت بھی وہ کسی نہ کسی کو تیرا پیروں پر دے دے ہوئے
 دکھائی دیتے۔ جسکی یہی سزا کا لہو انہیں دے رہا تھا
 اور کوئی ان کی غلطی مرگم کر کے چلا جاتا۔۔۔ میں واقعی اس
 بات سے کافی متاثر ہوا کہ اللہ کیسے اپنے لوگوں کی
 کافی تیرے لئے رکھتی۔

اسماء الحسنی۔۔۔۔۔ کامیابی کا راستہ

خواہش زندگی

میں آپ سے ایک فون کال کی دوری پر موجود ایک بارہمیں خدمت کا موقع دیں گا مرنیاں آپ کے قدم چومیں گی اور آپ لوٹ: جو فوجا تین دھڑاتن خود نہیں آسکتے دو گھر بیٹھے فون کریں

آرزوئیں اس طرح بھی پوری ہو جایا کرتی ہیں

ہوں فون ملائیے اور آزما لیجئے۔
 بقیہ بہترین اور خوشگوار زندگی کا لطف اٹھائیں گے۔
 کام لیں انشاء اللہ کامیابی ہوگی۔

ماپ مین بازارا چھرہ لاہور پاکستان

Dar Digest **70** February 2018

”میں... میں... آف.....“ طمراش جیسے

73 February 2018

Dar Digest

ہیں۔ میں نہیں جانتی تھی۔ یہ بڑیاں ہیں اس راستے میں ایسے مغربیت ہیں جو جھانپنے میں ہارنے کے بعد بھی کچھ نہ کچھ جین لیتے ہیں۔ دیکھو۔ تمہاری دوڑوں جیسی چھین کی جیسی۔ اب صرف تم ہی بچے ہو۔ اور میں تمہاری زندگی کی خدایاں ہوں۔ ان سب چیزوں سے دور ہو میرے بچے۔“

میں گھبرا اٹھا۔ اب اس روپ کے درمیان ہونے والی اس جنگ میں میری شکل دھج کی دھج کی کس کا ساتھ دے؟

ایک دن ایسے ہی خیالات میں الجھ کر جب زیادہ پریشان ہوا تو آخر کار ہار جانے لگا۔

اسی وقت اماں جی نے پکارا۔

”کہاں جا رہے ہو گیل۔“

وہ کچن میں بیٹھ کر چاول بن رہی تھی۔

میں نے گھوم کر ادھر سے جواب دیا۔

”باہر جا رہا ہوں اماں جی۔۔۔ ابھی آتا ہوں۔“

”اوہ؟۔۔۔ میرے پاس۔۔۔“ انہوں نے

غور سے مجھ کو دیکھا۔

میں نے ایک طویل سانس لی اور ان کے قریب آ کر بیٹھ گیا۔

”کیا بات ہے؟“

”کچھ نہیں اماں جی۔۔۔“

”کچھ تو ضرور ہے۔“ انہوں نے غور سے

مجھے دیکھا۔ میں تباہی پا رہی تھی۔ اگر میں نہ

جانوں گی تو کسے معلوم ہوگا۔ تاؤ تم کیوں پریشان ہو؟

”ایسا کچھ نہیں اماں جی۔۔۔ میں خود بخود ہوا

”آپ کو تو معلوم ہی ہے کہ اتنا بڑا گھر ہے اور افراد اتنے

کم ہیں۔ یہ دیکھ کر مجھے ایسی آگ بھڑک رہی ہے جتنا کہ دینی

ہے۔“

”اس دینی کا ذمہ دار تمہارا باپ ہے۔“ ان کا

لبہ تیز تھا۔ ”نہ وہ کی نقصان پہنچا تا اور نہ اس سے

نقصان ہوتا۔ سب کو کبھی جب تک پیڑا دے گا نہیں وہ

تمہیں دے گا نہیں۔ جب کسی کو پریشان کر دے تو چرخہ خود کی پریشان کر دے گا۔ تمہارا باپ ہواؤں سے لڑتا ہے۔ آج نہیں قابو پائیں کرنے کے تھکن کرتا ہے وہ چاہتا ہے کہ ان دیکھی حالتوں پر فتح حاصل کر کے اپنے جھڑے کا ڈوڑے اور پھر دنیا سے سلام کرے۔ یہ سب کچھ اتنا آسان نہیں ہوتا۔“

”ہاں اماں جی۔۔۔ میں آہستہ سے بولا۔ ”آپ ٹھیک کہہ رہی ہو۔ اب جلدی سے کھانا بناؤ۔ مجھے بھوک لگی شروع ہو چکی ہے جب تک میں باہر سے کوئی نہ آتا ہوں۔“

پھر میں وہاں رکا نہیں تھا۔ جلدی سے باہر نکلا۔ میرا رخ سدھ کے کھرکی طرف تھا۔۔۔ اتنا تن سے دوڑی میں ہی نکل گیا۔

مجھ سے پچھتے ہی اس کی پانچھیں کل گئیں۔

”ارے! یار۔۔۔ تم تو بڑے وقت پر آتے

ہو۔۔۔ میں سوچ ہی رہا تھا کہ تمہاری طرف کا

چکر لگا لوں۔“

”کیوں؟ کوئی کام تھا۔“ میں نے پوچھا۔

”نہیں یار۔۔۔ بس رپورٹ دہری ہے۔۔۔“

اسکول کی پتھلیاں پر ہی میں قواب گھر میں کب تک گزارہ

ہوگا۔“

”میرا بھی یہی حال ہے۔۔۔“

”چلو پھر۔۔۔ رانی جمیل کا پکر

لگا نہیں۔“ اس نے بس کہا۔

”نہ با۔۔۔“ میں نے کانوں کو ہاتھ لگایا۔ اس

دن وہاں جو کچھ میرے ساتھ ہوا وہ میں ہی جانتا ہوں

بات کا پانی پانی ہے۔ لیکن مجھے آج بھی یاد ہے۔

”تمہارا وہم تھا جانی۔“ سدھ نے رائے دی۔

”ہاں ہائی کے بیٹے کو کبھی جن بھوت ہی دکھائیں وہی کے

ورنہ سن کی تو خدا ہوں۔“

”اب میں کیا کہوں۔“ مجھے تو لگا ہے کہ وہاں

ضرور کوئی اثر ہے۔

”ارے یہ سب قاتلوں کا تم ہیں۔“ سدھ نے

ہاتھ ہلا کر جیسے اڑا لی تھی۔ ”میں نے تو اس دن خوب اچھا کئے کیا تھا۔۔۔ تم سے۔۔۔“

”میں وہاں نہیں جاؤں گا۔۔۔“ میں نے نفی میں

سر ہلایا۔

”چھا تو پھر۔۔۔“ سدھ کہتے کہتے سوچ میں

ڈوب گیا۔

میں اسے غور سے دیکھ رہا تھا، دفعتاً سدھ نے

زور سے نفی جہانی اور بولا۔

”دیکھو! کی طرف چلے جی، وہاں بھی ایک

چشمہ ہے۔ بہت ٹھنڈا پانی ہوتا ہے اس کا۔۔۔“ تم سے سزا

آ جانے کا۔۔۔“ بولو۔ وہاں چلیں؟“

”چلو پھر۔۔۔“ میں پھر مان کر بولا۔ ”جیسی

تو تمہانے کے علاوہ اور کچھ سوچتا نہیں ہے۔“

☆ ☆ ☆

اس چشمے کا نظارہ واقعی بہت دلکش تھا، میں اس

طرف کسی نہیں آ چکا تھا، درختوں کے درمیان پہنچنے والا ہے

چشمہ کا پانی چھڑا تھا، سدھ نے مجھے بتایا کہ اس کا پانی کافی

دور تک نکلے کے بعد جمیل میں ہی جا کر ٹپکتا ہے۔

”اوہ۔۔۔“ میں نے کہا۔ ”جب یہ جمیل کا پانی

بیش ٹھنڈا اور صاف ستر ہوتا ہے۔“

”ہاں۔۔۔“ سدھ نے سر ہلایا۔ ”تم نے ٹھیک

کہا۔“

وہاں اس چشمے کے قریب ہی کھڑے ہوئے

ہاتھ کر رہے تھے۔ دوپہر کے اس وقت میں دور

دور تک دیرانی اور سناٹے کا راج تھا۔

سدھ نے کہا۔

”چلو۔ اب اتار دو پڑے۔۔۔ چشمے میں

اترتے ہیں۔“

”جی۔۔۔“ میں نے نفی میں سر ہلایا۔ ”اب

ہم بڑے ہو گئے ہیں۔ پڑوں سمیت ہی نہاتے

ہیں۔“

”پاگل ہو گئے ہو کیا۔“ سدھ بھنا کر بولا۔

”تم کوئی لڑکی ہو جو جڑا ہے۔ چلو اتار دو۔ میں بھی

اتار اٹا ہوں۔“

یہ کہہ کر سدھ نے پھرتی سے اپنا لباس

اتار پھینکا، اب وہ مسکرا کر میری طرف دیکھ رہا تھا۔

مجھ کو اچھے جی میں مچل کر رہا تھا۔

پھر دونوں نے چشمے میں قدم رکھ دیے، یہ چشمہ

واقعی کافی گہرا اور چڑا تھا۔

”دیکھو ایک بات ہے۔۔۔“ سدھ شہزاد

میرے اعجاز میں اس کی بولا۔

”کیا؟۔۔۔“ میں نے پوچھا۔

”جوان ہو کر تم لوہیوں کے لئے قیامت بن

جاؤ گے۔ بہت ششش ہے تمہارے جسم میں۔“

”کیوں کہ اس کر رہے ہو۔۔۔؟“ میں نے

اسے آگے نہیں لکھا تھا۔

وہ پھر اس پر، ہم کافی دور تک اس ٹھنڈے پانی

آہستہ میں سٹائی دی۔

شاید سدھ نے وہ آواز نہیں سنی تھی، میں نے بے

ساختہ گردن گھما کر دیکھا اور مجھے یوں لگا جیسے سانس ہی

میرے سینے میں اکٹھا ہو گیا۔

دہی کالا بڑا وہ ایک باہر میرے سامنے تھا۔

دہی کالا لہارہ۔۔۔ جو کافی عرصے پہلے پھیلے والی جمیل

پر دکھائی دیا تھا۔

☆ ☆ ☆

میرے چہرے پر خوف کے آثار دیکھ کر

سدھ چونک اٹھا، اس نے فوراً ہی پوچھا تھا۔

”کیا ہوا کھیل؟ کیا بات ہے؟“

”وہ۔۔۔ وہ۔۔۔“

”ارے وہ کیا؟۔۔۔“

”وہی! وہی!۔۔۔“

”وہی! وہی!۔۔۔“

”وہی! وہی!۔۔۔“

”وہی! وہی!۔۔۔“

”وہی! وہی!۔۔۔“

”وہی! وہی!۔۔۔“

ہے۔
 ”کیا غارتی ہے یا۔۔۔“ سدا نے منہ بنایا۔
 ایسا کیسے ہو سکتا ہے اچھی پرانی بات جی کدو۔ ایسا کیسے ہو سکتا ہے۔
 ”میں نہیں جانتا۔ لیکن وہ مجھے صاف دکھائی دے رہا ہے چاند۔۔۔ کپڑے پہنہو یہاں سے نکلو۔“
 میں کالے چوہے سے نظر کھینچا چڑاے ہوئے خوشے سے باہر نکل آیا۔ سدا نے میرا ساتھ دیا تھا پھر جلدی جلدی کپڑے پہنے تھے اور تیز قدموں سے وہاں سے چل چڑھے۔
 میں نے پھر دوبارہ اس چوہے کی طرف نہیں دیکھا تھا، البتہ دھک دھک کرتے ہوئے دل کے ساتھ میں تیز قدم اٹھانے کی بھرپور کوشش کر رہا تھا۔
 سب چارہ سدا میرا ان پریشان ساہوگر میرے پیچھے آ رہا تھا۔ میں نے سدا کی بڑبڑاہٹ بھی سنی تھی۔
 ”میں اب تمہارے ساتھ نہیں آؤں گا۔۔۔“ جب بھی نہیں کہیں گے کڑا جاہوں۔ کوئی دن کوئی ڈرامے بازی ہو جاتی ہے۔۔۔ چاہے مجھے اکیلے ہی آن پڑے لیکن میں نہیں ساتھ نہیں لاؤں گا۔“
 میں خاموش رہتا تھا۔ جواب دیتا بھی تو کیا۔۔۔ یہ پکڑ خود میری اپنی تھی۔۔۔ ہاں لاتھا۔۔۔ اس بے چارے کا اس میں کیا سہرا تھا۔؟
 دیکھیں یہ فیصلہ کر چکا تھا کہ اس بات کا ذکر اب ابائی سے ضرور کروں گا۔
 ☆ ☆ ☆
 معمول کے مطابق ابائی نے رات کا کھانا ہمارے ساتھ ہی کھا لیا تھا، وہاں ہی کے کدو پیلے ہی لے آئے تھے، چنانچہ انہوں نے گاس بھر کر دودھ ان کے سامنے رکھ دیا۔
 ماں جی نے پیلے دودھ کا گلاس دیکھا اور پھر ابائی کی طرف دیکھ کر بوئیں۔
 ”میں دودھ نہیں پیوں گی۔“
 ”کیوں؟“ ابائی چمک اٹھے تھے۔

میں بھی ان دونوں کی طرف متوجہ ہو چکا تھا۔
 ”اس کے پیٹے سے مجھے خینڈا چاہی ہے۔“ وہ بولیں۔
 ابائی فوراً اس پر بڑے اور پیارے بولے۔
 ”اگرے تو خینڈا کون سی برکی چیز ہے۔ مجھے دیکھو۔۔۔ یہ ظالم خینڈہ ہے کسوں دور رہتی ہے۔ نہ رات کو آتی ہے اور نہ دن کو۔“
 ”جب تمہارے باپ دادا ہی نہ سو سکے تو تم کیا سو گے۔“ وہ بولیں۔ ”دیشوں سے فرصت ملے گی تو خینڈا آئے گی نا۔“
 ”تم ٹھیک کہتی ہو۔۔۔“ ابائی نے طویل سانس لی۔ ”کیا کروں۔۔۔ جبوری ہے۔ جو کام وہ لوگ میرے دوسے لگا گئے ہیں وہ مجھے کرنا ہی ہے۔“
 ”خوش سے کرو۔۔۔“ ماں جی نے تڑپے بولیں۔ ”لیکن میرے اس بچے کو دوری رکھنا۔ اپنے کاموں میں اسے نہ جاملے گا۔“
 ابائی نے کوئی جواب نہیں دیا۔ پھر انہوں نے دودھ کا گلاس اٹھا لیا اور ماں جی کی طرف بڑھا کر بولے۔
 ”کو۔۔۔ تم دودھ پیو۔۔۔“
 ☆ ☆ ☆
 ماں جی کے خزانے کمرے میں گونجنے شروع ہوئے تو میں اب بھی کدو پیلے سے باہر نکل آیا۔
 خوشے والا دھک بار بار میرے ذہن میں کی فلم کے سین کی طرح چل رہا تھا اور اس وقت ڈرامے یاد کر کے میرے جسم کے درمیان بھی تڑپ رہے تھے۔
 میرا رخ ابائی کی طرف تھا۔ تیز تیز قدموں سے چلا ہوا میں بال بال نگرے میں داخل ہو گیا۔
 میں ابائی کی اکیلے پیٹے ہوئے جسم کی تنوع بھرے تھے پورے بدن میں ناگہان کی کم ہلکی ہلکی۔
 انہوں نے چمک کر میری طرف دیکھا اور بولے۔
 ”کیا ہوا پٹا۔۔۔؟“
 ”جی۔۔۔ کچھ نہیں۔!“ میں بھی چمکا تھا۔

”کچھ تو ہے۔۔۔ تم جھاگ کر کیوں آئے ہو؟“
 ”نہیں جی۔۔۔! ڈراما سا کر رہا تھا۔“
 ”کیوں؟“ انہوں نے غور سے میری طرف دیکھا۔
 ”دن کے وقت کچھ ادا ہوا تھا کہ اس کا اثر ابھی تک ہو رہا ہے۔“ میں نے جواب دیا۔
 یہ سن کر ابائی نے فلم اور کادھنک ایک طرف رکھ دیے اور پوری طرح میری طرف متوجہ ہو کر بولے۔
 ”کیا ہوا۔۔۔ مجھے بتاؤ۔“
 ”مگر وہ بتاؤں گا۔۔۔ میں نے کہا۔“ لیکن پہلے آپ مجھے کچھ بتائیں۔۔۔ مجھے آپ سے بہت سی باتیں معلوم کرنی ہیں۔“
 ”گوں گی باتیں میرے پیٹے۔“ انہوں نے مجھے غور سے دیکھا تھا۔
 ”ماں جی اکثر کہتی ہیں کہ ہمارے خاندان کے کسی لوگ ہمیں چڑھ گئے ہیں۔۔۔ ان میں خاص طور پر میرے دادا، پردادا اور میری دونوں بہنیں شامل ہیں۔ کیا یہ بات درست ہے۔۔۔؟“
 ”ہاں جی کرنا ہی نے مجھے غور کر دیکھا تھی وہ ہوا کرکھن! باتیں ضرور آ گیا ہوا۔۔۔ چہرے پر ناٹھرتی چکھائیے ابھر آتے تھے۔“
 ”تو تو کچھ بھی ہوئی ہے۔۔۔ اپنی دونوں بہنیں کا مدد مجھے بھی ہے۔ لیکن کیا کوئی نصیب سے یا مقدر سے لٹسکا ہے۔“
 ”تو کیا ماں جی نے لکھا ہے۔۔۔؟“
 ”ہو سکتا ہے کہ یہ بات ٹھیک ہو۔۔۔؟“ ابائی نے کہا۔ ”لیکن کیا اس دنیا میں کوئی انسان ایسا بھی ہو سکتا ہے جو اپنی زندگی سے زیادہ پی نہ سکے۔؟“
 ”نہیں ابائی۔“ میں نے فوراً کہا۔
 ”مگر تو پھر۔۔۔ جس کی زندگی جب تک کی ہے اسے وہی گزار دی ہے۔ نہ وہ اس عمر دور سے زیادہ زندہ رہ سکتا ہے اور نہ ہی اسے پہلے اسے موت آ سکتی ہے۔ یہ بات میں ضرور بتا ہوں کہ موت ہمیشہ

بہاؤں کا روپ بدل کر آتی ہے۔۔۔ کوئی ایک ہی نہت مر رہا ہے، کوئی بھاری ہے، کوئی گولی سے اور کوئی خود کشی سے، موت کی نہ جانے کتنی شکلیں ہیں اور وہ مقدر کے حساب سے انسانوں کے سامنے کسی نہ کسی روپ میں آ کر اسے دو بھج گئی ہے۔“
 ”اس کا مطلب یہ ہے کہ ماں جی کو لکھا ہی ہو گئی ہے۔“ میں نے سر ہلایا۔ ”ہمارے خاندان کے لوگ کسی کی سمیٹ نہیں چڑھے۔“
 ”ہمارے خاندان کا ایک دشمن ہے تو کسی۔۔۔“ ابائی نے کچھ سوچ کر کہا۔ ”لیکن یہ یقین نہیں ہے کہ وہ بھی میں اس حد تک چلا جائے گا کہ کسی کی جان ہی لے ڈالے۔“
 ”دشمن ہے۔۔۔؟“ میں چمکا۔ ”وہ کون ہے ابائی۔۔۔؟“
 ”اسے میں بھی نہیں جانتا۔۔۔“ وہ بولے۔
 ”لیکن میں نے اس کے بارے میں اپنے بڑوں سے بہت کچھ سنا ہے۔“
 ”کیا سنا ہے ابائی۔۔۔؟“ میں نے اشتیاق سے پوچھا۔
 ”وہ بہت طاقتور ہے۔۔۔“ ابائی کے لیے میں جڑیں خود کوڑا کرنا۔ اگر وہ کدو میں آ جائے تو اس کے ذریعے بڑے بڑے سر کے سرکے پاسکتے ہیں۔ تمہارے دادا جی نے اس کے کپڑے حاصل کرنے کی کوشش کی لیکن وہ ناکام رہے۔ ان سے بھی پہلے ان کے باپ نے بھی اس کا کپڑا کرنے کے لئے بڑے جتن کئے تھے۔ مگر وہ بھی ناکام ہی رہے تھے۔“
 ”او۔۔۔“ میرے منہ سے نکلا۔ ”لیکن یہ تو تائیں کر دو کہ کیا کچھ۔۔۔؟“
 ”رہے دو۔۔۔ تم کسی قسم ڈرنہ جاؤ۔۔۔ انہوں نے کہا۔
 ”میں تو پہلے ہی ڈرا ہوا ہوں ابائی۔۔۔ میرے منہ سے نکلا۔ ”اب مزید کیا کروں گا۔“
 ”کیا مطلب۔۔۔؟“

”اب میں آپ کو بتاؤں اہامی“ میرے لہجے میں بے چارگی کی۔ ”میری کونجھ میں نہیں آ رہا۔۔۔۔۔ آپ کو کیسے بتاؤں۔۔۔۔۔؟“

”تم تاربان ہو۔۔۔۔۔ جہیں کھینے کی ضرورت بھی نہیں ہے۔۔۔۔۔“ وہ بولے۔ ”جو بتا ہے وہ مکمل کرتا رہا۔“

”میں ضرور بتاؤں گا۔۔۔۔۔ پہلے آپ مجھے اس دشمن کے بارے میں بتائیں۔۔۔۔۔ میں نے اسرار کیا۔۔۔۔۔“ اچھا تسو۔“ اکی تک اس کے بارے میں کسی کو بھی معلوم نہیں ہو سکا کہ وہ کیا ہے۔ باتوہ جن سے یا پھر کوئی کھینکتی ہوئی روح۔۔۔۔۔ میرے والد نے بھی حسب روایت مجھے اس پر پتا چاہنے اور اس سے محفوظ رہنے کے لئے عملیات بتائے تھے۔ میں نے کسی سربراہ کو بلائے اور اس کے گرد اپنا حصار کھینچنے کی کوشش کی لیکن اس پر پتا پانا واقعی بہت مشکل ہے۔ میرے والد نے مجھے پرکشی پتا دیکھ کر کہا کہ میں اس کو اپنے دام میں پھانسنے کی کوشش اس وقت کروں۔۔۔۔۔ جب میں عملیات کرنے میں بہت مہارت حاصل کروں۔۔۔۔۔ اور نہ ضرورت دیکھ نقصان کا بھی غدشہ ہے۔۔۔۔۔ وہ کہتے چلے گئے۔

”اس کا مطلب یہ ہوا کہ امی جی نے ٹھیک کہا تھا۔“ میں بولا۔ ”آپ نے اس پر پتا چاہنے کی کوشش کی اور اس نے آپ کا دلادیا تو مجھ میں۔۔۔۔۔“

”تم تو اب تک بات نہ کرو میرے بیٹے۔۔۔۔۔ اہامی نے فوراً کہا۔ ”تم کافی عقل مند اور ذہین ہو۔۔۔۔۔ تمہاری ماں کا ذہن تو صدمات سے متاثر ہو چکا ہے۔“

”تو قہر یہ سب کیا ہے۔۔۔۔۔ میں نے پوچھا۔ ”اس کہ میں دہرائی کیوں آئی؟“

”اسحاق میرے بیٹے۔۔۔۔۔ یہ صرف اور صرف اسحاق ہے۔۔۔۔۔ انہوں نے غصہ کی سانس پھری۔ ”بیدار ستہ ایسا ہی ہے۔۔۔۔۔ اس میں قدم قدم پر فھکوں اور صوبوں کا سامنا کرنا ہے۔“

میں نے فورے انہیں دیکھا۔

”یہ نامکون سے میرے بیٹے۔۔۔۔۔ ان کا لمبہ مضبوط تھا۔۔۔۔۔ ہمارا تعلق آقا قلی سے ہے۔ ہمارے باپ دادا اسی روش پر چلتے تھے اور اب میں بھی اسی راستے پر اپنی جاں نثار کروں گا۔۔۔۔۔ میں اسی لئے جہیں تربیت دینا چاہتا ہوں کہ میرے بعد تم نے آقا قلی کی اس سرداری کو سنبھالنا ہے۔ اس جگہ پر تم ہی بچو گے اور پھر میں جہیں بھی اس دشمن کو گزر کرنے کے لئے بتاؤں گا اگر میں بھی اس پر پتا چاہنے میں ناکام رہا تو میرے بعد تم اپنی مسائیش آ زمانا۔۔۔۔۔ یقین کر کو کہ اگر تم نے اسے حاصل کر لیا تو ہماری رو میں جہیں سلام کیا کر سکی گی اور ہر تم کے درپے جو چاہو حاصل کر سکتے ہو۔۔۔۔۔ دنیا کے خزانے تمہارے قدموں میں ڈھیر ہو جائیں گے۔“

”کیا آپ نے بھی اسے دیکھا ہے؟“ میں نے پوچھا۔ ”وہ کیا چیز ہے اس کی شکل کیسی ہے؟ کیا بھی آپ کا اس سے سامنا ہوا ہے؟“

”ہاں۔۔۔۔۔ اہامی نے سر ہلایا۔ ”میں نے والد صاحب کا دیا ہوا انحصار مل اب تک جاری رکھا ہے وہ مکمل خاص طور پر اسی کے لئے تھا۔ اور مکمل کے دوران وہ میرے سامنے آ کر اٹھا ہوا۔“

”اوس۔۔۔۔۔ میں چونکا۔ ”تو آپ نے اسے قریب سے دیکھا ہے۔“

”ہاں۔۔۔۔۔ لیکن وہ مجھے چکر دے کر کل گیا۔۔۔۔۔ میں یہ بتاؤں کہ ہمارے پاس موگن ہوتے ہیں جو ہر وقت حاضر ہر گز ہمارے حکم سے ہلاتے ہیں لیکن وہ اسے ان موگات سے بھی اوپر ہے۔ سبنا جب کہ اس پر پتا چاہنے کی جستجو رفتی ہے کیونکہ جو کام وہ ہے کر سکتی ہے وہ موگات کے جس میں بھی نہیں ہوتا۔“

”یہ تو بتائیں کہ اس کی شکل کیسی ہے؟“ میں نے پوچھا۔

”یہ سن کر اہامی دھڑے سے مسکرائے اور بولے۔

”یہ تو نہیں معلوم۔۔۔۔۔“

”کی۔۔۔۔۔؟ لیکن آپ تو کہہ رہے تھے کہ آپ نے اسے دیکھا ہے۔۔۔۔۔ میں نے حیرت سے پوچھا۔

”ہاں۔۔۔۔۔ لیکن میں صرف اس کا پیرولر ہی دیکھ سکا ہوں۔۔۔۔۔ کیونکہ جب بھی اس کا اور پیرا سامنا ہوا تو اس کے گرد کالے رنگ کی چادر پھیل ہوئی تھی۔ جس میں اس کا چہرہ بھی چھپا ہوا دکھایا دیا۔ سبنا جب کہ میں نہیں جان کا کہ وہ مرد ہے یا عورت۔ کوئی روح ہے یا پھر کوئی آسمانی مخلوق۔“

اہامی کی بات سن کر میں حیرت کے سمندر میں غوطہ مارنے لگا۔ کیونکہ جملہ انہوں نے بتایا تھا، مرن ورن اسی ملے میں سوچو گی پر اسرار مخلوق سے میرا دور جبر سامنا ہو چکا تھا۔

ایک بار وہ پر اسرار پیرولر مجھے رانی جھیل میں ہاتے ہوئے دکھائی دیا تھا، اور درمیان پرانے والے حصے میں اس سے سامنا ہوا تھا۔

”خبر سے کیا بات یہ تھی کہ وہ دونوں سر جسد کی آنکھوں سے اوپر اٹھا جبکہ میں اسے صاف طور پر دیکھ رہا تھا۔“

”کیا ہوا کھیل۔۔۔۔۔؟“ اہامی نے مجھے ٹوکا۔

”تمہارا چہرہ کیوں اتر گیا۔۔۔۔۔ کیا تم ڈر گئے ہو میرے بیٹے۔۔۔۔۔“

”نہیں اہامی۔۔۔۔۔ میں نے کہا۔ ”دراصل میں آپ کو جو کچھ بتانے والا تھا اس میں کسی حد تک اسی چلنے کا ذکر ہے۔“

”کیا مطلب۔۔۔۔۔؟“ وہ یہی طرح چرکے۔

”اب میں نے انہیں رانی جھیل کے ساتھ ساتھ پیشہ دانی روادری سنائی، ان کے اچھے سے ہجرت کے ساتھ ساتھ خوشی کے آواز بایں ہو گئے۔

میرے خاموش ہونے پر انہوں نے کہا۔

”لیکن یہ کس طرح ممکن ہے۔۔۔۔۔؟ میں تو کئی عملیات کرنے کے بعد اسے دیکھ چکا ہوں۔“

”اب میں کیا بتاؤں اہامی۔۔۔۔۔ میں نے

کندے سے اچکا نے۔ ”جو کچھ میرے ساتھ ہوا وہ میں نے بتا دیا۔“

”ٹھیک ہے۔۔۔۔۔ ٹھیک ہے۔۔۔۔۔ انہوں نے جلدی سے سر ہلایا۔

وہ اب منتظر بازار انداز میں اپنے ہاتھوں کو انہیں میں گزر رہے تھے، ساتھ ساتھ وہ کئی سوچ میں کمی ہو گئے تھے۔

پھر انہوں نے جو کچھ کے سے انداز میں میری طرف دیکھا اور بولے۔

”کیا تم اسے کچھ یاد رکھتے تھے۔۔۔۔۔؟“

”جی ہاں۔۔۔۔۔ تو ڈونگا تھا مجھے۔۔۔۔۔ میں نے اقرار کیا۔

”اچھا۔۔۔۔۔ لیکن اب جہیں ڈرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ وہ بولے۔ ”میں ابھی تمہارے گرد حفاظت کا حصار کھینچتا ہوں۔۔۔۔۔ وہیں کوئی نقصان نہیں پہنچا سکے گا۔ اور اب اسے ایسا لگے ہے کہ وہ تمہارے ہی ہاتھوں اپنے انجام کو پہنچے گا۔ اور تم ہی آقا قلی کیلئے کے اس دشمن کو گزر کر دو گے۔“

اہامی کی آواز میں جوش تھا، میں خاموشی سے ان کی طرف دیکھ رہا تھا۔۔۔۔۔ رات کافی گزر چکی تھی اور اب میری آنکھیں بند سے بوجھل ہونے لگی تھیں۔

”میں کیا ہوں؟“ میں نے پوچھا۔ ”لیکن اب کہا۔“ میں جانتا ہوں کہ جہیں نیند آ رہی ہے، لیکن اب مجھے تمہاری فکر لاحق ہو گئی ہے۔۔۔۔۔ میں تمہارے گرد حصار کھینچ دوں پھر تم چلے جانا، اس کے بعد میں اب اس غیبت سے بھی دور ہوا تھا کہ کتابوں۔۔۔۔۔ اس کے اس نے تم پر میلی آنکھ میں اٹھائی تو میں اسے چلا کر خاک کر دوں گا۔“

میں نے نیند بھگانے کے لئے اپنے سر کو زور سے جھکا اور بھرمان کی ہدایت پر مل کر تے ہوئے دوزانو ہو کر بیٹھا۔

اہامی اٹھ کر میرے قریب آ گئے، لیکن میں اسی وقت قدموں کی آہٹ ہوئی میرے ساتھ ساتھ اہامی

بھی چمک کر ردائے کی توجہ ہو گئے۔
 نہیں جانتا کہ اس وقت ان کا کیا حال ہوا
 ہوا، لیکن خود نہیں لگا جیسے چوری کرتے ہوئے
 رکتے انھوں پہلایا گیا ہوں۔
 سامنے ماں جی کھڑی تھیں اور مجھے نظر انداز
 کرتے ہوئے براہ راست بائیں کوئی خوار نظر سے
 گھور رہی تھیں۔

☆☆☆☆

دو مہری زندگی کی یادگار گریں نظر آ رہی تھیں
 میں اسے یاد کرتا ہوں تو سالانہ بیت جانے کے بعد بھی
 مجھے وہ گل مٹھی بات لگتی ہے۔
 اب میں نے سب پکارت پھینکی تھی کہ انھوں سے
 لپاتی کی طرف دیکھا۔ ان کا چہرہ بھی صاف صاف
 ہو رہا تھا۔ ماں جی کی اچانک آمد سے انھیں بھی ہلکا
 لگا تھا۔

دھنسا دہی لہر لیے سانپ کی طرح بھٹکا رہا۔
 ”میں نے تم سے کہا تھا کہ میرے بچے کو اپنے
 غریبی کیلئے دور رکھنا؟ مگر..... تم باز نہیں
 آئے۔“
 ”سچو..... سچو.....“ وہ ہلکا سے گلے۔ ”تم.....
 اس وقت.....؟“

”ہاں..... اس وقت.....“ ماں جی کے لیے
 میں مڑھ تھا۔ ”کیونکہ آج میں نے دو دودھ کا گلاس نہیں
 پیا۔ جس میں تم ننھی کی دوا کا سونف گھولے ہو۔“
 ”نہیں کر میں سامنے میں آ گیا، اب ماں جی نے
 تو مجھ سے کہا تھا کہ دودھ میں طاقت کی دوائے ہیں
 لیکن ماں جی تو بچہ کو ہی لپاتی بنا رہی تھیں۔
 ”مجھے پہلے خشک تھا کہ تمہاری اس محبت
 اور محبت میں ضرور کوئی چال ہوگی۔“ ماں جی کا لہجہ ہر
 خند تھا۔ ”لیکن آج وہ خشک یقین میں بدل چکا
 ہے۔ تمہیں کسی سے بھی کوئی بات نہیں ہے، تم کوئی
 اپنے بچے کے بچاری ہو۔“ مجھیں صرف اپنے تعلیمات
 سے محبت ہے۔ تم اپنی بیٹیوں کو تو ڈاؤر لگایا ہے ہو

اور اب اپنے اکلوتے بچے کو بھی قربان کرنا چاہتے ہو۔“
 ”میری بات سنو۔“ میں..... ”ابا جی نے
 بولنا چاہا۔

لیکن ماں جی نے تو فرمایا ان کی بات کا شہ۔
 یہ کہتے ہوئے ماں جی کا چہرہ خوش ہوا گیا۔
 میں تو ذرا ہی لپکا تھا۔ دل دھک دھک کرنے لگا تھا۔
 ”تم..... تم.....“ کہہ کر وہ..... ”ابا جی نے خود
 پر کا پونے کی کٹکڑی کرتے ہوئے انھیں گھور کر پکڑا۔
 ”میں.....“ ماں جی نے یہ کہتے ہوئے اپنا دایا
 ہاتھ سیدھا کیا تو اس میں تیز دھار تبر لہرا رہا ہوا دکھائی
 دیا۔ ”میں تمہیں جان سے ہی مار دوں گی سنکر
 آ کاں۔“ دم ہو گئے اور نہ میرا کچھ مجھ سے
 سکوت۔
 ”میں پاگل ہو چکی ہوں..... لیکن مجھے اتنا
 ہوش ہے کہ میں اپنے بچے کو تم سے چھٹکارا دوں.....
 جاؤ۔“ خدا حافظ۔

یہ سب کچھ اتنی تیزی سے ہوا کہ لپاتی کو سونپے
 اور بچنے کا سونف نہ لگا سکا۔ خبر ہوا میں لہرایا اور تیر کی طرح
 ان کے سینے میں بیس تھوٹ گیا۔

اسی وقت خون کا فوارہ بلند ہوا، ابا جی ایک
 زرد راد بھٹکا کھا کر دی پر گریے اور بھران کا قسم
 ساکت ہوا۔

خون تیزی سے ان کے چادر کی طرف پھیل
 پکڑا تھا۔ دھشت کے مارے میرا ہوا جو در زہر ہا تھا۔
 میں کی قدم پیچھے ہٹ گیا۔
 میں نے ایک نظر ابا جی کے لپٹا ہوا جسم پر ڈالی
 اور بھڑکائی پھلی آنکھوں سے ابی ماں کی طرف دیکھا۔
 وہ کسی بے جان چمڑی طرح روتا رہے میں
 کھڑی تھیں، اچانک ہی انھوں نے جھگڑے کھائے
 اور بھر دھوئی فرش پر رہیں۔
 میں ہی طرح بھٹکا اٹھا تھا۔ کسی طرح کی عجیب
 ذریعہ آواز میرے من سے برآمد ہو رہی تھی۔
 ☆☆☆☆

کتنا بیجا تک مٹھ تھا..... ایک طرف میرے
 باپ کی خون میں نہائی ہوئی لاش پڑی تھی اور دوسری
 طرف میری ماں کا جسم سے حس حرکت ہو چکا تھا۔
 میری آنکھوں میں کیا جان بانی زندگی کی مش خوش
 لگائوں سے کہ باپ کی لاش کو بچھڑھیں میں جی۔
 اس ہولناک منظر نے گویا میرے ہوش دھاس
 جھین لے گئے۔ مجھے کافی پروردہ یہ احساس ہوا کہ
 مجیب طرح کی آواز میرے من سے برآمد ہو رہی
 تھیں اور جسم کے مساموں سے پسینہ اس طرح پھوٹ
 پڑا تھا کہ مجھے اپنا لباس تترسوس ہونے لگا تھا۔

جواس زرد سے اشکال پر آئے تو میں نے خالی
 خالی ہی آنکھوں سے لپاتی کی لاش بڑھائی، اس وقت
 اور تو کچھ نہ سمجھا۔ میں ماں جی کے اوپر جا کر
 ڈھیر ہوا گیا۔

”ماں جی..... ماں جی.....“ اٹھو ماں جی.....
 ”میں بلند آواز میں کھار انھیں پکارتا رہا، لیکن وہ جس
 سے کس نہ ہو گئیں۔

اب میں نے جلدی سے ادھر ادھر
 نظر کی دھڑا دھڑا کر تیر ہی پانی کی بھول سمجھ رہی تھی
 اس کی طرف لپکا۔
 میں اٹھاؤں گا کچھ کھا کر ماں جی صرف بے ہوش
 ہوئی ہیں اور ان میں زندگی کی رت پوری طرح بیدار
 ہے۔

اور بھر ہوا بھی سہی..... میں نے ان کے چہرے
 پر پانی کے چھینٹے مارے تو وہ فریاد ہوش میں آ گئیں۔
 انھوں نے آنکھیں میاڑ چاڑھ کر مجھے دیکھا
 اور حیرت سے بولی۔
 ”کیا ہوا.....؟“

میں شش در شش گیا، اتنا بڑا قدم اٹھانے کے
 بعد وہ مجھ سے یہ بات پہ چوری تھیں..... میں ان سے
 لپٹ کر بے اختیار بلک بلک کر رونے لگا۔
 ”ارے کیا ہوا میرے بچے..... اتنا ڈوکی۔“
 ”ماں جی..... آپ نے ابا جی کو مار ڈالا.....

اب مجھ سے کیا ہو چوری ہیں.....“
 ”ابا جی کو مار ڈالا.....؟“ وہ اندھ کر مجھے گھس.....
 ”یہ تم کی کیا کہہ رہے ہو..... اور تم دونوں یہاں کیسے
 آئے.....؟ تو تمہارے باپ کا آستانہ ہے۔“
 انھوں نے چادر کی طرف دیکھا اور بھراہی
 وقت ان کی نگاہ ابابا جی کی لاش پر پڑی اور انھوں نے
 ایک دلدرد بھجی رہی۔

”وہ.....؟“ وہ اندھ کر لاش کے قریب جانے لگیں تو
 میں نے انھیں ایک جھٹکے سے روکا۔
 ”کیا کر رہی ہو ماں جی..... اب وہاں کیوں
 جا رہی ہو.....؟“ پھر ابی جی نے ہی جھٹک کر مارا ہے
 اور اسی وقت ابابا جی مر گئے۔

”میں نے خبر مارا ہے.....؟“ ان کے دھشت
 زدہ چہرے پر جھرا جی ابی جی..... ”یہ تو کیا یک رہا ہے
 لڑکے.....؟ تمہارا باپ جیسا بھی ہے لیکن میرا شوہر
 ہے..... میں اس کی عزت کرتی ہوں اور ابی جی میری
 زندگی کا سربا ہے..... میں تو اس پر ہاتھ بھی نہیں
 اٹھا سکتی..... جان سے مارنا تو بہت دور کی بات ہے۔“
 ”یہ میرا باپ اور میرا شوہر مر رہا تھا، لیکن اب
 کچھ بھی نہیں رہا..... تمہارے ہاتھ سے پھلے والے خبر
 نے اس کی جان لی۔“

”کیوں..... کیوں کر رہا ہے.....؟“ ماں جی
 آہے سے باہر ہو گئیں..... ”ابا جی..... میری تو دعا ہی
 اچھی..... کوئی کم ذات اسے مار چلا گیا..... ہائے۔“
 ماں جی نے اپنے سینے پر دو ہاتھ مارے
 اور بلند آواز میں جین کر گئیں، میں تو پہلے ہی دھشت
 زدہ ہو رہا تھا، ان کی اس حرکت سے مزید ہلکا گیا۔
 میری کچھ میں نہیں آ کر لپٹی کہ میں کیا کروں.....؟
 میں نے کوئی خواب دیکھا ہوا، اتنا برداشت تھی،
 لیکن جانتی آںکھوں سے میں ابابا جی کے لپٹ کر منظر دیکھ
 چکا تھا۔
 لیکن مجھ پر ترین بات یہ تھی کہ لپاتی کی لاش کے



جناتی آتما

رضوان قیوم - راولپنڈی

جب گھاٹوں کے لوگ میدان میں گلے تو وہ جیسے سکتے ہیں آگستہ کیونکہ سامنے ایک گردن کٹا ہوا اکالا بکرا خون میں تر تڑپ رہا تھا اور اس کے وجود سے خون ہانسی کی طرح بہہ رہا تھا۔

ڈر اور خوف کی وجہ سے رگوں میں خون کو چھڑک کر تھی..... وحشت ناک اور خوفناک کہانی

یہ عجیب و غریب واقعہ یقیناً واقعہ جمہلیک ریٹائرڈ کرنل صاحب نے سنا یا تھا۔ اس کہانی کے راوی مجھے راولپنڈی شہر کے ایک مشہور پارک میں ملے تھے۔ موصوف روزانہ شام کو یہاں جا گلیک کے لیے آتے تھے۔ میں ان دنوں اس پارک کی ترمیم تازہ و کھاس پر تھوڑا کیم اسے استھان کی تیار کیا کرتا تھا۔ کرنل صاحب چونکہ روزانہ شام کو وہاں آتے تھے اور اتفاق سے میں بھی وہاں ریگور اپنی عطاری کے لیے جاتا تھا۔ تو وہاں میری ان سے شناسائی اور ملکی سلک کافی حد تک بڑھ چکی تھی۔ وہ اکثر ہمارے پارک کا چکر لگا کر کچھ دیر میرے پاس آ کر بیٹھ جاتے تھے۔ انہیں علم تاریخ میں کافی عبور حاصل تھا۔ میں ان سے اسلامی ہنر کی کے بارے میں معلومات حاصل کیا کرتا تھا۔ کیونکہ میرا بچپن ہی سے بچی کہانیاں لگتا، پڑھنا شوق رہا ہے۔ ایک بار

قریب خود انہیں قتل کرنے والی ہستی پیچی ہوئی ڈرودھتار بین کر رہی تھیں۔

☆☆☆☆

ماں بچی کی آواز میں عربی کے درود واریک حمد و نہیں رہی تھیں چنانچہ ٹھوڑی ہی دیر میں آس پاس کے رہنے والوں کا تانتا بندھ گیا۔

ماں بچی کا درود کر برا حال تھا، اور میں کم مہم سی حالت میں کھڑا تھا۔ محلے والوں نے موعج کی نزاکت کو سمجھتے ہوئے پہلے اپنی ہی لاش پر چار ڈالوئی اس کے بعد کسی نے قاتلے میں اطلاع پہنچا دی۔

ٹھوڑی دیر بعد ہی پولیس والے آگئے اور لاش بٹھوادی گئی پولیس کے کچھ اہلکار اب بھی یہاں موجود تھے۔ انہوں نے محلے والوں کو پوچھا کہ قاتل اور اب وہ ہاں کا جائزہ لیتے پھر رہے تھے۔

ماں کی حال کو دیکھ کر ایک پولیس والے نے مجھے کڑک لہجے میں مخاطب کیا۔

”جیہ چھاری ماں ہے۔“

پوچھا۔

”کیا تم نے قاتل کو دیکھا تھا.....؟ وہ کون تھا.....؟ کیا تھا.....؟ بتاؤ.....؟“

”قاتل.....؟“ میرے منہ سے نکلا۔

”ہاں..... جی..... اس نے سر لایا۔“ میرا مطلب ہے کہ جس نے تمہارے باپ کو بھڑکا دیا وہ کون تھا؟

”ہاں..... میں جانتا ہوں کہ انہیں کسی نے مارا ہے۔“ میرا بھوکھا بھوکھا سا تھا۔

”پولیس والا چونکا اٹھا اور جلدی سے بولا۔

”یہ تو بڑی اچھی بات ہے، ہم قاتل کو کھڑا ہی حراست میں لے لیں گے۔ جلدی بتاؤ وہ کون ہے؟“

”میری ماں.....“ میرے منہ سے نکلا۔

”انہیں ماں نے مارا ہے۔“



”کیا ایک اور پولیس والے نے میری مدد کی اور کم دوں نے قتل کر ماں کی کوسہارا دیا تھا۔“

انہیں دوسرے والے مجھے میں لار ایک کرے میں موجود چنگ پر بٹھادیا گیا۔ پھر میں جلدی سے دروازے

انہوں نے میری کتاب کے درمیان پڑی ہوئی آپ جیوتیوں کا مجموعہ دیکھا تو انہوں نے مجھ سے کہا: ”یہاں میں ایک ایک ایسا پتہ پاتا ہوں۔“

خود شاپہ میں دہشتا ناہوں۔“

قادرین جی کہانی کی دلچسپی کے لیے کرل صاحب نے جیسا واقعہ سنا وہ میں ان کی زبانی لکھ رہا ہوں۔ یہ ان دنوں کی بات ہے جب میرا خاندان تقیم ہندو سے چلے دیا شہر کے ایک چھوٹے سے گاؤں اکلے (جوریاے جنا کے کنارے واقع تھا) میں رہا کرتا تھا۔ ان دنوں اس علاقہ میں دریا سے جہاز سے آئی ہوئی ریت بکھر چکی تھی۔ گوردن نے اسے ذریعہ آمدنی بنانے کے لیے اس ریت کے ٹھیکیدار بن کر شروع کر دیے۔ یہاں سے ریت ٹھیکیدار اپنے ٹرکوں پر ٹرائلر میں بھر کر دروازہ کے علاقوں میں بٹائی کیا کرتے تھے۔

ہماری پہلی سیل میں ہم در بٹائی اور درویش جیوں۔ میری عمر اس وقت 9 سال، میرا چھوٹا بھائی 7 سال، جس کا نام اکبر تھا۔ میری بہنوں کا نام نشیہ اور خدیجہ تھا۔ اپنے بہن، بھائیوں میں، میں سب سے بڑا تھا اس کے بعد اکبر پھر نشیہ اور خدیجہ تھیں۔ میرے والد محترم جن کا نام ہم تھا انہوں نے ایک ہندو جس کا نام نریش یا نیش تھا اس کے ساتھ باغیچہ کی بنیاد پر ایک لوڈنگ ٹرک خریدا اور تھا۔ یہ ٹرک میرے والد صاحب خود چلایا کرتے تھے۔ نریش اور خدیجہ تھے لیکن وہ بہت خستہ، خاص طور پر ہم بچوں سے بے حد مت کھا کرتے تھے۔ وہ جب بھی والد صاحب کے پاس کاروباری حساب کتاب کے لیے آتے تو ہم بچوں کے لیے شہر سے لازمی رہی، مٹائی، حملوں اور درگ برتنے خوار ضرور لاتے تھے۔ وہ موماں اتوار کے دن اپنی مڑ گاڑی میں آیا کرتے تھے۔ ہم سب بچے انہیں نریش چاچا کہا کرتے تھے۔ ان کے پاس پرانی لیکن معتبر واٹن والی کاروباری گاڑی تھی۔

والد صاحب اور نریش چاچا مومر گھر سے باہر لان میں بیٹھ کر اپنے معاملات سمجھاتے، مٹھکر کیا کرتے

تھے۔ ہمارے گھر کے سامنے دروازہ ایک ریت کی ریت نظر آتی تھی۔ جدو جہد تک کوئی آبادی نہ تھی۔ میں سیلان ہی تھا۔ جبکہ ہمارے گھر کے کچھ قائلے پر پتھر کی ڈاک خانہ اور ایک معمولی دو اینٹوں والی پتھر کی جس کو کھٹ ایک کیڑا چلایا کرتا تھا۔ میں، میری دو بہنیں اور اکبر، نریش چاچا کے اور گوردن کی سرشار میں کرتے ہوئے کھلیا کرتے تھے۔ یہی بھلا دروازہ ایک کمرہ میں سے کسی بچے کو پڑھنے اور مذاق میں کہتے: ”چلو پڑھ اور دلاؤ۔“ مجھ سے اپنے آپ کو چمڑانے میں۔“

وہ بعض دفعہ 5 سے 10 بچے کا سگڑا لپیٹ لیا کرتے۔ گوردن کے درمیان بھائیوں اور ہم سب بہن بھائیوں کو کہتے: ”جیسے کھانے لگا۔“

ہم لالچ میں آ کر دروازہ کے کسی کامیاب ہوتے کسی ناکام۔

ایک دن انہوں نے والد صاحب کو کہا کہ: ”گاڑی تو پانی ہے ہی نہیں اتوار کو اپنی پوری گلی کو میرے گھر (دلی شہر) لے آنا۔“

پہلے تو والد صاحب نے انکار کیا لیکن پھر ہم سب بچوں نے انہیں زور دے کر کہا کہ: ”ہم ضرور جائیں گے۔“

والد صاحب ان گئے۔ نریش چاچا نے کہا: ”اراسی ہندو ضرور ہوں لیکن کر نہیں۔“ اس کی بات سے کبھی بھلا ریش کا گوشت کھا لیتا ہوں وہ اگر نہیں سے ملے تو آٹا اور پاں میں جھجے کچھ حرام نہیں کھانا جو صوفی حلال کھانا کا۔“

”اچھا میں اتوار کی صبح گاڑی لے کر جاؤں گا۔“

”تم تم تیار رہنا۔“ وہ جاتے ہوئے تاکید کر گئے۔

میں نے بڑی سنجیدگی سے اتوار کے دن کا انتظار کیا۔ نشیہ اور اکبر صبح سویرے اٹھ کر لال کو کنگ کرنے لگے کہ میں بھلائی سے تیار کر دیں۔

ہم مذکورہ اتوار کو جب نریش چاچا کے گھر پہنچے۔

ان کی رہائش در حقیقت دلی کے بہت آبادی والے علاقے (فرائ خانہ) میں تھی۔ یہاں ہر طرف ہندوؤں سے متعلق متعدد رنگ پر مڑتا نظر آ رہی تھیں۔ نریش چاچا کی پوری گلی نے ہمارا استقبال کیا۔ ان کی بھلی کیتا آئی اور میں بچوں کو بٹوں لے کر آئے۔ جن کی عمریں با تقریباً گواں 14 سال، اشوک 10 سال اور چندر 8 سال کے لگ بھگ تھے۔ ان سے ہمیں ملایا۔

قمار کے بعد انہوں نے ہمیں ایک کمرے میں بٹھایا۔ میری اتنی کو گیتا آئی تھی نے اپنے پاس دوسرے کمرے میں بلا لیا جبکہ میں نے نریش چاچا کے بچوں کے ساتھ مل کر کھیلنے لگے۔ ان کا بڑا بیٹا جس کا نام گواں تھا وہ بہت کم گواہ میں کھیلنے لگے والا معلوم نہیں ہوتا تھا۔ وہ ہم سے خاموشی اختیار کیے ہوئے اور کچھ کچھ کچھ۔

جبکہ اشوک ہم سب بہن بھائیوں کے ساتھ مل کر کھیلنے لگا۔ میں نے چندر سے کہا: ”آؤ تم مجھے ہمارے ساتھ مل کر کھیلو۔“ بلکہ انے میری عمر کی تاثیر کرتے ہوئے کہا کہ: ”چلو، تم تو آپ دونوں کے لیے یہاں آئے ہیں اپنے دوستوں کے ساتھ مل کر کھیلو۔“

ہم سب نے چندر کی شخصیت میں بے بات خاص طور پر عرصے اس کی آنکھوں سے سمجھائے ہوئے بڑے بڑے دے، بے ڈنٹے بڑے بڑے کان، بے سب کچھ کا بہت خوشگوار جسمانی تقویم پیش کر رہے تھے۔ میں نے اسے ایک بار پھر اسے اپنے پاس بلا کر کہا: ”آؤ کھیلیں۔“

”بھئی عاید! کھیل کھیلنے سے سخت نفرت ہے لیکن مجھے اراکنگ بنانے کا بہت شوق ہے۔ کیا میں آپ کو کئی تصویر بنا کر دکھائوں؟“

چاچا نے اس کی خودی تحریف کرتے ہوئے کہا: ”یہاں عرصے بہت اچھا اراکنگ کرتا ہے۔“

”اچھا! کھیل کر اراکنگ بنا کر دکھاؤ۔“

”اچھا! میں اس کے سر پر مشق سے ہاتھ پھیرتے

دہی اتنی جگہ سے اٹھا اور چھوٹی بڑی، پتی پرانی رنگ برنگی، بیسٹوں کا بڑا ہٹا کر لے آیا۔ دیکھتے دیکھتے بڑے بڑے شرف میں اس نے ایک تصویر بنا کر پیلے پیری بھن نشیہ کو دکھائی۔ نشیہ نے گھر بھٹ کے عالم میں ہلکی سی چیخ ماری۔

”کیا ہوا بھئی؟“

”وہ۔۔۔ وہ اس نے بہت بھیاک غصے کی تصویر بنائی ہے۔“ اس نے ڈرتے ہوئے کہا۔

مجھے کھلاؤ۔ میں اور اکبر جب اس کے قریب گئے تو ہم پر دیکر حیران رہ گئے کہ اس نے بہت مٹائی اور خدیجہ کو اس کے ایک بھیاک آسپ کی بنائی ہوئی تھی۔ جس کی خون آلود سرخ زبان پر ہلکی ہوئی اور سر پر آگ کے شیشے لٹک رہے تھے۔ ہمارے اور اس کے بعد کے خاندان نے جب اس کی اس عجیب کاروں کو دیکھا تو فرط حیرت سے حیران رہ گئے۔ ہم کسی کو یقین نہیں آ رہا تھا کہ اس نے اتنی اچھی بھیاک تصویر بنائی ہے۔

”بیٹا! تمہارے ہاتھ میں جالا ہے۔ تم بہت اچھے مصور بن سکتے ہو لیکن بھوت اور آسپوں کی تصویر نہیں بنانا چاہیے۔“ اس نے اسے فصاحت کے انداز میں کہا۔ اس سے پہلے کہ وہ کچھ بولنا نریش چاچا نے بات کاٹنے ہوئے کہا: ”یہ کہتا ہے کہ یہ تصویریں میں نہیں بنانا یہ تصاویر کوئی شوقیہ صراحتاً کچھ کر بولتی ہے۔“

”اٹھ! اٹھ! مجھے جنوں، بھوتوں کی بو اور مشکلیں عام نظر آتی ہیں۔“

آئی کیتا بولیں ”یہ عام بچوں سے بہت خوف ہے۔ یہ زندگی کی طرح کھیلنا ہے، نہ بھوتوں کی ضد کرتا ہے اور نہ ہی اسے کچھ زیادہ اچھا پسینہ کا شوق ہے۔ دیکھتے ہی تمہیں میرے دونوں بچوں سے قدرے بہتر ہے۔“ انہوں نے سنا کر تے ہوئے کہا۔

”یوں نہیں کھیلے ہمارے گھر کا میں سامو ہے۔“ چاچا نے اس کے سر پر مشق سے ہاتھ پھیرتے

میں اس کی بے حد کھلی شکل کی تاب نہ لائی اور بے ہوش ہو گئی۔ اس کے بعد کیا ہوا مجھے نہیں پتہ۔۔۔؟“

نہ جانے کس نے اس واقعہ کی اطلاع قریبی کوڑا میں کرادی۔ ایک سونا کا لے رنگ کا لمبا چڑھا تھا نیپار جس کے ماتھے پر تلک کا نشان تھا۔ وہ اپنے دو سپاہیوں کے ساتھ ڈھنڑی آگیا۔

”ہاں بھی کدھر ہے مہمان پچ۔۔۔؟“ اس نے آتے ہی پاؤں پر چالی کر دی۔

”وہ جی۔۔۔ مجھے کیا معلوم میں تو اس قدر گھر میں نہیں جانتا کہ ساتھ جو رہتا۔ جبکہ جندار اکبر اور مذہب کے ساتھ ہر کیمل رہا تھا۔“

”بکواس مت کر۔۔۔ پھر نہیں کی جلی تیرے گھر مہمان بن کر دہلی شہر سے آئی تھی۔ اس لحاظ سے اس واقعہ کی ساری ذمہ داری تھہ پڑا ہے۔“

قائد ارکیندہ بیکہ دھڑکا۔ اس کے روپنے کے اندر تعصب کی بے صاف محسوس کی جا سکتی تھی۔ اس لیے وہ ابا کو بحیثیت مسلمان ہونے کے بدلہ مارا تھا۔

”اچھا اب تک کی کیا پیش رفت ہے۔۔۔؟ تم لوگوں نے اپنے کو تلاش کرنے میں کیا کیا کچھ کیا ہے۔؟“

اس نے نکمیا کی جانب متوجہ ہو کر کہا۔

”جی وہ میرے علاوہ گاؤں کے کافی لوگوں نے اسے تلاش کیا ہے۔ لیکن اس کا پتہ نہیں چل رہا سرکار“

”اس چوکری کو لے کر چلو۔ اس جگہ چپاں سے جندار بگول اس کے دولاں بڑی پتے ہوئے شخص کے ساتھ تھا کہ ہے۔ ویسے مجھے یقین نہیں آتا۔ بڑی انتہوی بات ہے۔“ قائد ارکیندہ بیڑا سے ہونے لگا۔

اب ہم اس جگہ کھڑے تھے جہاں سے جندار غائب ہوا تھا۔ قائد ارکیندہ اس جگہ کا بغور جائزہ لینا شروع کیا۔ اس نے ایک چھری اپنے قریب کھڑے بچے سے منگوائی۔

قائد ارکیندہ نے انچ پر انچ اس دھلی زمین کو دیکھا شروع کر دیا۔ ٹھوڑی دیر بعد وہ ذرا آگے دو ہمارا یکدم رکنے کے بعد چلائے ہوئے ہوا۔

”مجھے جندار کے پاؤں کے نشان ت تو یہاں تک مل گئے ہیں لیکن آگے کچھ پتہ نہیں چل رہا۔ دلچسپ بات یہ ہے کہ اگر ریت صاف ہے۔ وہاں کسی جانور یا انسان کے قدموں کے نشان موجود نہیں ہیں۔ ٹھوڑے فاصلے پر ایک بچہ چلایا۔ اس نے دہلی سے چلائے ہوئے کہا کہ:

”انگل ااجر آئیں۔ یہ دیکھیں کتابا تو انسانی پیر ہے۔“ سب دوڑ کر بچے کے پاس پہنچے وہاں واقعی ایک انسانی پیر موجود تھا جو عام انسانوں کے پیروں کی ساخت سے دوگنا ہوا۔

اے بھگوان! قائد ارکیندہ نے اپنی حیرت کے جذبات کو اپنے من میں سے نکالتے ہوئے کہا۔

”ایرا! گاؤں میں کوئی کھرا تلاش کرنے والا ہے۔؟“

”ہاں جی۔۔۔ اچھا پہلوان عرف اجوکھوٹی ہے۔“

ٹھوڑی دیر بعد اجوکھوٹی آیا۔ اس نے بڑے مطمئن انداز اور اپنے تجربے کی بنیاد پر بیت پر چھری رکھ کر بھی آگے بڑھنے میں کراہنا کام شروع کر دیا۔

اور گرد کوڑے ہوئے وہاں کی اور مرد و سب پہلوان کھوٹی کے اتنی سیدھی انداز میں تعظیم کو دیکھے۔

کھوٹی نے ان بڑے انسانی پیر پر قدرتوں پر رک کر قائد ارکیندہ کو اپنی نگہیں کی عود سے اشارہ کیا۔

قائد ارکیندہ کے پیچھے اشتیاق کے عالم میں حریہ لوگ بھی چلنے لگے تو کھوٹی نے آواز دے کر ہونے کہا:

”صرف قائد ارکیندہ صاحب آئیں۔“ قائد ارکیندہ اس کے پاس گیا تو اس نے اسے آگے سے اس طرح کان میں کہا کہ جیسے کسی اور نہ ملے۔

”وہ جی۔۔۔ یہ قدم انسانی نہیں ہیں۔ اوپر کی نسل کے ہیں۔“

کیا مطلب۔۔۔؟ قائد ارکیندہ نے چلائے ہوئے کہا۔

”اوتے تیرا دماغ تو نہیں چل گیا ہے۔ بے

چارہ جو بات دوسروں سے چمپا چاہتا تھا۔ اس کا کہا تھا! قائد ارکیندہ نے پھوڑا دیا۔

”وہ جی اب بات مکمل ہی گئی ہے تو میں سب کو بتائے دوں گا۔“ میرے تجربے کے مطابق بچے کو کوئی اور کی عقل کا اظہار کرنے کی۔۔۔؟ میں کو مایہ ناز تھا تو ٹھوڑی ہوں جو کہ حریہ کچھ اس کیس کے متعلق بتا سکوں۔“

”تو آرام سے میری بات سن۔ دیکھ یہ مصمم بچے کی گمشدگی کا معاملہ ہے۔ معاملہ بھی بڑا اگلا تھا اور عجیب ہے۔ لہذا اس سے پہلے کہ اس کی خبر کی ہوا پیچھے جلد از جلد بچے کو تلاش کرنے کے لیے میرے ذہن میں ایک ترکیب آئی ہے۔“

”وہ کیا ہے۔۔۔؟“ بڑے کھانے پر چمپا۔

”میں اوقے سے تو نہیں کہہ سکتا کہ اس چوکھوڑے کو جن اظہار کے لیے کہے۔ یہ بظاہر خواہاں کسی بھی نہیں لگتا۔ بہر حال جو کچھ بھی کہے۔ یہ بات آگے چلی تو تجربے گاؤں کی کیا۔ میری بیٹی چلی گئی ہے بڑی قوتوں ہوئی۔ لہذا میری تجویز یہ ہے کہ:

”گاؤں کے قتل مند بچوں اور نوجوانوں کو لوہوں کی شکل دے کر کم از کم اس گاؤں کے 5 میل تک اس کی تلاش کے لیے بھیجیں۔“

اور ہاں۔ اور گرد کے گھروں کی بچتوں پر بھی اسے تلاش کر۔ عی ہاں کہاں نہیں میں جاؤں۔“

وہاں گھر سے ایک حوروں کے بچے پیش کی کہ ریت کی کرید کرید بچا جائے کہ وہاں صندب کیا ہو۔

قائد ارکیندہ نے اسے شاباش دینے کی بجائے کڑے سے ٹھکرے چمکایا۔

”واقعی اس شخص کی بات میں وزن ہے۔ بعض دفعہ ہاگل بھی اچھا مشورہ دے دیتے ہیں۔“ حوروں نے چارہ فرزند ہو کر خاموشی سے ایک طرف کھڑا ہو گیا۔

اس کام میں دیر نہیں کرنی چاہیے جلدی کرو۔

قائد ارکیندہ نے گاؤں کے لوگوں کو کہا۔

”تمنا شد نہ کیو۔ تا نافت کر کے چائے بخار کلاؤ

یہاں اس دو چار پائیاں لاکر کھدو۔“

نیشنل چاہتا اور اپنا کوس نے کہا۔

”نیشنل ان ہوں۔ میرے پاس بیٹھو۔ بھگوان بھلا کر گاہک۔ مجھے اس گاؤں کے نوجوان بڑے چست اور موثر لگتے ہیں۔ کچھ بھلا کر کے آئے ہیں گے۔“

پھر اس نے امای کی جانب متوجہ ہو کر کہا:

”اوتے! اگر چھوڑا نہ ملا تو سارا دم عاتیرے گئے پڑا ہوگا۔“

”میں نے پہلے ہی کہا تھا کہ جو بھی ہے بچے کی حفاظت تیرے ذمہ تھی۔ ویسے یہ لالہ بگڑی والے یہ اسرار شخص کی بات میرے میرے دماغ میں چھان کی مانند چھوڑی ہے۔“

”اس میں آئی گیتا اور ای بھی وہاں روٹی جتنی آگئیں۔“

”ظاہر میرا جندار۔“ گیتا آئی نے چلائے ہوئے کہا۔

قائد ارکیندہ نے چپکلی کی اور حوروں کی جانب دیکھتے ہوئے بولا:

”اوتے چپ کر۔ بیکہ بند ہو یہ درلہ۔“ دھڑلہ سے ہیں۔ تیرے چپ کر۔ بیکہ بند ہوئے گئے۔“

”جی وہ سائن نہیں ہے۔“ نیشنل چاہنے لگا۔

”اے! سائن نہیں ہے تو اور کیا ہے۔۔۔؟ اس نے ہم سب کو کھوٹی کی سمیت میں ڈال دیا ہے۔“ ٹھوڑی دیر بعد بیت پر دوڑے چند نوجوان بیٹھے چلائے ہوئے دور سے نظر آئے۔ اس میں سے ایک کے ہاتھوں میں جندار ہے ہوش پڑا تھا۔ اس کے ہاتھ بے سندھ جسم کی مانند لٹکے ہوئے تھے۔ اس منظر کو دیکھتے ہی سب اس طرح کھڑے ہوئے جیسے ان کے جسموں میں کرنٹ دوڑ گیا ہو۔

نیشنل چاہا، اچھا، گیتا آئی، اکی قائد ارکیندہ قراہم گاؤں والے ان نوجوانوں کی ٹوٹی کی طرف دوڑے۔

اس ٹوٹی کی قیادت ایک منسوبہ کسرتی جسم والا نوجوان کر رہا تھا۔ اس نے ہانپتے ہوئے تھمے ہوئے

چند روکاک جا پانی پر تلایا۔
”شکر خدا کا! اسی نے تو فرما کیا۔ آئی نے
خوشی کے عالم میں رام ری جی جے ہو کر کھڑے رہا شروع
کر کے اور ساتھ ہی خوشی کے آسواں کی پکوں سے
پھسل کر گالوں پر لڑنے لگے۔

تقنیدار نے چیخے ہوئے کہا۔
”نکھو اونچے کے منہ پر پانی کا چھینٹا رانے سے
پہلے میری ایک بات غور سے سنو۔ جب یہ ہوش میں
آئے تو پچھلے سے آرام سے چھپا جائے کہ وہ لوگ
کیا تھا اور دوسرے اس کے گرد گروے قاتل تمام لوگ
ہٹ جائیں۔ اس کے نزدیک صرف اس کے اپنے
آشنا کو رہیں۔ لازماً گھبرا ہوا ہوگا کہ کسی بھی اپنی
حلقہ کی طور پر یہاں سے گرتا ہوں۔“
”سیرامی نظر میں ایک زریک ہے۔ وہ یہ کہ
اسے قاسم کے گھر لے جا کر وہاں اس سے چھپا جائے
“۔ دوسری ضرورت پڑا۔

تقنیدار نے بولا۔ ہاں ہاں ہاں تو نے بہت
ابھی بات کہی ہے۔ اسے فوری طور پر قاسم کے گھر لے
جاؤ۔
چند روز بعد قاسم کے عالم میں اپنی آنکھوں کو
کھولنے کی کوشش کر رہا تھا جس میں اس کے اندر کی تادیب
گہرے فشار کی طاقت اپنے اندر جھگڑ رہی تھی۔
زین چاچے نے اس کے جہرے پر پانی کا چھینٹا راندا
تو اس نے کچھ غصہ برداشت کیا۔ بعد اپنی آنکھیں
کھول دیں۔ اس نے پریشان کن کانوں سے سب کی
جانب دیکھا۔

”بیٹا کہاں گئے تھے آپ؟ ہم سب آپ کا
کھانا نہ انتظار کرتے رہے۔ اتنی دیر کہاں
رہے۔“ کیسا آئی نے اپنی دلگیر کیفیت کو چھپاتے
ہوئے سہلے سہلے ہونے اس سے پوچھا۔
”اسی اسی سامنے بات کا کھانا کھا رہا تھا۔“
”کون سی بات بیٹا۔“ اسی اور زین چاچے
نے یکے ذراں ہو کر جھرت سے پوچھا۔

”وہ جو آپ کے سامنے..... ڈورا دور جو لال
چکر ہوں والوں کی شادی ہو رہی تھی۔ ان میں سے ایک
آدی مجھے کھانا کھانے کے لیے لے گیا تھا۔“
”کہاں سے لیا تھا۔؟“ زین چاچے نے پو
چھا۔

”ابو دادہ مجھے سامنے شادی میں لے گیا تھا وہاں
اس نے مجھے بہت حسرت سے کھانے کوشت دالی
برائی اور پاداموں والا زردہ کھلائے۔“
”تمیں..... تم جھوٹ بولتے ہو۔“ میری اسی
نے کہا۔
”تمیں آئی آئی! کچھ کہہ رہا ہوں۔ انہوں نے
مجھے برائی اور زردہ کھلا یا تھا۔ میں نے دلیبا بھی دیکھا
تھا۔ اس کی مسلمانوں جیسی لمبی داڑھی بھی تھی۔ انہوں
نے اپنے سروں پر لال چکر یاں پہنا دی تھیں۔ آپ کو
یقین نہیں آتا۔ میرا اندر کھڑا دیکھیں۔“
زین چاچہ، کیسا آئی نے اپنے ہاری ہاری اس کا
منہ دیکھا تو دلیبا اس کے منہ سے تازہ کیچے زعفرانی
زردے کی واضح خوشبو آ رہی تھی۔ سب حیران رہ گئے۔
میں نے بھی اس کے منہ کو دیکھا۔ دلیبا وہ اپنے تپیں
دلوں میں گھس کر تھا۔ اس کے ہونٹ اور ہاتھوں میں
چکناٹ بھی صاف نظر آ رہی تھی۔ چند نے سب کا
عجب شکل میں ڈال دیا تھا۔

تھوڑی دیر بعد گاؤں کے لوگوں کے ہرام
تقنیدار اور اس کے ساتھ آئے ہوئے دلوں پر پھر
دالوں نے سب کے ساتھ کمر ہارک بادونہ شروع کر
دی۔ ہمارے گھر کے آگے اس جھم کے درمیان سے کہ
نے مٹانی کی آواز لگائی۔ پھر کیا تھا۔ ہر طرف مٹانی
مٹانی کی آواز ہی گونجنے لگی۔
”ہم..... چھپنا چاہتا ہوں بیلیاں۔“ ان کے
چہرے پر بہت دیر بعد خوشی کی لہر دوڑی تھی۔ وہ اب
مٹکھن تھے۔ ”شکر ہے کہ چند بدل گیا“
”تو کیوں مٹکھن گے۔ میں مٹکھن ہوں۔“ زین
چاچے نے کہا۔

”تمیں بار بار میں شرمندہ ہوں کہ میری اسی جہ سے تیرا
بچہ کم ہوا اور یہ گھر میں واقعہ پیش آیا۔“
تقنیدار بولا:
”چلو دلوں اپنے گلے کھوے دور کرو اور تمام
گاؤں میں مٹانی جواؤ۔ کیونکہ سب نے تہناری پریشانی
کا پانی پریشانی سمجھا۔“

”ہاں..... ہاں! ابائے اکبر اور مجھے روے دیئے
اور گاؤں سے ڈورا اور ایک مٹانی کی دکان سے بھجوں
کی تو کڑی لائے نکھلا۔
اسی اور کیسا آئی دلوں گلے گلے کر رہے تھیں۔
”معاف کرنا بھجن۔“ کوئی بات نہیں.....“

تقنیدار نے کہا کہ:
”تمیں میں تو چین ہوں۔ میرا کام تو پورا ہوا۔ لگا
ہے یہ جتنی کچھ ہے.....“ تقنیدار نے اپنی انگلیوں کی
پھوں سے اشارہ کرتے ہوئے کہا۔
اپنے اسے سر سے اتارنے کی خاطر چند روے
اس کے ہاتھوں میں جمائے۔

جو دو پر کا کھانا مہانوں کے لیے بنوایا تھا۔ وہ
رات کے سب نے خوب میوہ کر کھا لیا۔ آپس کے گلے
کھوے دو دیئے۔
کھانے سے نلگڑ ہونے کے بعد سب بیچے
سے ہوئے ایک طرف چند کے کرب چاہلیں بیٹھ گئے۔
دلیبا ہوائی مٹی کے ساتھ ہی کوں دلوں پر تھا۔
زین چاچہ کیسا آئی کی اس شوک، چند جب اہلے
مگر کی جھک چھڑنے لگے گولڈنے کیسا آئی کو کہا۔
”بچے کا اسی جتن اتارنے والے عالم سے
طلاح کروانا۔“

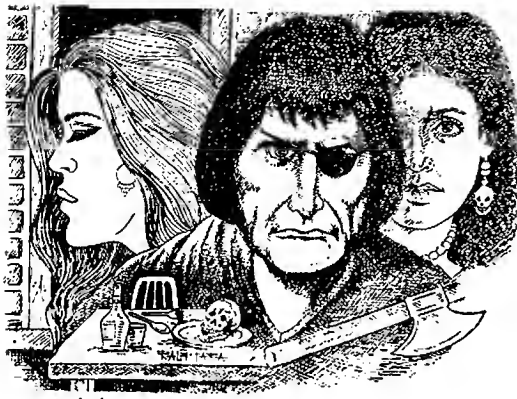
وہ سب دلیبا چلے گئے ان کے جانے کے بعد
بہاں کے گھر نماز جھک اہلے مٹی کے کسی گھر کی ایک کیمہ
کے لیے نیندا آئی۔ ہم سب رات میں چند کے کم ہونے
کے سب کیمہ کیمہ کو کیمہ پھر پا کر تے۔ یہ خدا خیر اور
نقیضہ کے دے گاں سے لپکا رہیں۔
☆☆☆☆☆

سب کیمہ کہاں بیٹھیں گے نہیں ہوا جانی ہے اس کے
چند روز فراش پہلو اور اپنی چپن۔ جوں کر کس صاحب کے۔
اس واقعہ کو زورے ابھی مشکل ابھٹنے کی زرا
ہوگا کہ ایک رات کے تیسرے پہر یعنی علی الصبح سے کچھ
دیر پہلے گاؤں میں شدید شور مچا دیا۔ سب بڑبڑا کر
اٹھے۔ ”کیا ہوا۔؟“ یہ کیمہ شور ہے۔؟“ ہم
سب بہن بھائی، اماں اور باا شو کی جانب بھاگے۔
وہاں ایک دیکھا کہ زین چاچہ اور ان کے ساتھ آئے
ہوئے چند پندتوں کی گاؤں کے لوگوں نے گھرے ہوا
ہے۔ سامنے ریت پر کسی تیرے سے کا ہوا کالا کرا
خون میں ترخو رہا ہے۔ اپنے زین چاچہ کی جانب
دیکھا تو بولے:

”یہ کیا ماجرا ہے۔ یہ کسا ہوا کالا کرا تو اس
وقت.....“ بغیر مجھے بتائے کہ وہ ہے تیسرے ساتھ پندت
حضرات۔ یہ کیا ماجرا ہے۔؟ مجھے بتائے۔ مجھے کچھ
کہیں آکر رہا۔؟“

”وہ..... میں..... میں تھلا ہوں۔“ گاؤں کے
چکیدار مہنوں داس نے تھلا کیا کہ:
”میں رات کے دوسرے پہر پنداری کے دفتر
کے قریب گئیں کی چکر کداری کا تھا تو یہ پندت
اور زین چاچے ہاتھوں میں کالا کرا پکڑے اس جانب
بڑھ رہے تھے جہاں اس کا چھوڑا ہوا تھا۔ میں نے
چیکے سے ان کا پیچھا کیا۔ قہرہ کچھ کیچ کر پہلے پندتوں
نے ان کی طرف دیکھ کر کچھ بڑھا اور پھر اس
کالے کمرے کو چھری سے زنگ کر کے بھاگ رہے
تھے۔ تو میں نے ان کو پکڑ لیا۔ مجھے کتا ہے کہ یہ
ہمارے گاؤں، باسیوں پر کوئی جادو کرنے آئے
تھے۔“

اس دوران کیمہ اپنی آنکھیں مٹا ہوا اپنے چند
آدھیوں کے ساتھ آ گیا۔
”یہ کیا ڈرامہ ہے۔؟“ زین چاچے کے کندھے
کو اپنے ہاتھوں کی مدد سے دھکا دیتے ہوئے کہا:
ابا گاڑی کا خون جوش مارا انہوں نے کیا کیا کیمہ۔



سینہ فلوڈ

بنول ناظرے - ساجی

اچانک نوجوان تنہ سے اکھڑ گیا اور غضبناک حالت میں دھاڑا
چڑیل ڈانٹ تو نہ میری محبت کو ملو دیا میں تجھے چھوڑوں گا
نہیں، میں مر حال میں تجھے موت سے ہمکنار کردوں گا اور
بہر.....

افرائی کی سزا..... اکو چھتھی ہی پڑی ہے..... حقیقت کہانی میں..... چٹاں ہے

کیروین بہت دیر سے اپنی ماس مزارن
سے بحث میں ہی ہوئی تھی۔ اس کی چھوٹی بہن کیرون
کا عاشق سے یہ سب کچھ ہوتے دیکھ رہی تھی۔
کیروین عمر میں کیرون سے ایک سال بڑی تھی وہ دونوں
آپس میں بہت سی باتوں میں داخل رہیں۔ کبھی
خوب تھی لیکن ان کے حوازا آپس میں ایک دوسرے
سے ہاتھ نہیں لیتے تھے۔

کیرون اور کیرون جب چھوٹی تھیں تب ہی ان
کے والد مسٹر مزارن کا ایک کارایکینٹ میں اغتال
ہو گیا تھا۔ مسٹر مزارن کو اپنے شوہر سے بے حد بچا رہا ہی
لئے انہوں نے دوسری شادی کے بارے میں کبھی سوچا
ہی نہیں تھا۔ مسٹر مزارن کے مرنے کے بعد مسٹر مزارن
(نیزا) گھر پر پیش کا کلا ہو گئی تھیں۔
انہوں نے شرب بہت پینا شروع کر دیا تھا اور اس

”اس لیے اس کی تو سنو۔ یہ کیا کہتا ہے.....“
نریش چاچہ روئے ہوئے عاجزی سے اچھ
جڑے ہوئے تھا کہ قدموں میں پینڈہ کر کے گئے:
”دراصل جس رات ہم ہندو کو کام کے گھر سے
لے کر شہر گئے تھے۔ اسی رات سے میری بیوی کے
خواب میں چند لال چوڑی والے عجیب عجیب شکل کے
آدی آرہے ہیں اور وہ کہہ رہے ہیں کہ ہم غیر مسلم
جناں ہیں اور ہندو ہماری سلسل سے ہے۔ اس کی آتما
جاتی ہے اور ہم اشرافیہ سے اسے ہم ہر گزیت پر لے
جائیں گے۔“

وہ تین چار دفعہ گیتا کے خواب میں آکر یہ پیغام
دے چکے ہیں۔ اس پریشانی نے ہندوئی ماں کو تپ پاگل
بنا دیا ہے۔ ہندو نے ایک رٹ لگا رکھی ہے میں نے
لال چوڑی والوں کی شادی کا کھانا کھایا ہے۔ میں نے
اوکھا گاؤں جانا ہے۔“

”کیا کوئی نریش چاچہ نے یہ بتلایا کہ.....“
”میرا ماما نریش چوڑی کی جانب سے دی گئی دھمکی
کی وجہ سے بہت پریشان تھا۔ لڑکائی نے مشورہ دیا کہ
چند بڑوں کو تیار کر دو کہ ایک مخصوص لیکن اوکھا گاؤں
میں اس جگہ جا کر پڑھیں جہاں چوڑی والے اسے لے
کر گئے تھے۔“

خیر اور بتاتے ہوئے کہا:
”کوئی اور نہ کہ کام چپ چاپ ہی ہو۔ یعنی کسی کو
پتہ نہ چلے اور نہ ہی کوئی کہیں دیکھے، لیکن کے آخر میں
جنوں کو ایک کالا بکری بھیجت کیا جائے۔“
یہ سب تو بات ہیں۔ کیا نے اسے ڈاؤن
ہوئے کہا:

”اگر سب بات حق تو تو ہمیں پہلے سے بتا دیتا ہم
اس کا بند کس کر دیتے۔ اچھا جو تیرا دل کرے گا۔“
اس دن ایک چٹ اور نریش چاچہ کو گڑا کر
ہندو اذمادت کرتے رہے۔ ان سب برا حال ہو گیا تھا
خاص کر نریش کا۔ اس محل کے بعد لائے نریش چاچہ کو
چائے پانی کے لیے روکا لیکن وہ نہ دے سکے۔ انہوں نے کہا:



کے علاوہ اس کو سب بھی کرنے لگ گئیں۔ ایسے میں سزدارن کی دماغ نے ان کا بہت سا مذاق اچھا۔ آہستہ آہستہ سزدارن نے شراب پی کر چوڑی کلاں پہنتے جیسے جیسے انہیں باپ پریشان ہوتی تو کمرے کے اندر سے روک کر لیتی تھیں۔ سزدارن کے سر کے بعد ان کی کل کا نکات کیرویلن اور کیرن کی عین وہ دونوں ان کے بعد محبوب شوہر کی آخری نشانی تھیں جنہیں وہ بھی کوئی نہیں چاہتی تھیں۔ انہیں کیرویلن اور کیرن سے بے حد لگاؤ تھا سزدارن ایک ٹھنڈی میں معمولی سی نگاہ پر پلازما کرتی تھیں جس سے کمر کا خیر کا کافی شکل سے چلتا تھا۔ کیرن ایک دھیمے مزاج کی لڑکی تھی جبکہ کیرویلن اس کے بائیں الٹ تھی۔ اسے ہر وقت پیچھے ہٹنے کو کہتی نہ تھی بات پر پڑھتا ہی رات کی اس وقت بھی وہ اپنی ماں سے بیروں کے بارے میں ہی بحث کر رہی تھی۔ ”وہ ہوتی ہے ماں میں اب اسکو سے کل کا بچ میں آگئی ہوں میرے کالج میں پہلا سال ہوگا۔ میں وہاں بے پرانے اور مجھے بے کپڑے بھی کرتی نہیں چاہتی۔“ کیرویلن مشکل چلا رہی تھی۔

”لینے سے؟ میں تمہیں بے پیسے تو رہی ہوں اور کیرن کو بھی۔“ سزدارن نے مجھے ہارے پیچھے میں کہا۔ ”اسے کم پیسوں میں؟ مجھے میک اپ کا سامان اور سیز فوجی چاہییں۔“ کیرویلن نے برا سا مذاق بنایا۔ ”میرے پاس نڈا عکس کے کپڑے ہوتے ہیں اندھی شوز اور ندی ایک ایک صرف آپ کی بھینچری کی وجہ سے میرا اس بیک کلاں کو پورے فریڈ نہیں ہے۔“ کیرن دلیں نے مجھے سے کہا اور بھینچتی ہوئی ہار لگ گئی۔

سزدارن حیران اور پریشان اسے جاتا ہوا دیکھ کر رہیں۔ ”کیرن امیری بگنی تم ہی تازہ کر میں کیا کروں؟ کہاں سے اسے پیسے لاؤں؟ کیا تمہیں بھی لگتا ہے کہ میری وجہ سے تم دونوں کا کوئی بڑے فریڈ نہیں

ہے؟“ کیرویلن کی طرح کیرن کا بھی کوئی بڑے فریڈ نہیں تھا۔

”تمہیں امی بائیں اگل بھی کوئی بات نہیں ہے۔“ کیرن نے آگے بڑھ کر سزدارن کو اپنے گلے کے ساتھ لگا لیا۔

”تمہیں پتہ نہیں ہے کہ کیرویلن کی بھر دے آئے دلی سے میں چاہتی ہوں کہ اس کی بھر دے بڑا بڑا سے زیادہ اہتمام کرنے کی کوشش کروں شاید اس طرح اس کی ناراضگی ختم ہو جائے روز تو ہم لوگ تم دونوں کی ساگرہ پر ایک تک نہیں کاٹنے۔“ سزدارن نے ایک سردا بھری۔

”کوئی بات نہیں ماں میں اس آپ کا تو کوئی قصور نہیں ہے ہمارے پاس ایک کے لئے پیسے نہیں ہوتے۔“ کیرن نے سلی دینے والے انداز میں کہا۔

”ہاں لیکن اس بار میں کیرویلن کی ساگرہ پر خزا لینے آتھوں سے ایک عطاؤں کی۔ وہ جتنا بہت خوش ہوگی۔“ سزدارن اسے میرے انداز میں بولیں۔

ان کی اس بات پر کیرن صرف ہلکا کر دیا۔

☆ ☆ ☆ ☆ ☆

کیرویلن اپنی بیٹی فریڈ لیا اور کیرن کے ساتھ شاگ میں میں ٹھہر رہی تھی۔ آج اس کی ساگرہ تھی اور وہ اپنی ساگرہ کو خوب انجانے کرنا چاہتی تھی۔ کالج میں پینے کے لئے کپڑے دیکھ رہی تھی۔ اس کے ساتھ لیا اور کیرن بھی اپنے لئے کپڑے اور دو سامان خرید رہی تھیں۔ کیرویلن اپنے لئے شوز دیکھنے لگی۔

”اوجھ۔“ کیا مصیبت ہے یہ یہ میڈلر تو بہت مہنگے ہیں اسے تو میرے پاس پیسے بھی ختم ہیں۔“ کیرویلن نے پیسے ہتے ہوئے کہا۔

”کوئی بات نہیں تم دو دوسرے والے دیکھ لو اور بھی اچھے ہیں۔“ لیا نے اس کی توجہ ان شوز کی طرف دلائی جن میں بیل گئی ہوئی تھی۔

”ایک تو بہت مہنگے ہر جہز سلی میں سے غریبی نہ پڑتی ہے۔ ذرا دیکھو تو ان اڈلٹیشن میڈلر کو

1۔“ کیرویلن مجھے سے سڑی سڑی بڑا دینے لگی۔

”دینے لگا کہ بڑا لگتا ہے۔“ کیرن نے یہ میڈلر دیا تھی میں بہت چاہتی ہیں۔“ کیرن آگے بڑھ کر وقف میڈلر اور شوز دیکھنے لگی۔

”اب رہنے بھی دو یہ سب ماں کی بھینچری کی وجہ سے ہے۔“ ان کا تھی انہیں پیسے بنانے کی فکر رہتی تھی تو اپنے سر گئے کیرن نہیں چھوڑ دیتی؟“

”ایسا ایک تو میری یہ مجھ میں نہیں آتا کہ ہر وقت اپنی بے چاری ماں کے پیچھے کیوں پڑی رہتی ہو بے چاری دن دن سخت کٹے کے کھانے کے لئے کوشش کر رہی ہیں۔“ لیا نے کیرویلن کو بھانپتے ہوئے کہا۔

”چلو میں اب اگر شاگ میں تو تم کو ہٹا کر چلے جائیں۔“ کیرن ان دونوں کے کو ہٹا لیا۔

”ہاں چلے جائیں۔“ لیا نے جواب دیا۔

اور پھر وہ تینوں انہوں میں شاگ بیکڑا خانے شاگ میں ملے بڑا لگ آئیں۔ باہر آسان پر کمرے کا لے باؤل چھانے ہوئے تھے۔ سامنے سے کالی کھانا آ رہی تھی۔

کیرویلن بہت غور سے آسان کو دیکھنے لگی اسے بارش کا موسم بہت پسند تھا جبکہ کیرن کو کالے کالے بارشوں اور کالی کی چمک سے بڑا لگتا تھا۔

”واہ۔۔۔ ایک شائد ان کا تھارہ ہے۔“ کیرویلن نے خوش ہوتے ہوئے کہا۔

”مڈلری کو سب جلدی سے گاڑی میں بیٹھو۔“ کیرن نے موسم کے بگڑنے کوئے تھوڑے دیکھے تو اسے توشل لگ گیا۔

”مہنگے بے لیکن گاڑی، میں ڈرائیو کروں گی۔“ کیرویلن خوش سے چپچپے ہوئے بولی۔

اس کے بعد یہ تینوں گاڑی کی طرف بڑھیں یہ گاڑی کیرویلن کی ماں کی تھی۔

کیرویلن نے گاڑی انڈار کر دی۔ کیرن نے آگے بڑھ کر بیڈیو آن کر دیا اور پھر جیسے جیسے دالوں میں جس میں بے تاجا بار بار کھانے کے کھرجے سوویت دالوں

نے پیش کوئی کی ہے کہ آج رات موسلا دھار بارش ہوگی۔ کیرویلن نے کیرن کو بہت زیادہ خوش ہوئی۔

”بلو لاک ڈرائیو پر چلے ہیں۔“ کیرویلن بہت زیادہ بڑے جوش نظر آ رہی تھی۔

”تمہیں بالکل نہیں ایسے موسم میں ہرگز بھی نہیں ماں گھر ہمارا انتظار کر رہی ہوں کی جاتی ہو ناں آج تمہاری بھر دے ہے ماں نے کمرے میں ایک اور دوسری چیزیں ملانی ہوں گی۔“ کیرن نے صاف انکار کر دیا۔

”ہاں یار میں سچ کہہ رہی ہے تم نے دیکھا نہیں آسان پر کھتے باؤل ہیں کسی کبھی وقت بارش شروع ہوئی ہے اور اب رات بھی ہونے لگی ہے۔“ لیا نے بھی اس کی تائید کی۔

”تم لوگ کمرے میں کرسی توڑی ہی ہو یہ بھی آج میری ساگرہ کا دن ہے، ویلر ماں جاؤ ناں۔“ کیرویلن نے احتجاجی نظروں سے ان دونوں کی طرف دیکھا۔ پہلے تو انہوں نے منع کیا لیکن پھر آخر کار ان کی گمان۔

کیرویلن نے آگے بڑھ کر کچنوں کی کسٹ لگا دی۔ وہ بہت تیز رفتاری سے گاڑی ڈرائیو کرنے لگی۔ رات کا اندھیرا لگ چکا تھا۔ اب یہ تینوں آدمی سے گاڑی دوڑ لگ آئی تھیں اسے میں اپنا کرسی موسلا دھار بارش شروع ہوئی۔

”کیرویلن چلو کمرے میں ایسے موسم میں ڈرائیو کرنا ٹھیک نہیں ہے۔“ لیا نے پریشان ہوتے ہوئے کہا۔

اور گاڑی کی رفتار مزید تیز کر دی۔ ”کیرویلن دماغ خواب ہے کیا؟ میں مرانے کا ارادہ ہے کرسی کی کہ سرک پر کرسی چلن دوری ہے؟“ لیا نے بولی۔

”خود ہی تو کہہ رہی ہو کہ کمرے چلو۔“ کیرویلن نے جواب دیا اور گاڑی کی رفتار بڑھ کر دی۔

وہ گاڑی آگے ہی کے کمرے کے کھانے چاہتی تھی۔

”کیرویلن یہ کس کام چاہ رہی ہیں آس پاس تو کوئی ایک مکان بھی دکھائی نہیں دے رہا۔“ کیرن نے

گپ شب

پہلا جھوٹا۔ "میرے بڑے بھائی نے سولہ سال کی عمر میں میرا ہرام ڈاکو بکر پکڑ لیا جس کے خزانے کیا تھا۔"

دوسرا جھوٹا۔ "کیا تمہیں سلطون ہے ہمارے پاس ایسے کپڑے ہیں جو بجنرے سے تہہ ناز کرتے ہیں۔"

پہلا جھوٹا۔ "تو کیا ہوا یہ کون سی بڑی بات ہے ہمارے گھر میں ایک بہت بڑا فولڈنگ سونچنگ پول ہے ہم جہاں جاتے ہیں اسے ساتھ لے جاتے ہیں۔"

دوسرا جھوٹا۔ "یہ بڑی بات تمہیں ہمارے پاس جو اموز سائیکل ہے اس کا وہ نمونہ میرے لپا کو تجھے میں دی تھی۔"

تیسرا جھوٹا۔ "مداخلت کرتے ہوئے" نامکن یہ ہو ہی نہیں سکتا۔ میں قسم کھا کر کہہ سکتا ہوں کہ میرے خزانے آج تک کسی کو بخش نہیں دیا۔"

(پہلا سنگھ۔ سیاہی بول)

حق۔ وہ لڑکی جس کا نام مارلا تھا اس عورت کی طرف توجہ ہوئی۔

"ہام ان لوگوں کی گاڑی خراب ہو گئی ہے۔"

"ملا دے گا یہاں۔"

"ہم لوگ بس ایک فون کرنا چاہتے ہیں۔" کیرن اس عورت سے مخاطب ہوئی جسے مارلا اپنی نام کہہ رہی تھی۔

"فرد ضرور کیوں نہیں۔ تم لوگ جتنے مرضی چاہو فون کر سکتی ہو۔" سنہرے بالوں والوں دلی عورت نے خوش اخلاقی سے کہا۔

وہ جین نے بہن کو خوش ہو گئیں اس کے بعد کیرن کرے میں رہنے لگی فون کی طرف بڑی آواز پہنچے

"اگرے دیکھو کیونکہ فون کی کڑی میں کوئی ہے۔"

کہاں؟ "نہیں اور کیرن چونک پڑی۔"

انہوں نے سر اٹھا کر اوپر دیکھا جس کے ساتھ ہی اچانک بڑے زور سے کھلی چوٹی کی آواز دووں کی آوازیں سنیں۔

انہوں نے دوبارہ دیکھا لیکن انہیں کچھ بھی نظر نہیں آیا۔

"دہان پر تو کوئی بھی نہیں ہے۔ کیا تمہیں ہے وقف بناری ہو؟" نینے کیرن کی طرف دیکھا۔

"کمال ہے ابھی تو دہان کڑی میں رہتی ہو یہی تھی اور دہان اندر کوئی موجود بھی تھا۔" کیرن دہان نے جواب دیا۔

کیرن نے آگے بڑھ کر تیل پر ہاتھ رکھ دیا۔

قہوڑی دہان سے دو واڑہ نکلا اور اندر سے ایک لڑکی کے سر باہر نکلا۔

"جی فرمائیے۔" اس لڑکی نے شائستہ اور نرم لہجے میں کہا۔

"بلبلز ہماری مدد کریں۔" کیرن نے مت ہرجے لہجے میں کہا۔

"دور رائل ہماری گاڑی خراب ہو گئی ہے کیا ہم ایک فون کر سکتے ہیں۔" کیرن کی بار بار نالی۔

"لیکچ ہے اندر آ جائیے۔" اس لڑکی نے دو واڑہ ہار رکھتے ہوئے انہیں اندر آنے کا راستہ دیا۔

وہ تینوں اندر داخل ہو گئیں وہ لڑکی انہیں نے کر ایک بڑے سے کمرے میں آگئی، جو کہ خالی تھا۔

گھر کا دروازہ دم تھا کیونکہ وہاں ہر طرف بڑے بڑے صوفے رکھے ہوئے تھے۔

"کون ہے ملا؟" کرے کے باہر سے کسی کے بولنے کی آواز سنائی دی۔

اس کے ساتھ ہی ایک سنہرے بالوں والی عورت کرے میں داخل ہوئی اس کی عمر چالیس سے زیاہد رہی ہوگی۔

اس کے اندر اس ایک دھڑکا اور لہجہ بار بار

"تم جی مدد کرتی ہو یا ہمارے خودی تو کہہ رہی تھیں کہ گاڑی سے باہر نکل کر دیکھتے ہیں۔" کیرن دہان کی طرح بھٹک گئی۔

"اس میں اس بے چاری کی غلطی نہیں ہے۔ وہ ایسے صوفے سے ڈرتی ہے۔" نینے کیرن کو دکھانے کیونکہ وہ دونوں ہاتھ کھٹوں پر رکھ گئے اور گھبراہٹ میں۔ وہ بہت پریشان حال لگ رہی تھی۔

کیرن دہان نے سر نہ ہونے ہوئی۔ "آئی ایم سوری کیرن۔"

"کوئی بات نہیں۔" کیرن نے ایک لمبی سانس بھر کرے ہوئے کہا۔

"چلو دوستوں بھر مت کرے گاڑی سے باہر نکلے ہیں۔" نینے ان دونوں کی طرف جواب طلب نگاہ سے دیکھا۔

"چلو چلتے ہیں۔" وہ تینوں بیک وقت گویا ہو گئیں یہ تینوں اب گاڑی سے باہر آ چکی تھیں اب وہ لہجہ تیز رفتاری سے قدم بڑھا رہی تھیں۔ کافی دیر یہ لوگ ایسے ہی چلتی رہیں لیکن آہادی کا گھنٹہ دور دراز نکلتا نہیں تھا۔ کہ اچانک ہی انہیں سڑک کے بائیں طرف روکی دیکھا لی۔

"ہوئی نا بات اپلو چل کر مدد مانگتے ہیں۔" نینے خوش ہوتے ہوئے بولی۔

کیرن اور کیرن دہان بھی خوش ہو گئیں۔ ان تینوں نے فل کس اس روکی کی طرف دوڑ لگادی۔ بائیں انہیں کھلا اس طرح ہو رہی تھی۔

بھانجے بھانجے آخر کار یہ تینوں ایک نہایت خوب صورت اور بڑے چمکے سے سامنے آ گئیں۔

"کلتا ہے تو کسی کا گھر ہے۔" کیرن نے خوش ہوتے ہوئے کہا۔

گھر نہیں بنگہ ہے۔ بنگہ ابھی نہیں کھتا ہوا ہے۔ اب بس ہمیں یہاں سے مدد مل جائے۔" نینے جواب دیا۔

کیرن دہان نے سر اٹھا کر اوپر دیکھا۔

"جیسے کوئی گھر نہیں آ رہا۔ میرے خیال سے ہم لوگ راستہ بھگتے ہیں۔"

"کیا کیا راستہ بھگتے گئے ہیں؟ کیا تھمارے خیال سے ہم لوگ کسی جنگل بنیاد میں رہے ہیں جو راستہ بھگتے ہیں؟" نینے فحش سے چلائی۔

"پاک لڑکی میرا مطلب ہے کہ مجھے کھینچیں آ رہا کباب کھڑا جانا ہے۔" کیرن دہان کی فحش سے ان کی۔

وہ تینوں انہی اسی بحث میں لگی ہوئی تھیں کہ اچانک ہی ان کی گاڑی ایک جھٹکے کے ساتھ روک گئی۔

"تم نے گاڑی کیوں دیوں پاگل؟" نینے نے ایک سیٹ پر بیٹھے ہوئے بچہ کر کے چما۔

"چلو مجھے اتار چیک کر دو کہ کیا خرابی ہے۔"

کیرن دہان نے بچہ کر جواب دیا۔

"اب کیا ہوگا؟" کیرن کے چہرے پر ہوا نیاں اڑنے لگیں۔

"چلو باہر نکل کر گاڑی کو دیکھا گاڑی۔" ساری غلطی ہام کی ہے۔ انہوں نے انہیں لکھا گاڑی غریبی ہی کیوں نہیں گھبراہٹ ہے کہ ڈیر کی چمک کوئی غریبی غریبی تھی تو کسی میں اس طرح سچ میں سمجھنے ہوئے نہ ہوئے۔

"کیرن دہان نے فحش سے لگی۔

"یہ میرے کا ڈیر ہوا یا کچھ کسی میں اسے دھکا نہیں لگتی تھی جس میں اتنی طاقت نہیں ہے۔" نینے بھی فحش سے جواب دیا۔

"بلبلز اذیت فحش کرنے کا اور ایک دوسرے کو ظرا م دینے کا نہیں ہے۔ چلو باہر نکل کر اس پاس دیکھتے ہیں شاید کوئی پیڑوں پھپھو دھیرہ یہاں سے نزدیک ہی ہو۔" کیرن دہان نے دونوں ہاتھ اٹھا کر انہیں خاموش کرانے کی کوشش کی۔

ان دونوں کو کیرن کی بات سے اتفاق ہوا۔

"لیکن اتنی تیز بارش میں تو ہم بھگت جائیں گے اور گھبراہٹ کا وقت ہے۔" سلا اس انداز سے میں نہیں کیا نظر آئے گا۔" کیرن نے پریشان ہوتے ہوئے کہا۔

مگر کابردا دل کرنے گی۔
 "اوسے سے کیا آپ کا فون تو شاید ڈیل پڑا ہے۔" کیرن نے پریشان ہوتے ہوئے کہا۔
 ملا کی مام نے رد سیدہ کیرن کے ہاتھ سے لے کر اپنے کان سے نکال دیا۔
 "صاف کرنا ڈیٹرنگ لگا ہے طوفان کی وجہ سے لائن میں جو خرابی ہو گئی ہے۔" ملا کی مام نے جواب دیا۔
 "اوہ شیٹ اگ کیا کریں۔ اگر ہر لوگ دقت پر مگر نہ پیچھے تو ہمارے گھر والے تو بہت پریشان ہوں گے۔" نفا نے مگر مدنی سے ہاتھ ملے ہوئے کہا۔
 "تم کو گھبراؤ نہیں۔ بات تو پریشانی والی ہے۔ لیکن فی الحال ہر لوگ کچھ کر رہا ہے۔ اتفاق سے میری گاڑی کی بجائے کچھ لے گئے کی ہوئی ہے۔
 روڑ میں خود کو ٹکڑا کر کھارہ کرک چھوڑ آئی۔ میری ماں تو آج رات تم لوگ یہیں گزار لو۔ سب تک طوفان ختم جانے کا تم فون کر کے کسی نہ کسی کو بلا دیں گے۔" ملا کی مام نے فون دے دیا۔
 "نہیں اس طرح جھنجکے ہوئے دیکھ کر ملا کی مام سگڑا کرے ہوئے کہنے لگیں۔
 "بھلا تاؤ ڈیٹرنگ تو آئی تھی ایک دوسرے سے اپنا اتفاق بھی نہیں کرایا۔"
 "چلو سب سے پہلے میں اپنا اتفاق کرواتی ہوں۔ میرا نام چیلر برائن ہے۔ تم لوگ مجھے سطر کہہ سکتی ہو۔ میری بیٹی ملا ہے۔ میرے شوہر اب اس دنیا میں نہیں ہیں میں وہ دونوں بھی نہیں اس گھر میں اکیلے ہی رہتی رہا اب تم لوگ کیا اپنے بارے میں پوچھو گے۔
 "میرا نام چیلر برائن ہے۔ میری بیٹی نرینڈہ کیرن ہے۔ اور یہاں کی چھوٹی کیرن ہے۔ یہ بھی میری بیٹی فریڈیکا ہے۔" نفا نے سگڑا کرے ہوئے بتایا۔
 کیرن دین خود سے اس کے رے کا بازو لینے لگی۔ اس کی نظر ہم پر رہ کر ایک تو فون پر پڑی۔
 اس نے آگے بڑھ کر فون فریم اٹھایا اس فون فریم میں جو تصویر لگی ہوئی تھی اس میں جیٹر اور مارلا کے ساتھ ایک لڑکا بھی تھا۔
 "کیون؟" کیرن دین نے سطر سے پوچھا۔
 اچانک ہی مارلا کے چہرے کے تاثرات بدل گئے۔ اس نے آگے بڑھ کر کیرن دین کے ہاتھ سے وہ فون فریم لے لیا۔
 کیرن دین نے عموں کا کہہ دیا۔
 "اگ۔"
 "دراصل یہ میرا بیٹا تھا جو کہ اب مر چکا ہے۔" سطر نے آگے بڑھ کر وہ فون فریم مارلا کے ہاتھ سے لے کر اپنے پاس پر رکھ دیا۔
 "کیرن دین کیا کر رہی ہو کسی کی چیزوں کو بلا اجازت۔" نفا نے سگڑا کرے ہوئے کہا۔
 "اوس اوسے۔۔۔ کوئی بات نہیں۔" اب کی بار مارلا بلا سگڑا کر لیا۔
 "آج میری بین کیرن دین کی سالگرہ ہے۔ ہماری مام ہمارا انتظام کر رہی ہوں کی۔۔۔ انہوں نے پتہ نہیں کیا کیا بنا لیا ہوگا۔" کیرن دین ہنس رہی تھی۔
 "کوئی بات نہیں اتفاق سے آج میں نے بھی گھر میں ایک بلیا ہے اور ساتھ میں دوسری چیز بھی ہے جس میں تم لوگ اپنے کپڑے بدل لو پائس کے پانی سے بالکل بھیگے ہوئے ہیں۔" سطر نے دلاس دینے والے انداز میں کہا۔
 "تم لوگ میرے کپڑے پہن سکتی ہو۔"
 "ملا نے خوش اخلاقی کا مظاہرہ کرتے ہوئے کہا۔
 "نہیں میں اس کی آپ لوگ مگر نہیں ہماری گاڑی میں ہمارے کپڑے رکھے ہیں۔ ہم ہلدی سے دو لے آئے ہیں۔" کیرن نے اسے ہاتھ کے اشارے سے منع کرتے ہوئے کہا۔
 "چلو لکھ ہے کسی تہیاری مرضی۔" ایسا کرتی ہوں میں بھی تم لوگوں کے ساتھ آئی ہوں۔" ملا نے ایک بار ابرہہ کہا۔
 "نہیں ہم خود ہی لے آئیں گے۔" کیرن نے

بھی ایک بار ابرہہ سے منع کر دیا۔ اس کے بعد یہ تینوں اسی طرح بارش میں چھٹی ہوئی اپنی گاڑی میں سے نکلے ہوئے کپڑے پہنے لے آئیں۔
 "ابھی کچھ گرم کرک پانی سے شاور لو ملا نے کہا۔
 "یہ سن کر وہ تینوں خوش ہو گئیں۔ مارلا اور جیٹر انہیں فرسٹ طور پر لے آئیں۔
 "یہ لوگ فرسٹ طور پر رہتے ہیں۔ مگر ڈیٹرنگ پر بھی کسی جاتے ہیں۔" ملا نے بتایا۔
 "اور سیکڑہ طور وہاں پر کیا ہے؟" یہ سن کر جیٹر اور مارلا عجیب سی ہو گئیں۔
 ملا عجیب نظروں سے کیرن دین کی طرف دیکھنے لگی۔ یہ لوگ سیکڑہ طور پر بھی نہیں جاتے کیونکہ وہ اسب زدہ ہے۔ سطر نے کیرن دین کو گورے ہوئے جواب دیا۔
 "کیرن دین کو اس کا۔۔۔ انداز پینڈ میں آ گیا ہے۔ اچھی طرح سے یاد تھا کہ اس نے سیکڑہ طور کی کوئی چیز کسی کو کھڑے ہوئے دیکھا تھا لیکن وہ چپ بورہی ہے۔ اس کے بعد کیرن دین اپنے کپڑے لے کر باہر قدم میں آ گئی۔
 اس نے اپنے کپڑے اتارے اور ہاتھ میں بیڑی لگا کر کھڑکی سے نکلتے ہوئے گئی۔ اس پر نیندا عادی ہوئے گی۔ لیکن تھا کہ وہ ابھی سو رہی تھی اس کا آگے سے سیکڑہ طور پر کسی فریڈیکا جیٹر کے منہ سے جانے کی آواز سنائی دی۔ وہ سب ڈائزن کر خوف زدہ ہو گئی۔
 وہ آوازوں پر غور کرنے لگی۔ اسے ایسا لگا کہ جیسے اوپر کوئی چل رہا ہو۔ اسے خوف ایسا ہی بڑھ گیا کہ سرایت کرتا عموں ہوا وہ ہلدی سے شاور لے کر باہر قدم سے باہر نکل آئی۔
 "میں نے ابھی سیکڑہ طور پر پہنچ کر وہ جس جگہ جیٹر آواز پر سنئی تھی۔" ابھی آپ لوگوں میں سے کوئی سیکڑہ طور پر گیا تھا؟"
 "میں نے بتا دیا تھا کہ وہ اسب زدہ ہے۔ وہاں کوئی نہیں جاتا۔" سطر نے جواب دیا۔
 "دین میں نے سیکڑہ طور کی کوئی چیز کسی کو کھڑے ہوئے دیکھا تھا اور اندر دیکھی بھی ہو سکتی تھی۔" کیرن دین نے اپنی بات پر زور دے دیا۔
 "نالی ڈیٹر وہاں تک اسی انتظام نہیں ہے۔ جاؤ مارلا انہیں ان کا کہہ دو۔" سطر نے ملا سے کہا۔
 مارلا انہیں اپنے ساتھ لے کر ایک عالی شان سے کمرے میں آ گئی۔
 "کھانا بنے میں ابھی تھوڑی دیر ہے جب تک تم لوگ اطمینان سے آرام کرو۔" اس کے بعد مارلا دین سے چل گئی۔ اس کے جاتے ہی کیرن دین ان دونوں کی طرف کھوی۔
 "پلوڈ اور سیکڑہ طور پر چل کر دیکھتے ہیں کہ وہاں کیا ہے۔" کیرن دین نے بڑبڑاتے ہوئے کہا۔
 "اگ لائیو؟" نفا کی خوش فکری نے لگی۔
 "اگلے ہی میں تم دونوں کا دماغ خراب ہو گیا ہے۔ کیا۔۔۔ اگر میں چار چل گیا تو۔۔۔ میں کوئی چرچا ڈاکو سمجھوں گی اور دیکھنے دے کر کمرے ٹال دیں گی۔" کیرن نے کہا۔
 "تم تو بس بڑی ذہنی رہا۔ میں اور نیندا تو سر اور ہاتھ میں گئے۔"
 "چلو مجھے پھر تے ہیں۔"
 "اب ہلدی چلو۔" نفا نے کہا۔
 "جیسے ہے کہ خراب ہے۔"
 اس کے بعد وہ دونوں دروازہ کھول کر تیزی سے کمرے سے باہر نکل گئیں کیرن دین روکتی ہی وہ نکل کر دین اور نیندا کے پاس میں تو نہیں ہیں تھیں۔ جب انہیں اطمینان ہو گیا تو وہ دونوں اوپر کی طرف چلے گئیں۔
 اور سیکڑہ طور پر پہنچ کر وہ تھراں دیکھ دیکھ دیکھ دیکھ لائیں۔ ان میں انہوں نے دیکھا کہ وہاں ایک بہت بڑا سا کچن تھا۔ یہ جہاں پر کھانا پینے کی مختلف اشیاء رکھی ہوئی تھیں۔
 "ابھی چھوٹی تھی اس کی وہاں تک اسی انتظام نہیں ہے

ہوڑا کر دیکھ کر یہاں کیا کیا ملازمت ہمارے ہیں۔" کیوں نہیں نے سوچا کہ یہاں تامل سے ہونے والے مصائب کھلے۔

یہاں سے جلدی سے آگے بڑھ کر فریج کا دروازہ کھول ڈالا۔

"ذرا دیکھنا یہاں بڑے پتھر کے کین کنز رکھے ہیں آؤ بیٹے ہیں۔" وہ دونوں بہتر کے کین اسے ہاتھ میں لئے باہر ہونے پر آ کر بیٹھ گئیں اور درک کرنے لگیں۔

"یہاں کہاں کوئی کیمیا تو کیا ہوگا؟ کچھ سے خیال سے ہم لوگ کچھ نہیں چلتے ہیں۔" علی گھر ہوئی۔

"اگر کچھ نہیں ہوگا تم نے دیکھا نہیں وہ دونوں سختی بڑی جھوٹی ہیں ہم سے کیا کیا کچھ رہی تھیں۔" کیوں نہیں نے ایشیا سے جواب دیا۔

"لیکن یہ بھی تو سوچو کہ یہ پتہ نہیں آخر کیسے لوگ ہیں جہم سے اس طرح جھوٹ بولی رہی تھیں۔

اس تم فکر کیوں کرئی ہوو۔ دونوں تعداد میں وہیں اور بہت کم تھے۔ وہ جہم کا وہاں کچھ نہیں بگاڑتیں۔ غمزدہ میں ڈیپ فریج میں دیکھتی ہوں۔ شاید وہاں کھانے کے لئے آتش کریم رکھی ہو۔" یہ کہہ کر کیوں نہیں ڈیپ فریج کی طرف غصی کر کے اچانک ہی ایک کمرے کا دروازہ کھلا اور اندر سے دلی لڑکا باہر آیا جس کے ہمارے میں محضر نے تپا ہاتھ کر اس کا بیٹا سے اداس پرچکا ہے۔ وہ دونوں اسے دیکھ کر بیٹھیں۔ ان کے پاس کین کی بیٹھیں سن کر جھٹکے، مارا اور کینز ادھر آدھا۔

"یہاں کیا ہوا ہے؟" جھٹکے نے غصے سے پوچھا۔

"تم لوگ آخر کسی کی اجازت سے ادھر آئیں۔" وہ لڑکا چپ چاپ رہنے لگا۔

"چٹا بیگ ایسا گرد کر کے اپنے کمرے میں جاؤ۔" کین کی سخت تیران پریشان ہوئی۔

"جیسے اس سب کی وضاحت چٹیں کر سکتی ہوں۔ بیٹوں نے ایک مجلس مالدس کرنے سے ہونے کھل۔

کیوں نہیں، کین اور بیٹھ تیروں اس کی طرف دیکھ رہی تھیں۔ پھر یہ سب بیٹھے غور پر آ گئیں وہ سب درانک دم میں ہونے پر بیٹھ گئیں۔

"ہاں اصل میں یہ ہے کہ میرے بیٹے کی جھگڑتا سے چھوڑ کر کین اور کے ساتھ چلی گئی تھی۔ اس کے بعد سے میرے بیٹے کی وقتی حالت بگڑ گئی ہے اسے لڑکیوں سے شدید نفرت ہوئی ہے وہ جب بھی کسی لڑکی کو دیکھتا ہے تو اسے نقصان پہنچانے کی کوشش کرتا ہے اس لئے میں اسے بیکند غور پر رکھتی ہوں میں نے تم بچوں سے مجھوت ہوا اس لئے کہ میں نے شرمندہ ہوں۔ مجھے اسید ہے کہ تم لوگ ہمیں صاف کر دو گے۔" سوپر واقعی شرمندہ دکھائی دے رہی تھی۔

"کھانا تیار ہے ایسا کرتے ہیں کہ چل کر کھانا کھاتے ہیں۔" اس کے بعد یہ سب لوگ ڈانٹک ہال میں آ گئے۔

لیغا اور کین نے کھانا شروع کر دیا ان کے ساتھ ساتھ کین وین نے بھی کھانا شروع کیا یہ لڑکیوں میں ایسا کر کے ایک قسم کا ناؤز تھادی بڑھ گئے۔

"ہاں۔" لہلا نے سکرماٹے ہوئے کیوں نہیں کی طرف ایک جھری بڑھائی۔

کیوں نہیں کا ہاتھ کچھ بھی کھانے کو دل نہیں چاہ رہا تھا۔ لیکن اس نے بڑی قوت اپنے ہونٹوں پر سکرماٹے سٹاپی اور چھری کی مدد سے ایک کاٹ دیا۔

لہلا اور سوپر نے تالیاں بنایاں اور اپنی رہنما ڈے کر یوگا۔

"یہ پرائیوٹ تو کالی پرچکا ہے سب میں اپنے کمرے میں چل کر نام کرتی ہوں۔" اس کے بعد کیوں نہیں وہاں سے نکل آئی۔ اس نے ایک کمرے کا دروازہ کھول کر دیکھا وہ کمرہ اچھا خاصا فرشتہ تھا اور سامنے دیوار پر جھٹکے کی جوائی کی تصویر لگی ہوئی تھی جس میں وہ کسی آدمی کے ساتھ کھڑی ہوئی تھی۔

"ہونہ ہو یہ ضرور دیکھ کر کمرہ ہے۔" کیوں نہیں منہ ہی منہ میں بڑبڑاتی اس کے بعد وہ اندر کے شام گھسی گئی وہ اس کے کمرے میں رہی الماری کی دروازہ میں کھل کھول کر دیکھنے لگی کچھ اچانک اسے کسی کے ہاتھوں کی سی آواز سنائی دی۔ یوں لگا تھا کہ کوئی اس کی طرف آ رہا ہے۔ کیوں نہیں کی کچھ بھڑک آیا تو وہ بیٹے کے نیچے

چھپ گئی۔ اسے میں کمرے کا دروازہ کھلا اور جھٹکے آواز سنائی دی۔

"کیوں نہیں کیا تم اندر ہو۔" کیوں نہیں دم سادے بستر کے نیچے چھپ چکی ہوئی تھی۔ اچانک ہی مارلا کے ہونے کی بھی آواز سنائی دی۔

"نام کیا آپ نے کیوں نہیں کو دیکھا کہیں وہ پاگل یہاں تو ہیں آئی۔ لیکن اس نے ڈیپ فریج راکھو تو کین، کینز، دلی گھرت کر جھری پٹی۔ وہ ایسا بھی نہیں کر سکتی کیونکہ ڈیپ فریج راکھ پر اسے اور اس کی چالی میری الماری کی دروازہ رکھی ہے۔" سوپر کے ہونے کی آواز سنائی دی۔

"پھر بھی نام نہیں اپنی قلی کر لیتی چاہئے ایسا کرتے ہیں کس کے کمرے میں چل کر دیکھتے ہیں کہ وہ اپنے کمرے میں سے بھی پائیں۔"

"لیکھ ہے چلو دیکھتے ہیں۔" سوپر نے جواب دیا۔

پھر وہ دونوں کمرے سے باہر نکل گئیں۔

"اے خدا اب کیا ہوگا کہیں آپ چلے گا کہ میں اپنے کمرے میں نہیں ہوں۔" کیوں نہیں تیزی سے بیٹے کے نیچے سے نکلے اس نے کمرے میں رہی الماری کا دروازہ کھولا اور دروازہ کھول کر چھپ چکی چھپا چھپا سب باہر نکال لیں۔ اس کے بعد وہ تیزی سے کمرے سے باہر نکالنے والے دیکھا کہ مارلا اور سوپر اس کے کمرے کی طرف جا رہی تھیں۔

وہ تیزی سے ٹی وی لاؤنج کی طرف ہوئی اس نے ٹی وی آن کیا اور منے پر بیٹھ گئی۔

تھوڑی سی دیر میں مارلا اور سوپر بھی وہاں آ گئیں۔

"تم یہاں کیا کر رہی ہو۔" لہلا نے تیزی سے پوچھا۔

"اوہ آئی ایم سوری میں ایک باہر پر آپ لوگوں کو بتاتے بغیر آپ کے گھر میں کھانا شروع ہو گئی۔"

"کیوں نہیں نے بظاہر شرمندگی سے کہا۔

"مہرے نہیں نہیں ایسی کوئی بات نہیں ہے ڈیئر

اگر تمہاری دلی دیکھنے کو دل چاہ رہا ہے تو کچھ دیکھو۔"

"اس کا مطلب آپ نام نہیں ہیں؟"

"نہیں بالکل نہیں۔" سوپر نے سکرماٹے ہوئے جواب دیا تو کیوں نہیں بھی سکرماٹے۔

☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆ ☆

کیوں نہیں، کین اور بیٹے کے ساتھ اپنے کمرے میں بیٹھی تھی یہ لوگ اس وقت سونے کی تیار کر رہی تھیں۔ کیوں نہیں نے ڈیپ فریج دروازہ چاہوں والی بات انہی کی بات کی تھی۔ وہ بیٹوں کے ہونے کے لئے لیٹ گئیں۔ لیکن کیوں نہیں کی آنکھوں سے نیند کھول دو گئی۔ نیند تو کین اور بیٹے کو بھی نہیں آ رہی تھی کیونکہ وہ دونوں خود بھی یہاں چھپ جانے کی وجہ سے پریشان تھیں۔ لیکن کہیں کہ نہ نیند تو سولی پر بھی آ جاتی ہے کچھ دیر بعد کین اور بیٹے دونوں کی آنکھ کھلی۔

البتہ کیوں نہیں ابھی تک جاگ رہی تھی کیونکہ اس کے کچھ سوچ رہا تھا اسے اس موقع کا انتظار تھا وہ خاموشی سے بستر سے اٹھی اور دروازہ کھول کر کمرے سے باہر نکل آئی۔

اس نے اپنے پیچھے دروازہ آہستگی سے بند کر دیا اب وہ اپنے پاؤں پر جھانپ رہے تھے اس نے اپنے سینڈ غور پر قدم پر قدم سے ایک اٹھانا سا خوف محسوس ہوا۔

وہ دیر سے دھیرے دھیرے چلتی ہوئی ڈیپ فریج راکھ آ گئی۔ اس نے اپنے پاس سے چھپا چھپا لیں اس کی بار بار داری کر کے پھر چلی تو لگا کہ میں لگا نہ لگی۔

تھوڑی سی دیر کے بعد ایک چالی سے ڈیپ فریج میں کیا کیوں نہیں نے دھڑکنے والے ساتھ ڈیپ فریج راکھ اندر کے رنگ کے مختلف شاہزادہ رکھے ہوئے تھے۔

کیوں نہیں نے ہاتھ بڑھا کر ایک شاہزادہ لہلا اور اسے فرس پر اس دہان کے ساتھ ہی کیوں نہیں کے متعلق سے شک و شبہ نہیں گئیں وہ کسی لڑکی کا لٹا ہوا تھا۔

کیوں نہیں خوف سے بری طرح کا پھینک گئی وہ بھاگنے کے لئے پیچھے ہٹتی تو دیکھا کہ محضر اور مارلا اس

Dar Digest **106** February 2018

اچانک لوگوں نے ایک ناقابل یقین منظر دیکھا انسانی وجود سے دھواں نکلنے لگا اور پھر اس دھوئیں نے ایک بندریا کا روپ دھار لیا بندریا بہت اچھل کود کرنے لگی مگر.....

خوف دہراں کے گرداب میں غوطہ زن عجیب و غریب دل کو بہت کرتی چادری کہانی



لوہری کی آدھ لٹائی دی تو سب نے چنک کر اسے دیکھا۔
مناس کر سرادھنکو کی پتی تو جہیں کر سیدی اس کے پاس
جا کر مٹی ہوئی۔
”جلدی تباؤ“ سرادھنکو کی پتی نے بے تابلی

خود ہی تباؤ کیا یہ انسان ہادی زبان کچھ کہتے ہیں؟“ کھنا
ہی نے سب کی ہمارے بھجائے ہوئے کھا۔
”میں تم کو ہی زبان بول پاؤ گی.....“ گینڈے
نے سوار کیا۔

سے کھا۔
”اس جھگ کے آخری کندھے پناہک آدی
رہتا ہے دو ہل ایک جھونڈے سہرے رہتا ہے وہ چاروں کی
بولی بھتا ہے وہ بہت طاقتور ہے وہ آدھ سکی ہے کھانے
کے لیے کھلات ہیں اس میں۔ بیان سے باہر ہے مجھے
محل نہیں ہے کہ وہ کھانے کام آسکتا ہے۔“ بی لوہری
نے دیکھا کہ وہ کھا۔

نئی ہی در بحث و مباحثہ کا سلسلہ جاری رہا لیکن
بول ہے سرادھنکو سرادھنکی پتی کے کانوں پر جوں تک
ریک جاتی وہ سوتا رہتا رہتا۔ اس کی ضد اور ہمت ہری
کو کہتے ہوئے پلا خرم سے کھانا پڑنے لگا لوگوں کی
طرف ملبہ دینے۔
”عدہ ہوتی ہے ہوت دھری کی۔“ سرادھنکو نے اپنی
پتی کو کھانے والی آکھوں سے کہتے ہوئے کھا۔
”میں چھوٹا ہی کی شہزادی اسے کی کر دی۔“
سرادھنکو کی پتی نے بدستور اپنی ضد نہڑنے کو کھا۔

اس وقت سرادھنکو اپنی جلی کے ساتھ موجود تھا
ساری جلی اسے کھانے ہی کی گودہ سوتا رہتا رہتا۔
”کیسے کر دی شادی اس سے۔“ سرادھنکو
نے پوچھا۔
”یہ ہائی ہوگی ہے۔ میں اسے کیسے
کھانا اس سرادھنکو کی بہوولی۔
”میرے پاس اس کا دل ہے۔“ اچانک انہیں بی

”ایک نہایت ہی عقائد حرکت ہے سرادھ آپ
کا پتی پتی کو بھانا چاہتے ہیں کیسے ممکن ہے انسان نہ
وقت ہمیں یہاں نظام بنانے پر اجازت دے شادی۔ مجھ میں نہیں
آتا کہ خیر یہ کسی حرکت ہے؟“ سب کی بار جگہ کے شہنشاہ
راجہ نے فرما دیا۔
”ہم سے اسے بہت کھانا ہے سرادھ مگر یہ نہیں
اس کی عقل میں بات کیوں نہیں سمجھ رہی۔“ سرادھنکو نے
راجہ شیر کی بات سن کر جواب دیا۔
”نہیں ہی ایک انسان اور جانور کے ملاپ کا کوئی
تصور ہی نہیں ہو سکتا۔“ بی لوہری بولی۔
”کیوں نہیں ہو سکتا۔“ سرادھنکو کی پتی نے چپ کر لی
اور اس نے جلی اندر جانوروں کی طرف کیا۔
”موت کسی سے بھی ہو سکتی ہے اور یہ بھی
ہمارے اور انسانوں میں زیادہ فرق نہیں ہے۔ ہادی ان
کی شکلوں میں بھی زیادہ فرق نہیں ہے۔“ فرق صرف
سوج کا ہے۔“
سرادھنکو کی پتی کی بات سن کر سب روتے حیرت
میں چلا دیے۔
”میں کوئی بات کو کہنے کی کوشش کر رہا ہوں۔ جو بات ممکن
ہے وہاں اس وقت شاخ کہنے کا کوئی فائدہ نہیں ہے۔ بہلا

پورے جھگ کے چاروں ایک کھلمیراں میں
اسکے سب کی سوالیہ نگاہیں بندوں کے سرادھ
پورے سرادھنکی ہوتی ہیں۔ مسئلہ یہ اس تھا کہ کسی کو قیام
ہی نہیں ہو رہا تھا۔ وہاں کے سرادھنکو کی پتی ایک انسان
پرندہ ہوئی تھی اور وہ چاہتی تھی کہ اس کی شادی اس انسان
سے کی جائے مگر یہ ممکنات میں سے تھا۔ ایک نا ممکن
اور قابل حیرت بات تھی۔ یہ بات ہرے جھگ میں ہلک
جھپکتی ہی پھیل گئی تھی۔ جیسے جیسے چاروں کو پتہ چلا کہ سب
اکٹا ہو شروع ہو گئے اور جلد ہی جھگ کے وسط میں واضح
میدان چاروںوں سے بھر گیا۔
سرادھنکو اس کی جلی ایک طرف سر جھکا
بیٹھی تھی جبکہ ایک درخت کی شاخ پر ان کی پتی حلقہ لگا
بیٹھی تھی یوں لگتا تھا جیسے وہ بہر صورت اپنی ضد نہڑنے
پر لڑتی ہیں۔
”سرادھنکو کی بات درست ہے کہ آپ کی پتی ایک
انسان ہے جس میں تم سے؟“ پلا خرم بی لوہری نے غامض
کے لیے طلسم کوڑ ڈھوپ بہتیں گوش ہو گئے۔
سرادھنکو کی جلی نے غیبت بھری آنکھوں سے
بی لوہری کو دیکھا اور سر جھکا لیا جبکہ ان کی پتی نے ایک
سرری کی نگاہ بی لوہری پر لائی اور تیز مڑ کر بیٹھی۔

لوہری نے تفصیل سے بتایا۔
 ”جس بھی نے جلوس کے پاس“ سردار منگو کی
 پٹی نہ کہا۔
 میں سب بی لوہری کے پیچھے پیچھے چل پڑے
 اور چل دی وہ اس مجبوری کے سامنے جس کے اعنود
 شخص رہتا تھا۔ لوہری نے بتایا تھا۔
 ”اعنود“ جادو، ”کدھول“ کی ساعت سے ایک ذرہ
 مرانا اور دھڑکنے کی بجائے چمکنا۔
 ”میں کبھی کی کہ بہت اہم دھارا تھا ہے۔“ بی
 لوہری نے شانے اچکاتے ہوئے کہا قوس بہت ستر
 ہوئے کی بعد دیگر سب اہم داخل ہو گئے۔
 انہوں نے دیکھا کہ اس کھڑی میں ہندو ایک
 نہایت ہی بدورت اور بدھ کی شکل کا لے رنگ کا پناٹا
 انسان بیٹھا تھا اس کی شکل سے معلوم ہوا تھا کہ ایک لمبے
 سے عرصہ وہ شاید پانی کے نزدیک کبھی نہیں گیا تھا اس کے
 سر اور لائی ہوئی ہونے میں کبھی کوئی ہونے کی اس کے
 اٹھنے سے پسند میں پر کبھی کبھی ہونے بیٹھ گئے۔
 ”میں ایک ضروری کام کے سلسلے میں آئے ہیں۔
 معاملہ کا کی جرت انگریزوں کا تین عین سے مگر آپ کے
 پاس بہت امید ہے آئے ہیں کہ آپ وہی دیکھ کر میں گئے۔
 ”لوہری نے آئے کی جہان کر کے ہوئے کہا۔
 ”میں سب چاہتا ہوں، میرے علم نے مجھے پہلے
 ہی آگاہ کر دیا ہے۔“ اس شخص نے جواب دیا۔
 ”کیا آپ کی آواز کا علم ہے؟“
 سردار منگو نے جرت سے انھیں پہچانے ہوئے پوچھا۔
 ”آپ نے ابھی تک دیکھا کیا ہے سردار منگو؟“
 اس شخص نے سردار منگو اس کے نام سے مخاطب کیا تو سب
 چمک اٹھے۔
 ”میں تو آپ کی پشتوں تک کے بارے میں
 سنا سکتا ہوں آپ کے دھار پھار کے بارے میں سنا سکتا ہوں
 آپ کو ہر ایک کا پانی اور کھانے میں سبز زہرہ پندہ
 رکھنے کے مشہور اور اجیر سے آپ کی بدھ نعتی سے کبھی
 سے کہاں نے آج تک آپ کے کائنات کا ذکر نہیں کیا“

”میں اسے انسانی روپ، دلاؤں گا لے کر طے ہے
اور اسے اتنا خوب صورت بنائوں گا کہ دنیا کو دکھ جائے گی۔
پھر ان دلوں کا ملاپ آپسانی ہوگا۔“ ہمیش پتہاب نے
جواب دیا۔
”کیسے ممکن ہے ہمارا جگ کیا یہ بندہ یا انسان کے
روپ میں تبدیل ہو جائے گی۔“ اپنی اوسڑی نے حیرت سے
پوچھا۔
”میں جیسا نہ ہو کوساں کی خدمت کی وجہ سے ہم اسے
کھنڈہ کریں۔“ سردار کنکو کی ہولنی۔
”کوئی نہیں ہوگا آپ کی اپنی کو جو برسرِ رکو کھ
پر۔“ ہمیش پتہاب نے کہا۔
”مگر ہمارا جگ۔“ اپنی اوسڑی نے اپنا ہاتھ مکر میں
پتہاب کے ہاتھ کے منہ سے اسے چپ کر دیا۔
”کب جب شہر پر حملہ کر دے گا تو وہ حالات
کا سلسلہ ختم نہ ہو تو لوگ ہمارے کارے میں ہی چھوڑ جاوے گا
بلکہ تم لوگوں کو تو خبر ہی نہ لے دوں۔“ ہمیش پتہاب
نے آگے نکلا کہ سردار کنکو اپنی کو میں چھوڑ کر سب رات
رفتہ رہیں سے چلے گئے۔

☆ ☆ ☆

”میری بات کو سنے سن لو ہمیں ایک ایسی صورت
کا جسم دلائے جس سے مرے چمٹنے ہوئے ہوں یا پھر اگر تم
میں ایک زندہ صورت کو لے کر تو میں تم سے بہت زیادہ خوش
ہو جاؤں گا۔“ جتنا بھی خوش رکھی اتنی تمہارے لے
آسانی پیدا ہوتی جا نہیں گی۔“ ہمیش پتہاب نے
سردار کنکو اپنی سے کہا۔
”ہمارا جگ میں کی صورت کو کیسے دلا سکتی ہوں کیا
آپ کوئی اس کا عمل بتا سکتے ہیں؟“ سردار کنکو اپنی
نے پوچھا۔
”جہاں میں تمہارے جسم پر ایک خوشبو لگاؤں گا۔
نفسِ خاص کے تھنوں سے بھی وہ خوشبو پھرنے لے دوں گی
تو اگر تمہارے پیچھے چل پڑے گا تو اسے اس کا اور خوش
خوب صورت اور چہرہ لڑی کے لگاؤ کی اتنا تمہارے لے
ہوگا۔“ یہ سن کر خوش کنکو نے ہاتھ لڑی تمہارے مطالبہ پر

پانچ گنیں ساٹھہ جاتے ہی سردار منکوی پوتی احمد اہل ہوئی
تو اس کے پیچھے پیچھے وہ لڑکی بھی احمد اہل ہو گئی۔ میٹھ
رہا نے سردار منکوی لڑکی کو دیکھا۔

”یہ جادو وہی“ ہمیشہ پرتاب نے لڑکی کو حکم دیتے ہوئے کہا تو لڑکی اپنی کتابیں اسی طرح سینے سے چپکائے گھاس پھوس پر لیٹ گئی پھر ہمیشہ پرتاب نے سردار منگو کی ہنسی کو مخاطب کیا۔ ”اگر جواب بھیجے تو صوفیہ کمر لائی ہو۔“

”میں چاہتی ہوں کہ میں اتنی خوب صورت نظر آؤں کہ میرا عجب پہلی نظر مجھے دیکھتے ساتھ ہی مجھ پرندہ ہو جائے۔“ سردار منگو کی ہوتی ہے کہا تو ہمیشہ پرستار نے دل کھول کر فضا میں اُتھیر بیٹھ گیا۔

”ابھی سوچ ہے“ میں نے پتاپ پڑا۔
 ”اب جیسا میں کہتا ہوں ویسا کرتی جاؤ۔ اس حینہ
 کی مدد کو ہمیشہ کے لئے سلا کے میں تھہری مدد کو کھی
 اس کے جسم میں داخل کرنے لگے ہوں۔ اس کے ساتھ لیٹ
 حائل اور جب تک میں زندہ آکھیں ہندو کھا۔“

حسین کے ساتھ لیت گئی اور اس نے اپنی آنکھیں بند کر لیں۔
تھوڑی دیر میں وہ اب اس کے سامنے بیٹھ کر آئی باقی
دائے آنکھیں بند کر کے کئی ستر پر دستار باندھا۔ پھر اس نے
تقریب ہی پر کسی جانور کی گھوڑی کا کھانا اسی میں کچھ
اشامہ لگا دیا اور اس کے سامنے لگا کر گھوڑی سے وہیں نکلے گا۔
پھر وہیں سرور ملے گی۔ پنی اور اس حسین کے خاک کے
دائے ان کے جسم کے اندر داخل ہونے لگا۔

پھر جانک وہ دھول ہوئے تھمے گا اور وہیں کی جگہ
آگ نے لے لی کہ جسے یہ بات یہی کہہ دے گا کہ گھوڑی
کلعتان میں پہنچا رہی تھی۔ تھوڑی دیر بعد وہ آگ
ماندرونی اورا کھنچ لے گی۔ بیش پر تاب نہ دے گا کہ سرسنگو
کی پانی کی چٹائی پر پھینک کر دوسرے ہی سے لے آئے ایک
زوردار ٹھکانا کہ اوترب ہی سرورسنگو کی پانی کی ناک سے
وہیں نکل کر اس لڑکی کی ناک کے راتے اس کے جسم میں
داخل ہوئے لگا تھوڑی دیر تک یہ عمل جاری رہا اور پھر وہ

[illegible]

پہا پہلا۔
 ”سب سے پہلی بات مسلمانوں سے حدود رہا اس
 لڑکی کا تعلق مسلمان گھرانے سے ہے۔ ان کی تہذیب و ثقافت
 اور طرزِ فہم یقیناً کھانسنے سے بڑھ کر ان کا یہی مقدس کتاب
 کتبِ پاک مل جھونے کی گھللی بھی مت کرے۔ گورنری
 تعویذ دھا کی کورم دور دور سے بھی کرتا ہے۔ انہما جو خوب بھی
 مسلمان سے باہر مکان ہوں ان کی طور پر بھی گورنری
 دہن تہذیبی مداح اس کے جسم سے ٹکر کر دہن تہذیبی مداح
 جسم میں آجائے گی۔ اور اس کی کوئی نہ جا کہے گی۔“
 ”یہا کی صورت تہذیبی مداح“۔ یہا کی کوئی نہ جا کہے گی۔
 اور اس سے اصل صورت کی کوئی نہ جا کہے گی۔ یہا کی کوئی نہ جا کہے گی۔
 بخت نے اچھی بھی اچھی کی۔

گلوٹیوں کے چھوٹے بڑے گلوٹوں اور کھاس
پھولس کو اپنے دھڑے پر پھینک کر اس نے آگ لگا کر آگ
نے ہلک جھپٹے میں اس کے جسم کو ہی جلانا شروع کر دیا
پھر وہ ہاتھ ہٹاؤنی ہوئی دو درہہ واہیں پیش پرستاب کے
مجموعہ بڑے سے داخل ہو گئی۔

”ہماری لاش کو یہ کیا کر دیا ہے تم نے۔۔۔؟“ عیش
پرتاب نے ناگواری کے عالم میں کہا۔
”اگر آپ تمہاری روح کو کسی وجہ سے اس کے جسم
سے نکل کر مٹی کو توڑا کہاں جائے گی رو؟ جب سے اس کا

”مطلوبہ ختم نہیں ملے گا تو درمیانی تک (جہنم) میں جا سائے گی۔“

”مہم درجہ ایسا کبھی نہیں ہوگا، جس میں کاجہم کبھی نہیں ہوگا۔ ہر آدمی کے لیے ایک نصاب ہے۔ بہت کم ہو سکتا ہے کہ آپ جیسا کہ میں بتا رہا ہوں۔ مجھے بھی مثال دینا ہے کہ میں درجہ درجہ کرکوں۔“

”مرد و عورت کی اپنی پہلے سے خواب مکمل آگے نکلیں۔ سب کے لیے وہ ہے جو ہے۔“

”شیطان نے یہاں تک بھی پہنچا دیا کہ اس کی حاصل شدہ شے نہیں کرتے۔“

”میں صبر ثابت ہو گا۔“

”جتنا شیطان دیر کا مٹی رکھو گی اتنا ہی تمہارے لئے بہتر ہوگا۔ میں تمہیں غلیات بتا رہا ہوں گا بس تمہیں محنت کرنی ہے۔“

”یہی اس کا پہلا علاج“۔ سردار علی چلی ہوئی۔
 ”قل اس کے کہ اس لڑکی کے اہل و عیال اس کی
 تلاش شروع کریں تم فوراً وہیں پہنچو اس کے گھر جاؤ۔
 سب کا وہ دیکھو اور سب باتوں پر توجہ دو۔ جس کام کی یا
 شے کی کچھ بھی نہ دے دماغ کی صلاحیتوں سے کام لیتا
 اور سمجھ اُجھاتے کی۔ یا مجھے پتا نہیں کہ عائدہ جہادی
 کی کون کون کجاؤں پر کجاؤں؟“ ”یہ سب آپ نے سمجھنا عائدہ
 نے کہا تو سردار دیکھ کر چلی گئیں سینے سے لگائے
 ہوئے سونے سے ابھر چلی۔
 اس کے جسم کی جلی سزی جی ماکہ کا گود
 میں سے کچھ اُٹھ گئی۔

”ہوں یہ بھی کوئی دھمکی ہے اصل دھمکی
مناوانوں کی کھتی شہداء پر ہے۔“

”رجو بیٹا کہاں چلی گئی تھی تو ہانتی ہے میں کتنی
بیٹھان ہو گئی تھی۔“ اس عورت نے پریشانی کے عالم
میں کہا۔
”کب کی چھٹی ہو گئی تھی۔ تیرے ابو اور بھائی

کے آنے کا وقت بھی ابھی باقی ہے۔ میرے تو قدموں تلے سے زمین نکل گئی تھی۔ اس پر ڈوس سے بھی پتہ کیا تو تمہاری ایک سہیلی نے بتایا کہ تم کسی بندہ پا کے پیچھے نکل میں جانی ہوئی دکھائی دے گی تو میں فوراً دھڑا کر آئی شکر سے تم مل گئی۔“

میں نے پربت کی عازرہ کی اولاد کی سماعت سے
 طرکی قواس سے چھٹا کر سامنے ٹھہری عورت اس لڑکی کی کہیں
 ہے جسے جو کچھ کر پکارا گیا قواس اس کے ساتھ چل پڑی۔
 ”اے ماہر بہت خوبصورت بندہ یا تمی۔“ جو عرف
 سردار منگو کی بیوی بولی۔

”نجانے کیوں وہ مجھے بہت اچھی لگی اور میں اس کے پیچھے بھاگی مگر وہ اچھلتی کودتی نجانے کہاں کی کہاں غائب ہو گئی تو میں واپس آ گئی۔“

”تہ تمہارا بچہ نہیں ہے بیٹا۔ اس کی ماں یولی۔“
 ”اب تم عاقل رہنا۔ جو ہر اچھے برے کی پہچان
 کرتی ہو۔ ہر لوگ عزت دہیں معاشرے میں اہل ایک
 مقام ہے۔ اللہ نہ کہے تمہارے ساتھ کوئی کو بیٹا
 نہ ہو۔ کوئی کی کو نہ کھانے کے قابل کیل ہو؟“
 ”میں نے فیویشن نہ لیا کیا کہیں ہو؟۔“
 ”کو فیویشن نہ لیا کرو اتنے ہوئے کہ۔“

[illegible]

☆.....☆.....☆

اس کا اصل نام مذیہ تھا مگر یحییٰ سے ہی سب نے عبت سے سجدہ کر کے پکارنا شروع کر دیا۔ اقلہ جس کی وجہ سے اس کا یہ نام ہو گیا تھا۔ رسول کی کال کی طالبہ بھی رجو شروع سے ہی عبت حاصل کرنے کا بہت شوق تھا۔ چنانچہ

اسے اسلام کہہ دی ہو۔ ”ٹھانہ لولی۔
 ”میں اس سے بہت محبت کرتی ہوں میری محبت
 کی انتہا کا تم اعلان بھی نہیں کا کرتے۔“ رجنو نے جواب دیا۔
 ”بڑی مسکین لنگی ہے تو۔“ ٹھانہ نے اسے چمیزنے
 ہوئے کہا۔

ان کے اسکول کے سامنے والے اسکول میں رجو کا کھلے دار کھ مولا پڑتا تھا۔ کھ مولا بچپن سے ہی رجو بہت نذا تھا مگر جو اسے گھاس تک نہ ڈالتی تھی۔ بات یہ ہے کہ رجو نے جواب دیا تو شاعر نے غصہ من ادا کرتے ہوئے چیخے مگر وہ کیا تو کھ مولا واقعی کن کے چیخے تھا۔

ایک دُل بقیے سے قاضی مراد کو وہاں خیال میں خبردار کیا
ہوئے۔ دُل نے اپنی حاکم کا یہاں قاضی کی بات سے کہا کہ اگر کوئی
لوہی کسی لڑکے کا ایک بار سہرا کر دیکھ لے تو نہ بولے نہ لڑا
بلکہ مجھے پسے گئے خوب میں لے لیتا ہے۔

”کیوں کیا ہوا.....؟“ زونہ حیرت سے اسے دیکھتے ہوئے پوچھا۔

اس کی سماعت سے نکلے ہوئے دو چار بانی پریسٹ مینی مگرینڈاس کی آنکھوں سے کھوں دور جا چکی تھی۔ خوف کی ایک سرد

مہیش پر تاب شیطان کے بت کے سامنے سجدہ دینے

فابوس لرایا تھا۔ مئی ۱۹۱۷ء تک وہ شیطان کے بت کے
ساتھ سمجھ بیز سہلوریش پتھاب متواتر کوئی منتر آلا پتھا
پھر پہلے ہمیش پتھاب نے جھوٹے سے سر اٹھایا اور پھر اسکے

”مگر یہ؟.....؟“ جو نے سوالیہ اظہار میں اس جوان کو دیکھتے ہوئے غصہ و لہجہ اچھوڑا۔

”تمہاری اس خدمت سے ہم خوش ہو گئے

پھمٹی سے کچھ دیر پہل وہ سیدھا اسکول پہنچی۔ ہمیشہ کتاب کے بتائے گئے عمل کو وہ مسلسل کرتے ہوئے اپنی کلاس میں پہنچ گئی۔ اس کی عدم موجودگی میں کسی نے کوئی

”تم کما کرنے لگی ہو؟“ شام نے تاجگی کے عالم
میں طرف جھل پڑی۔

”جہاں اپا بارش کرے غلغلے ہوگی مجھ سے
.....”ستوش نے رام کے آگے ہاتھ جوڑے رام نے
محاکات بھری نظروں سے ستوش کو گھورا اور پھر اپنے
گھر کی طرف بھاگ کھڑا ہوا۔

”ارے..... ارے رام من تو کسی.....”ستوش
رام کو پکارتا ہوا گھر سامنے اس کی ایک نئی دیر بھر کا گھر۔
”اگر اس نے اپنے ہاتھ کو تاتیا تو..... میری
تو شامت آج اپنے کی.....”ستوش پریشانی سے بڑھایا۔

رات کے اندھیرے اب ہر طرف پیرا کر لیا تھا۔
”صبح معانی ہاگوں کا..... اگر اس سے رام کے
گھر گیا تو اس کے ہاتھ کو تاتیا جا جائے گا۔“
ستوش اپنے گھر کی طرف بڑھا وہ اپنے گھر پہنچا
تو دیا نذر فیصے کے عالم میں گھر کے کچن میں ٹہل رہا تھا۔

”کہاں سے آج اپنے تو بخت..... کدھر گیا تھا
پورا گاؤں چھان لارا مگر ڈور تیرا وہ حرای کدھر تھا
تھیں بھی نہیں ملے۔“ فیصے میں دیا نذر نے ستوش پر کئی
سوالوں کی پوچھا ڈکڑی۔

”وو..... وہ..... ہائی.....“ گھبراہٹ کے
باعث ستوش کے منہ سے کئی الفاظ نکل سکے۔
”سہا..... وہ..... وہ..... بول کہاں سے آیا ہے
اس سے تو۔“

”دیا نذر کا پارہ کا پڑ چھا ہوا تھا۔
”وو..... میں..... اور رام کھیل رہے
تھے۔“ ستوش نے بتایا۔

”اتنی چھوڑے بھی کچھ کھیلے گا نہیں تو اور کیا
کرے گا۔“ ایک طرف کھڑی راگنی ستوش کی حمایت
میں بولی۔

”جب میں نے اسے کہا تھا کہ شام کے
مندر میں ہاتھ کیسے جانا ہے تو میریوں کیلئے کیا۔“
دیا نذر بدستور فیصے میں بولا۔ ”کہا تو میں نے
بھی تھا چڑھتا ہی بول گیا ہوا کچھ ہے نہ۔“ راگنی نے کہا۔
”اے گھبراؤ راگنی اگر میں کوئی چیز مرے ہے۔
تو وہ ہے ہر دم۔“

”صبح ہے مجھ سے عجیب عجیب سوال کر رہا تھا
آئندہ مجھ سے یہ ایسے سوال نہ کرے ورنہ.....“ دیا نذر
نے راگنی کو گھما کر دیکھا ہونے لگا۔
”جھڑی۔“

”اچھا جی سمجھاؤں گی اب آپ شانت
ہو جائے۔“ راگنی نے مسکراتے ہوئے کہا۔ دیا نذر نے
ایک لمحہ بھری نگاہ ستوش پر ڈالی اور پھر بھردنی
دروازے کی طرف بڑھ گیا۔

☆ ☆ ☆
سورج آج بھی کافی فیصے میں تھا لوگوں کا مگر
کی وجہ سے برا حال تھا۔ سورج آگ ہی برسا رہا تھا
گاؤں کی گلیاں سنسان تھیں دیسے بھی سخت گرمی کے
موسم میں گاؤں دیہات کے لوگ گھروں میں دیکھ
جاتے تھے اور پتھر پتھر کو نہ لوگوں کا معمول تھا، ستوش
تھکن میں بیٹھا اسکول میں دیا گیا سبق یاد کر رہا تھا

اور راگنی بچن میں کھانا تیار کر رہی تھی اسی وقت مہراٹھ
امردا دل ہوا۔
”ہلکن.....“ مہراٹھ نے راگنی کو آواز دی
راگنی بچن سے باہر آئی۔

”کیا بات ہے مہراٹھ.....“ راگنی نے پوچھا۔
”ہاں ایک فیصلہ کرنا ہے۔“ مہراٹھ نے بتایا۔
”ٹھیک ہے اسے امردا نے آؤ۔“ راگنی نے کہا
تو مہراٹھ شانت میں سر ہلاتا ہوا باہر نکل گیا۔

ٹھوڑی دیر بعد مہراٹھ کے ساتھ ایک بڑھیا
امردا دل ہوئی جس کی کمر بھگی تھی رنگ رسوا
اور عمر کے لحاظ سے وہ 70 کی معلوم ہوئی تھی۔
”بھئی مرنے پر بھاؤ۔“ راگنی نے بچن کے

امردے آواز دی۔ مہراٹھ نے بڑھیا کو سونے پر بٹھایا
اور خود باہر نکل گیا۔
”بیٹا دیا نذر تو دنیا میں ہے یہ وہاں کافی
ہے۔“ بڑھیا معلوم نہ وہاں میں ستوش سے قاصد ہوئی
ستوش نے اثبات میں سر ہلاتا ہوا اپنی کتاب کھینچ
پر دیکر بچن کی طرف بڑھ گیا۔

”ہاں وہ بڑھیا پانی کا ٹک رہی ہے۔“ ستوش
نے کہا تو راگنی نے پانی کا گلاس دے دیا۔
”ہاں کے پاس جا کر بیٹھ جا۔“
ستوش بڑھیا کے پاس آکر بیٹھ گیا اور پانی کا

گلاس کھینچ کر کھ دیا بڑھیا نے پیار سے ستوش کے
سر پر ہاتھ پھیرا بڑھیا نے آنکھوں پر سونے
شیشوں کی غلیظ عینک لگا رکھی تھی بڑھیا نے ہاتھ میں
پکڑے ہوئے فیصلے سے گویا لٹال لیں۔

”ہیں..... ڈاکٹر صاحب تو کچھول ڈانٹا ہی
بول گئے۔“ بڑھیا نے کھینچ کر پڑی گویاں کو پرکھتے
ہوئے کہا۔
”کیا کیا ڈاکٹر نے گویاں کے ساتھ کچھول

بھی ڈالے تھے۔“ ستوش نے قہر میں لہجے میں پوچھا۔
”ہاں بھئی.....“ گھلے سے ڈاکٹر بھلیا گیا ہوا۔
”ڈاکٹر کا نمبر کونسا میں پوڑی اس ہوں کہیں غلط دوائی
کھا کر بیٹھوں کے پاس ہی نہ چلی جائوں۔“ بے کیسے
ہوئے بڑھیا سرکائی تھی کسی اس نے ہاتھ میں تھکی ہوئی

پرچی ستوش کی طرف بڑھائی ستوش نے پرچی کوئی
قوس پر ایک لمبی فون نمبر لکھا ہوا تھا اسی وقت مہراٹھ
دو دروازہ امردا بڑھیا کو گھبرا گیا ہوا تھا۔
”ہلکن.....“ اس نے بچن میں کام کرنا ہوئی
راگنی کو آواز دی۔ مہراٹھ کے لیے بے پریشانی ٹک

رہی تھی۔
”کیا بات ہے مہراٹھ..... تم تو کافی پریشان
دیکھا دیے ہو۔“ راگنی نے بچن سے باہر نکلے ہوئے
پوچھا ستوش کو درود بڑھیا بھی اسی طرف متوجہ ہو گئے
تھے۔

”میری ماں کی طبیعت بہت خراب ہے جلدی
گھر جانا ہے۔“ وہ بظاہر اجالت لینے آیا تھا۔
”ٹھیک ہے تم جاؤ پرتو میں ایک چھوٹا سا کام
کرتے جاؤ صحت پر دیا نذر کے کپڑے کھانے کے
لئے رکھے ہوئے ہیں وہ مجھے لا دو میں تین لے دوں
کے دوست کی سگائی میں جاؤ ہے میں نہ دو کپڑے

پرس کر رہی ہیں۔“ راگنی نے کہا تو مہراٹھ اثبات میں
سر ہلاتا ہوا ہمت پرچائی بیڑیوں کی طرف بڑھ گیا۔
ستوش نے صوفے کے پاس بڑے لمبی فون
کا ریسیور اٹھایا اور پرچی پر کھسکا نمبر ڈال کرنے کا مابعد
ہوئے پرس نے ریسیور بڑھیا کو پکڑا ہوا۔

”ہیلو.....“
”ہیلو.....“
گویاں میں آپ نے ایک کچھول ڈالنا تھا کھلے سے وہ
کہیں گھر گیا ہے۔“ صرف گویاں باقی رہ گئیں۔

”ہاں میں دن پندرہ منٹ تک بیٹھ جاؤں گی..... نہیں
بھئی..... ڈاکٹر صاحب دوائی کوئی کچھول نہیں ہے
صرف گویاں ہی ہیں۔“ اچھا ٹھیک ہے۔“ اتنا کہہ
کر بڑھیا نے ریسیور ستوش کو پکڑا دیا اور ستوش نے
ریسیور پر لٹل پر کھ دیا۔

اسی وقت ستوش کا دل تیزی سے دھڑکنے لگا
اس نے گھر جاکر بڑھیا کی طرف دیکھا۔ ”ہاں ڈاکٹر
بڑا اچھا آدمی ہے کہہ رہا تھا کہ جس پتھر سے ہوتے ہیں
کچھول ڈال دوں گا۔“ بڑھیا نے مسکراتے ہوئے کہا۔
ستوش نے فرٹ میں پیچھے لاکٹ کی زنجیر باہر

ٹھالی اور اس میں اپنی اپنی گھما لے گا آٹھیں بھی اس نے
بند کر لیں پھر جس میں اب بڑھیا کے پاس آکر بیٹھ گیا۔
”ہائی کیا حال ہے۔“ راگنی نے بڑھیا کا احوال
پوچھا۔
”بس پتھر بھگون کی کہا ہے جی رہی اپنا بچا کھچا

جیون۔“ بڑھیا نے کہا۔
”کالی تیرا کوئی بیٹا نہیں ہے۔“ راگنی نے
پوچھا۔
”نہیں بیٹی جسم مر جانا جوئے کی بات میں گم
گیا اور ایک دن مر گیا وہ میرے لئے زندہ بھی مر جانا
جیسا تھا جب بیٹ کو گھول لگا تو کتنا شرم کر گیا تھی

تیرا اتنا کڑی بڑی دلجوورت ہے۔ اس لئے تیرے
پاس چلے آئی۔“ بڑھیا نے بظاہر اپنے آنے کا مقصد
بیان کیا۔
ستوش نے ایک لمحے سے آٹھیں کھلیں اس

نے ایک عقارت بھری نظر بڑھاپا پرانی اور بھرا کر اپنے اسکول بک سے اپنی اور پیش لکال کرس پرچہ لکھنے کا مہدا لکھی محنت سے بنچا دیا تھا۔
 ”مہدا بے پکڑے میرے بیڑہ دم میں رکھ دینا۔“ راگنی نے کہا تو عبد اللہ جی اچھا کہتا ہوا راگنی کے بیڑہ دم کی طرف بڑھ گیا۔
 سنستو نے لکھنے کے بعد راگنی سے وہ صفحہ پھاڑا اور اسے تہہ کر کے دکھا۔
 ”یہ کیا کر رہے ہو سنستو بیٹا۔“ راگنی نے مسکراتے ہوئے کہا۔

”ماں وہ اسکول کی کچھ چیزیں ہیں جو میں مہدا لکھ کر لکھ کر دے رہا ہوں جب وہ دوبارہ واپس آئیں گے تو لینے آئیں گے۔“ سنستو نے کہا۔
 ”بیٹا اسے چاہے کہنا۔“ راگنی نے کہا۔
 ”ماں چاہی تو شام کو آئیں گے۔ اور میں نے اسکول کا ہوم ورک کرنا ہے اس لئے آج ہی بیڑوں کی طرف ضرورت ہے۔“ سنستو نے کہا تو راگنی نے جواباً مسکراتے ہوئے اٹھا لیا۔

مہدا لکھنے سنستو کے قریب گیا۔ ”مہدا لکھ آپ شام کو خود یا کسی کے ذریعے یہ چیزیں بھیج دیجئے گا۔“ مہدا لکھ کو وہ تہہ بند کاغذ دے کر سنستو نے کہا۔
 ”دیکھ بے سنستو بابو۔“ عبد اللہ نے مسکراتے ہوئے کہا تو راگنڈ جیب میں ڈال کر سلام کرتا ہوا باہر نکل گیا سنستو اب راگنی کے قریب آ کر بیٹھ گیا۔
 ”کا کا آپ یہاں آ کر رہیں۔“ راگنی نے اہردانہ لہجے میں کہا۔

”نہ پوچھو گھر آج بھلا کرے میں اس عمر میں بھی کسی پر بھروسہ نہیں بننا چاہتی۔“ بڑھاپا بیار سے راگنی کے سر پر ہاتھ پھیرے ہوئے کہتی تھی۔
 ”لو مجھ کا ہے کا کا کی۔“ جہاں میں تھیں وہ جہاں کرتے ہیں اس میں سے دردناک اگر تم کھانوی تو میں کیا کرنا چاہے گا۔“ راگنی نے کہا۔

”جی جی راگنی کہاں ہے۔“ بڑھاپا نے کہا۔
 ”وہ کام کے کارن دوسرے گاؤں گئے ہوئے ہیں شام تک واپس آ جائیں گے۔“ راگنی نے مسکراتے ہوئے کہا۔
 ”یہ تو اور کی اچھا ہے۔“ بڑھاپا دھیرے سے بڑھاپا۔
 ”جی۔“ کیا کہا آپ نے۔“ راگنی کو شاید سناٹی نہیں سنا تھا۔

”پوچھیں بیٹا۔“ بڑھاپا سنبھلے ہوئے ہوئے۔
 اسی وقت ایک بابت ہوئی اچانک دو آدمی باغیچہ میں رہا اور لے کر اندر داخل ہوئے۔
 ”خبردار راگنی اپنی جگہ سے ہٹنے کی کوشش نہ کرے ورنہ گولی سے اڑا دیا جائے گا۔“

ان دونوں میں سے ایک شخص نے گرجا کیلئے دور پہنچا اور دوسرا دیکھ کر بے اختیار راگنی کے منہ سے چیخ نکلی۔
 ”چپ کر دو۔“ راگنی نے جواباً بولی۔
 ”آدمی راگنی پر مرتے ہوئے ہوا۔“

”دور۔ دور۔ دیکھ۔ دیکھ۔“ ایک جگہ۔
 ”ان کے لئے ہم۔“ میں پھوڑا۔
 ”راگنی روئے ہوئے بھلا کر بولی۔

”کیا اسے دیکھو اور یہ چپا ہوا زہر دار تار کراس ٹیبل پر رکھ دو۔“ پہلے آدمی نے راگنی کو کہنے سے روک لیا۔
 ”وہاں سے ہٹ کر۔“
 سنستو نے دونوں آدمیوں کا سخت رویہ دیکھ کر دھڑکا ہوا کہہ دیا۔

”اوتے بچے چپ نہیں تو اس رہا اور کی کو تیرے پیچھے میں انا دوں گا۔“ پہلے آدمی نے سنستو کو بھڑکا کر سنستو کیلئے چپ ہو گیا۔
 ”دیکھ اگر تو چاہتی ہے کہ تو اور تیرا بیٹا مسلمان رہے تو گھر میں جتنا بھی جتنی سامان ہے وہ یہاں لاکر رکھو۔“ دوسرے آدمی نے راگنی کو بھی لاکر لے لے لیا۔

”ماں تو یہاں کافی ہے منہ پر اور وہ اس عورت کے بیڑہ دم میں ہے۔“ سونے پر بھی خاموش بڑھاپا اچانک بولی۔
 راگنی اور سنستو نے جی راگنی سے بڑھاپا کی طرف دیکھا۔
 ”کا کا تم۔“ حیرت کے باعث راگنی کے منہ سے نکلا۔

”کا کی نہیں۔“ میں بھی حیرتی عری ہوں۔“ بڑھاپا نے مسکراتے ہوئے کہا اور اپنے سر سے سفید بالوں کی دیک اور انکھوں پر سے چشمہ اتار دیا۔
 اب وہاں 70 سال کی بڑھاپا کی بجائے 30-32 سال کی عورت کھڑی تھی دیک اور چشمہ اتارنے سے عمر میں ضرورتاً آ گیا تھا۔ گرجا تک نہیں۔

”یہ۔“ یہ۔“ کک۔“ کیا۔“
 ”تہ۔“ حیرت کے باعث راگنی ہلکاٹی۔
 ”ہاں۔“ جی میں اور میرا کردہ اسی طرح لوگوں کو کہتے ہیں۔“ راگنی نے ہلکے صوفیوں کی طرح بولی آواز میں کہا تو وہ دونوں اسی طرح جہاں تہہ لگا کر بیٹھے۔

”میں جلدی کر ہمارے پاس سے بہت کم ہے۔“ سنستو نے کہا۔
 اسی وقت بیڑی روڑا سے پرزدار انداز میں دھنکے ہوئے تھیں چور چور گئے۔
 ”کون ہو سکتا ہے باہر۔“ سنستو نے راگنی کو گھورا۔

”چپ۔“ چپ۔“ چپ۔“ راگنی ہلکاٹی۔
 ”تم نے تو کہا تھا کہ نہ صاف ہے گھر میں کوئی آدمی نہیں ہے۔“ سنستو حیرت لہجے میں لڑکی سے مخاطب ہوا۔
 ”میں گھڑی سے پہلے بڑھاپا کا دل لگا کر بیٹھی تھی۔“

”ہاں تو میں نے کون سا سلفہ کہا تھا صحن یہاں کوئی آدمی نہ تھا۔“ بابا راگنی نے کہا۔
 ”میں تو میں اس عورت راگنی نے کہا تھا کہ۔“
 ”چپ۔“ چپ۔“ چپ۔“ راگنی نے کہا۔

اس عورت نے پہلے سنستو اور پھر راگنی کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔
 ”ہاں۔“ باہر دیکھو کون ہے۔“ اور راگنی کو دیکھا۔
 ”جی راگنی اور اس سے ہمارے بیٹے میں ہے باہر آنے والے کو باہر سے ہی فارغ کر دو۔“ سنستو نے راگنی کو سخت لہجے میں تاکید کی۔

”تم اپنا ایک آپ دو بارہ سیٹ کر لو اور ہم اس لڑکے کو لے کر گھر سے چپ چپ جاتے ہیں۔“
 ان دونوں کی ساسی لڑکی نے اٹھتے میں سر ہلایا اس نے اپنا چشمہ اور دیک دو بارہ سیٹ کے اب وہ پہلے بھی چشمہ لٹھا کر آ رہی تھی وہ سونے پر بیٹھ کر سنستو اور اس کا دوسرا ساسی سنستو کو گھبرا کر راگنی کے بیڑہ دم میں ملے گئے اور راگنی بیڑی روڑا سے کی طرف بڑھی اس نے کہنے کو لالہ تو سنا سنستو دودھ ڈال کر اٹھا۔

”رام۔“ رام۔“ دودھ ڈال کر اٹھا۔
 ”رام۔“ رام۔“ جوا راگنی زبردستی مسکرائی اور پھر حیرا گئی سے بولی۔
 ”چپ کون۔“

”میں۔“ میں جی نیارے دودھ والے کا چھوٹا بھائی نیارے کا ایک بیٹھ ہوا۔
 ”تو اس کارن اس نے آؤ کیلئے علاج کے کارن نیارے کو سہمے چاہتے ہیں۔“
 ”اوتہ۔“ اوتہ کیسے ہوا ایک بیٹھ نیارے کا۔“ راگنی نے گھس بند لہجے میں پوچھا۔

”وہ تو ایک نیک ہے۔“
 ”وہ تو ایک نیک ہے۔“
 ”وہ تو ایک نیک ہے۔“

”وہ تو ایک نیک ہے۔“
 ”وہ تو ایک نیک ہے۔“
 ”وہ تو ایک نیک ہے۔“

Dar Digest **126** February 2018

جھانکا تو خوف کے باعث اس کے منہ سے ایک زوردار چیخ نکلی اور وہ جیڑی سے اٹلے قدموں پیچھے ہٹا اور باہر دوڑ کر کسی چیز سے ٹکرا کر کمرے کی چٹانوں پر اچھلے جا کر اس اور وہ اس کے سر کا پچھلا حصہ بڑے زوردار انداز میں فرش سے ٹکرا ایک باہر اس کے منہ سے ایک زوردار چیخ نکلی اور اس کی آنکھوں کے آگے تارے تارے لنگے دیا پھر ملتا ہوا اٹھ کر بیٹھا۔ اس قدر کسی اس فرش پر اپنے گرنے کی کوئی چیز نظر نہ آئی اسی وقت کروڑی سے نکلا گیا رام جبرانی سے اور کروڑی بیٹھ گیا۔

رام اٹھ کر کھڑا ہوا۔ "ہے مگوان..... یہ کیا معاملہ ہے۔" رام خوف زدہ لہجے میں خود سے بتلا کر ہوا اسی وقت کمرے میں کسی مردانہ آواز گونگی رام کا تیری سر ہرٹے لگا۔

"ٹھک..... کون ہو....." رام نے چیخے ہوئے پوچھا مگر جوں جوں کوئی جواب نہ ملا۔ اس کی طرف لڑکی کے سامنے ایک کالے رنگ کی چیز اندر داخل ہوئی وہ چیخ دیکھتے کے بعد ایک مرتبہ پھر رام کے منہ سے چیخیں نکلتی گئیں وہ ایک بہت بڑی چوڑاؤسی جیڑی سے رام کے ارد گرد چکر لگانے لگی چکر کا تے کا تے چکر ایک جگہ پر اس کی وقت ماری ایک خوف ناک منظر دیکھا چوڑا ک ساڑھ جیڑی سے بڑھنے لگا۔ رام کی چیخوں میں حریفانہ ہوا گیا۔

☆.....☆.....☆

دیباپتی..... تمہارے کیوں میرا دل گھبرا رہا ہے۔ "راگنی نے اسے دل کی کیفیت دیا پتہ کے سامنے بیان کی۔ "کیوں کیا ہو راجنی.....؟" دیباپتی نے جبرانی سے راگنی کی طرف دیکھا۔ "سنوٹوشی کے ساتھ مجھ پر غریب حالات ہو رہے ہیں۔" راگنی نے بتایا۔ "کیوں وہ؟" سنوٹوشی میں ہی نہ پھنس جائے۔ "راگنی یہ تمہیں بھی سنا کر رہی ہو راجنا سنوٹوشی جھکوان نہ کرے کیوں سنوٹوشی میں بڑے۔"

دیباپتی نے کہا۔ "جب سے اس کا اہہاں ہوا ہے اس کے ساتھ عجیب طرح گھٹنا میں گھٹ رہی ہیں آپ خود ہی سوچئے سنوٹوشی کا اہہاں کوئی کیوں کرے گا کارن اگر بیٹوں کا ہوتا تو انک بات ہی پڑھنا نہیں دے تو پیسے ہاتھ ہی نہیں اٹھکوا دیں کا کہنا تھا کس جگہ سنوٹوشی کو رکھا گیا تھا وہاں سے تین انسانی ڈھانچے لے ہیں۔ پھر کل والی بات اسے کیسے پتہ چلا کہ وہ بڑھیا چور ہے اور بھڑوہ آپ سے بھی دھرم کے بارے میں عجیب طرح سوال کرتا رہتا ہے۔" راگنی نے بتاتے ہوئے بظاہر غصہ کیا۔

"شاید وہ کسی کارکن اچھا ہوا اور اسی کارن اس کے ساتھ کچھ بھلائی میں گھٹ رہی ہوں اور یہ اٹھنا لگا تو ہو سکتا ہے۔" دیباپتی نے غصہ سے بھرا لہجہ میں کہا۔ "تمہیں اتفاق والی بات نہیں ہے چوری واسطے معاملے نے مجھے سر پہ پر بھڑوہ دیا ہے تمہارے کیوں میرا دل گھبرا رہا ہے کہیں سنوٹوشی کے ساتھ۔" راگنی نے کہا۔ "ہم اسے اپنا دھم بگھنے پر ہیں اور ہمیں سنوٹوشی کے ساتھ کوئی کوئی نہ ہو جائے۔" راگنی کی آنکھوں سے آنسو ٹپک رہے۔ "اوسے وارے..... راگنی دھیرج رکھو۔ پتا مت کرو۔ میں اتنی غلطی نہ کرتی ہوں کہ میں کروڑی کو لڑکی بنائے تاکہ تمہارے۔" دیباپتی نے راگنی کو پکارتے ہوئے کہا۔

"گھٹا نے کمرے میرا اس بہت گھبرا رہا ہے۔ سنوٹوشی کو بھی ساتھ لے کر جائے گا۔" راگنی نے اپنے چہرے پر غصہ سے بھرا لہجہ میں کہا۔ "اوسے وارے..... راگنی دھیرج رکھو۔ پتا مت کرو۔ میں اتنی غلطی نہ کرتی ہوں کہ میں کروڑی کو لڑکی بنائے تاکہ تمہارے۔" دیباپتی نے راگنی کو پکارتے ہوئے کہا۔

"گھٹا نے کمرے میرا اس بہت گھبرا رہا ہے۔ سنوٹوشی کو بھی ساتھ لے کر جائے گا۔" راگنی نے اپنے چہرے پر غصہ سے بھرا لہجہ میں کہا۔ "اوسے وارے..... راگنی دھیرج رکھو۔ پتا مت کرو۔ میں اتنی غلطی نہ کرتی ہوں کہ میں کروڑی کو لڑکی بنائے تاکہ تمہارے۔" دیباپتی نے راگنی کو پکارتے ہوئے کہا۔

"گھٹا نے کمرے میرا اس بہت گھبرا رہا ہے۔ سنوٹوشی کو بھی ساتھ لے کر جائے گا۔" راگنی نے اپنے چہرے پر غصہ سے بھرا لہجہ میں کہا۔ "اوسے وارے..... راگنی دھیرج رکھو۔ پتا مت کرو۔ میں اتنی غلطی نہ کرتی ہوں کہ میں کروڑی کو لڑکی بنائے تاکہ تمہارے۔" دیباپتی نے راگنی کو پکارتے ہوئے کہا۔

دیباپتی نے کہا۔ "جب سے اس کا اہہاں ہوا ہے اس کے ساتھ عجیب طرح گھٹنا میں گھٹ رہی ہیں آپ خود ہی سوچئے سنوٹوشی کا اہہاں کوئی کیوں کرے گا کارن اگر بیٹوں کا ہوتا تو انک بات ہی پڑھنا نہیں دے تو پیسے ہاتھ ہی نہیں اٹھکوا دیں کا کہنا تھا کس جگہ سنوٹوشی کو رکھا گیا تھا وہاں سے تین انسانی ڈھانچے لے ہیں۔ پھر کل والی بات اسے کیسے پتہ چلا کہ وہ بڑھیا چور ہے اور بھڑوہ آپ سے بھی دھرم کے بارے میں عجیب طرح سوال کرتا رہتا ہے۔" راگنی نے بتاتے ہوئے بظاہر غصہ کیا۔

"شاید وہ کسی کارکن اچھا ہوا اور اسی کارن اس کے ساتھ کچھ بھلائی میں گھٹ رہی ہوں اور یہ اٹھنا لگا تو ہو سکتا ہے۔" دیباپتی نے غصہ سے بھرا لہجہ میں کہا۔ "تمہیں اتفاق والی بات نہیں ہے چوری واسطے معاملے نے مجھے سر پہ پر بھڑوہ دیا ہے تمہارے کیوں میرا دل گھبرا رہا ہے کہیں سنوٹوشی کے ساتھ۔" راگنی نے کہا۔ "ہم اسے اپنا دھم بگھنے پر ہیں اور ہمیں سنوٹوشی کے ساتھ کوئی کوئی نہ ہو جائے۔" راگنی کی آنکھوں سے آنسو ٹپک رہے۔ "اوسے وارے..... راگنی دھیرج رکھو۔ پتا مت کرو۔ میں اتنی غلطی نہ کرتی ہوں کہ میں کروڑی کو لڑکی بنائے تاکہ تمہارے۔" دیباپتی نے راگنی کو پکارتے ہوئے کہا۔

"گھٹا نے کمرے میرا اس بہت گھبرا رہا ہے۔ سنوٹوشی کو بھی ساتھ لے کر جائے گا۔" راگنی نے اپنے چہرے پر غصہ سے بھرا لہجہ میں کہا۔ "اوسے وارے..... راگنی دھیرج رکھو۔ پتا مت کرو۔ میں اتنی غلطی نہ کرتی ہوں کہ میں کروڑی کو لڑکی بنائے تاکہ تمہارے۔" دیباپتی نے راگنی کو پکارتے ہوئے کہا۔

"گھٹا نے کمرے میرا اس بہت گھبرا رہا ہے۔ سنوٹوشی کو بھی ساتھ لے کر جائے گا۔" راگنی نے اپنے چہرے پر غصہ سے بھرا لہجہ میں کہا۔ "اوسے وارے..... راگنی دھیرج رکھو۔ پتا مت کرو۔ میں اتنی غلطی نہ کرتی ہوں کہ میں کروڑی کو لڑکی بنائے تاکہ تمہارے۔" دیباپتی نے راگنی کو پکارتے ہوئے کہا۔

"تو اور کیا..... قوی تو مجھے قبرستان لے کر گیا تھا۔" رام نے منہ ہاتھ سے دھوئے کہا۔ "اچھا ہاں کیا کرے واسطے اس دن میں کسی چیز سے چھکارہ حاصل کرنے کے کارن تجھے قبرستان لے کر گیا تھا میری وہ سب کچھ مل ہوئی گی۔" سنوٹوشی نے سرکراتے ہوئے بتایا۔ "کس چیز سے چھکارہ؟" رام نے پوچھا۔ "اس بات کو چھوڑ یہ بتا کہ اب تو کیسا ہے۔" سنوٹوشی نے رام کے سوال کو نظر انداز کرتے ہوئے کہا۔

"اب میں ٹھیک ہوں۔" رعبو اب میں تیرے ساتھ نہیں کہیں جاؤں گا۔" رام نے غصہ سے ہاتھ دھوئے کہا، تو سنوٹوشی نے اختیار میں پڑا۔ "پتا مت کرو کس مرتبہ میں تجھے قبرستان نہیں لے کر جاؤں گا۔" سنوٹوشی کہتے ہوئے ہنسا۔ "تمہیں..... نہیں..... اب میں تیرے ساتھ کہیں نہیں جاؤں گا۔" رام نے صاف جواب دیتے ہوئے کسی میں سر ملایا۔

"اوسے بے وقوف ہم باہر کھیلنے کے لئے جارہے ہیں۔ تمہارے بغیر میں گھر میں ہو اور اٹھا۔" سنوٹوشی نے کہا۔ "پار مجھے مانے تیا کہ تمہارے گھر میں چور کھس آئے تھے۔" رام نے سنوٹوشی کے سوال کو نظر انداز کرتے ہوئے اپنے سوال کا جواب پوچھا۔ "ہاں ہاں ایک لڑکی بڑھیا کا نہیں بدل کر آئی تھی اور بدلے کا کھڑے کہ وہ بڑھیا کی۔" سنوٹوشی نے انہماں پر غصہ سے ہاتھ دھوئے کہا۔ "کیوں میں نے تو سنا ہے اس کی لپٹ کٹم نے پکڑ دیا ہے۔" رام نے پوچھا۔

"ہاں میرے میں کس گھر میں ہی جاؤں گی۔" اتنا کہہ کر سنوٹوشی نے نصیحت نامہ کارن کی بات تھڑی۔ "پتہ تو تمہیں کیسے پتہ چلا وہ بڑھیا چور ہے۔" رام کے لہجے میں جبرانی مایوسی تھی۔

"مما کافی دن ہوئے میں نے رام کو نہیں دیکھا۔" سنوٹوشی نے راگنی کے قریب بیٹھتے ہوئے کہا اور راگنی نے پیار سے اسے گلے لگایا۔ "بیٹا رام کوئی دنوں سے بخار ہے دوستی کی باتیں نہیں اس کا حال احوال پوچھنا چاہئے تھا۔" راگنی نے سنوٹوشی کے گلوں کو چومتے ہوئے کہا۔ "اچھا..... مجھے تو کسی نے بتایا ہی نہیں۔" سنوٹوشی نے جبرانی سے لفظ "اچھا" کو کہا۔ "بیٹا اس بات کا خیال تو آپ کو آتا تھا مجھے تھا، آپ کا سب سے اچھا دوست آپ سے اسٹے دن ملنے ہی نہیں آ یا اس کے گھر جا کر کارن تو بیٹھے۔" راگنی نے سنوٹوشی کو پکارتے ہوئے کہا۔ "ٹھیک ہے ماما میری ابھی اس کے پاس آ جاتا ہوں۔" سنوٹوشی اٹھتے ہوئے بولا۔ "بیٹا اس سے مل کر کھڑی دیکھو اس کا کہنا بدورت جانا۔" راگنی نے اسے تاکہ لیا۔ "ٹھیک ہے ماما آپ چتا ہی نہ کریں۔" سنوٹوشی نے کہا اور کمرے سے باہر نکل آیا وہ ہمام کے گھر دھڑکتے پراس کے کمرے میں داخل ہوا۔ رام بڑھ کر پتا جھٹ گھبرا ہوا۔ "ایسے جھٹ گھبراہٹ سے کہ تو جھٹ تھ پڑی آ کر رہے گی۔" سنوٹوشی نے کہتے ہوئے کہا۔ رام نے ایک نفرت انگیز لہجہ میں سنوٹوشی پر زانی پھڑپھڑے سے بڑے بڑے منہ ہاتھ لگا۔ "گھٹا نے کمرے میرا اس بہت گھبرا رہا ہے۔ سنوٹوشی کو بھی ساتھ لے کر جائے گا۔" راگنی نے اپنے چہرے پر غصہ سے بھرا لہجہ میں کہا۔ "اوسے وارے..... راگنی دھیرج رکھو۔ پتا مت کرو۔ میں اتنی غلطی نہ کرتی ہوں کہ میں کروڑی کو لڑکی بنائے تاکہ تمہارے۔" دیباپتی نے راگنی کو پکارتے ہوئے کہا۔

اب سنتوش میں دونوں آدمیوں کے پیچھے پیچھے جا رہا تھا وہ دونوں آدمی ایک دہریہ سنتوش میں آ کر بیٹھ گئے۔
سنتوش ان کے پاس ہی ایک طرف کھڑا ہو گیا
وہ دونوں آدمیوں نے ہیرے سے کھانا کھلایا اور پھر
ہیرے سے پوچھا۔
”یہاں رات گزارنے کا بندوبست
ہو سکتا ہے۔“
”جی ہاں۔“ ہمارے پاس رات گزارنے
کے لئے کمرے ہیں جی، آپ ہمارے مالک سے بات
کریں۔“ ہیرے نے کہا تو دونوں نے اثبات میں
سر ہلادیا۔
وہ دونوں آدمی کھانا کھانے کے بعد ریٹورنٹ
کے اندر چلے گئے۔
”کیا بات ہے سنتوش!۔“ تو ان دونوں
آدمیوں کے پیچھے یہاں کیوں آ گیا۔“ رام نے
آگے سے ہونے لگے میں پوچھا۔
”ایک منٹ چپ کر۔“ سنتوش نے کہا وہ کافی
دیر وہاں کھڑا رہا اور پھر سنتوش دوبارہ اس گھبراہٹ میں
جہاں سے وہ دونوں آدمیوں کے پیچھے اٹھ گیا تھا۔
”پھر مجھے تو یہ بندے کچھ ہو گیا نہیں لگ
رہے۔“ سنتوش نے وہی بات کہی۔
”دیکھیں۔“ مجھے تو ان میں ایسی کوئی بات
نظر نہیں آئی۔“ رام نے کہا۔
”تو نے ان کی باتیں غور سے نہیں سنیں
۔۔۔۔۔“ سنتوش نے حیرانگی سے پوچھا۔
”نہیں۔“ انہوں نے اسکی کیا بات کہی جس
کے کارن انہیں مجھے نہیں کہہ پایا۔“ رام نے پوچھا۔
”فجائے کیوں۔“ میرا لگ رہا ہے۔“
سنتوش نے اپنی کیفیت بیان کی۔
”میرا دل تو اب تو میرا لے لگ جاتا ہے۔“ رام
نے ہنستے ہوئے کہا۔
”نہیں رام۔“ میرا دل اب تو نہیں بلکہ کسی
کارن ہی گھبرا رہا ہے۔“ سنتوش نے عجیبہ لہجے میں کہا۔

کو۔ کیا تو اسی کارن مجھے باہر لایا تھا۔“ رام کو کدیم
لہجہ آ گیا۔
”حرم کی باتیں پنڈت ہی سے پوچھا کر مجھے
اب باتوں کا کیا پتہ۔“
”ان سے بھی ضرور پوچھوں گا۔“ سنتوش
نے سوچ میں ڈوبے ہوئے کہا۔
”کیا کہا۔“ شاہی رام کو سنائی نہیں دیا تھا۔
”نہیں کچھ نہیں۔“ سنتوش نے کہا۔
”دھماکہ تو تھا مجھے سے ایسا باتیں کرتا کون ہے
۔۔۔۔۔“ رام نے پوچھا۔
”مجھڑا اس بات کہ۔“ سنتوش نے موضوع
بدلتا چاہا۔
”ہاں کی جگہ بیٹھے ہیں۔“
دو دونوں ایک جگہ بری بری گھبراہٹ میں بیٹھ گئے۔
”گھر تو ہم نے دیکھی ہی لیا ہے۔“
اچانک ایک مردانہ کردار نے آواز سنتوش کے
کارن میں پڑی اس نے حیرانگی سے ارگرد دیکھا ان
دونوں کے پاس ہی دو آدمی بیٹھے ہوئے تھے۔
”پرتو کام احتیاط سے کرنا ہوگا۔“ دوسرے
آدمی نے کہا۔
”اس کی تم بائیں میں چنا نہ کرو۔“ تو میرا کرب
سے کام شروع کریں۔“ پہلے آدمی نے پوچھا۔
”مات کے سے جب گاؤں کے سارے لوگ
سورہ ہوں گے۔“ دوسرے آدمی نے کہا۔
”لیکھ ہے پہلے بھوجن کا انتظام
کر دیں۔“ دوسرے آدمی نے اثبات میں سر ہلاتے
ہوئے بہت پر ہاتھ پھیرا۔
”پہلے آدمی نے کہا تو دوسرا
آدمی اثبات میں سر ہلاتے ہوئے اٹھ کھڑا ہوا۔
”یار سنتوش۔“ ایسی رام کے منہ سے یہ
لفظ ہی نکلے تھے کہ سنتوش نے ہونٹوں پر ہانگی رکھتے
ہوئے سے خاموش رہنے کا اشارہ کیا وہ جلدی سے اٹھ
کر کھڑا ہوا تو رام کی اس کی بروی میں اٹھ کھڑا ہوا۔

پیارے سے کہا تو رام اثبات میں سر ہلاتے ہوئے سنتوش
کے پیچھے پیچھے گھر سے باہر نکل آیا۔
دونوں چلتے چلتے مندر کے پاس سے
گزرے۔ ”ن۔۔۔۔۔“ مندر کی کھلیوں کی آواز دونوں
کے کانوں میں پڑیں۔
”یار رام ایک بات تو تھی۔“ سنتوش نے رام
کی طرف اشارہ کیا۔
”پوچھ۔“ رام سنتوش کی طرف متوجہ ہوا۔
”یار یہ گاؤں کے لوگ مندروں میں جاتے ہیں
کیا یہ سچ ہے۔“ سنتوش نے عجیبہ لہجے میں کہا۔
”میں تیری بات کا مطلب نہیں سمجھا۔“ رام
نے انہیں آہستہ لہجے میں کہا۔
”تو ہمیں سمجھا دیتے ہیں جس کے سامنے کھڑے
ہیں، جس کے سامنے انہی آقا شائیں (خواہشات) رکھے
ہیں وہ تو بے جاں ہے۔“ سنتوش نے کہا۔
”بے جاں کب ہیں وہ۔۔۔۔۔ وہ ہر سے ہوس
ساتھ رہتے ہیں، ہماری کھجور کھاتے ہیں۔“ رام نے بتایا
”لیکن ان سمجھوں کو تو دینو کہہ رہا تھا ہے۔
سنتوش نے غصہ کی کھانسی۔
”ہاں تو اور کیا دینو کہہ کر سمجھوں ہی تو
کرنے کے لئے کہتے ہیں۔“ رام نے کہا۔
”پرتو خود ہی کھانا کھا جو وہ دیکھا اس کی کمرہ
کیا کر سکتا ہے۔“ سنتوش نے غصہ لہجے میں۔
”وہ۔۔۔۔۔ وہ۔۔۔۔۔ رام صرف ہٹا کر دیا گیا۔“
”میرا جمل اس بات کو چھوڑ۔“ میں نے تو سنا
سمجھوں کا سانس میں رہتا ہے۔“ سنتوش نے کہا۔
”ہاں تو اور کیا۔“ سمجھوں کا سانس میں کچھ
رہتا ہے اور یہ بت بھی تو سمجھوں ہیں۔“ رام نے کہا تھا
”تو اس کا مطلب سمجھوں غم
ہوئے۔“ سنتوش نے رام کے آگے سوالیہ نظار
چھوڑا۔
”ہاں ہو سکتا ہے۔“
”یار یہ تو کن باتوں میں پڑ گیا مجھڑا اس بات

”پتہ نہیں یار۔“ ہیرے من کے کہا یہ حیرت
چر ہے اس لئے میں نے مہربانہ لہجہ لکھ کر وہ خط لکھ
کر دے دیا۔“ سنتوش نے بتایا۔
”ہوں۔“ رام نے ایک گہری سانس لی۔
”اس دن جب تم قبرستان میں گئے تھے تو وہ
چوہا دوپٹی جب تیری طرف بڑھی تو جل کر راکھ ہو گئی۔“
”ہاں یہ ہے۔“ سنتوش نے سوچتے ہوئے کہا۔
”مجھ تو لگتا ہے تیرے پاس کوئی کشتی شالی چیز
ہے۔“ رام نے سوچتے ہوئے غصہ ظاہر کیا۔
”کشتی شالی چیز۔۔۔۔۔“ حیرت کے باعث سنتوش
کے منہ سے نکلا۔
”ہاں۔“ رام نے غور سے سنتوش کی طرف
دیکھتے ہوئے کہا۔
”جمل ہے وقف کسی عجیب باتیں کر رہا ہے،
کشتی شالی تو اور دالا ہے۔“ سنتوش نے رام کے سر پر
ہاتھ مار دے ہوئے کہا۔
”سمجھوں کو جب کوئی پسند آتا ہے تو وہ اسے بھی
تو کشتی شالی بنا دیتا ہے۔“ رام نے عجیبہ لہجے میں کہا۔
سنتوش نے حیرانگی سے رام کی آنکھوں میں
جھانکا تو دونوں ایک دوسرے کو گھورتے رہے کافی دیر
سمجھوں نے ہاتھ پر ہاتھ کرنا ایک شدید ہولناکی اور اس نے
تیزی سے آنکھیں پکڑیں۔
”کیا ہوا؟“ سنتوش نے پوچھا۔
”نہیں کچھ نہیں۔“ رام نے اپنی آنکھیں
لپٹے ہوئے کہا۔
”تو پھر باہر نہیں چلتے ہیں۔“ سنتوش نے کہا۔
”جمل۔“ رام نے اٹھتے ہوئے کہا وہ دونوں
کمرے سے باہر آئے۔
”کہیں ہمارے ہونٹوں پر بیٹا۔“ رام کی ماں نے بگن
سے باہر لپٹے ہوئے پوچھا۔
”مما ہم دونوں باہر کھینے کے لئے جا رہے
ہیں۔“ رام نے بتایا۔
”چلو گھر کو واپس آ جانا۔“ رام کی ماں نے

"اس دن جب وہ لڑکھڑیا کے ہمیں میں ہمارے گھر آئی تھی جب میرا دل زردوں سے دھڑکا تھا اور میرا اس دن بھی جب میرا اہلکار ہوا تھا۔"

"ہوں۔۔۔۔۔ تو آج یہ کسی کارن دھڑکا ہے۔"

"نام نے بھارستوش کا مذاق اڑایا۔"

"تو تو غماق دیکھ رہا ہے۔۔۔۔۔ چل یہ تمارت کو میرے ساتھ آئے گا۔" ستوش نے رام کا ہاتھ دیکھتے ہوئے پوچھا۔

"کہاں۔۔۔۔۔ نام نے چراگلی سے پوچھا۔"

"میں تجھے تیرے گھر کے باہر لوں گا۔۔۔۔۔ ستوش نے کہا۔"

"پرتو۔۔۔۔۔ کس کارن۔۔۔۔۔ نام نے پوچھا۔"

"تجھے کو کدایں گم میرا دل کا گھبراہٹ ہے یا نہیں۔" ستوش نے کہا۔

"نہا ہان۔۔۔۔۔ ایک سیرتیرے ساتھ جا کر دیکھ لیا ہے بھارکا ابراہمی بھی باقی ہے۔" نام نے کاروں کو ہاتھ لگاتے ہوئے کہا تو ستوش نے اعتبار نہیں ڈالا۔

"ہوں۔۔۔۔۔ تو میری طرف کیا جائے۔۔۔۔۔ ستوش نے سوالیہ نگاہوں سے اس کی طرف دیکھا۔

"پتہ تو چلے آ کر غم کیا کرنا کیا جاتا ہے۔" نام نے بھی پوچھا۔

"جیسے ان دلوں آدمیوں کے پیچھے جانا جاتا ہوں ان کا مقصد جانا جاتا ہوں۔" ستوش نے بتایا۔

"ارے تجھے کیا وہ مرضی ہے کہ۔۔۔۔۔ دیے جکی یہ پولیس کا کام ہے۔" نام نے ستوش کو سمجھایا۔

"پولیس۔۔۔۔۔ ستوش نے سوچتے ہوئے کہا۔"

"ہاں۔۔۔۔۔ وہی دیر کی کڑ۔۔۔۔۔ نام نے واقعی تیری بات سمجھ سے یہ کام پولیس ہی کرے گی۔" چل میر۔

"ستوش کہاں۔۔۔۔۔ نام نے غصے سے پوچھا۔"

"پولیس اسٹیشن۔۔۔۔۔ ستوش نے بتایا۔"

"پ۔۔۔۔۔ پ۔۔۔۔۔ پولیس اسٹیشن۔۔۔۔۔ تیرا وارغ تو قہقہے سے ہنسی جیسے بیان

سے مار دی گئے۔" رام گھبراہٹ ہوئے بولا۔

"کیا تو ڈر ہو چکا بہت ہے یہ تو دیکھ میرے کارن شاید کسی کا بھلا ہی ہو جائے گا۔" ستوش نے سمجھایا۔

"پولیس کے پاس جانے میں بھلا کسی کا بھلا ہوا ہے۔" نام نے کہا تو ستوش نے اپنے اعتبار سے کھڑا ہو گیا۔

"بے خوف پولیس کی کو کدایں جس کا مدنی جو غلط کام کرتے ہیں اس کی کو کدایں ہے۔" ستوش نے بتایا۔

"پرتو تو پولیس کے پاس کیوں جانا جاتا ہے۔"

"نام نے وہ دہائی دینے والے لہجے میں پوچھا۔"

"تو نے ہی تو کہا تھا کارن بدلوں کو کدایں پولیس کا کام ہے پرتو تو پولیس کو کدایں یہ ہی نہیں کہ ہم ہوتے والا ہے۔ مثال کے طور پر ہمیں شک بھی ہے میری جگہ پولیس کو غلام تو کرنا ہی ہوگا نہ اگر ہر کوئی پولیس کے ساتھ گروہ کرے تو ہمارے ملک میں اتنا ہمارا بالکل ختم ہو جائیں۔" ستوش نے کسی سیاسی لکڑی طرح تقریر کرتے ہوئے کہا۔

"کہیں ملک کو بچانے کے لیے ہم خود اپنا کار دکار نہ ہو جائیں۔" نام نے کہا تو ستوش بھرپور اصرار سے ہوا۔

"تو ہی دیر بعد وہ دلوں انکسپکڑ کے آفس میں موجود تھے۔"

"ستوش بیٹا آپ کو پتہ ہے آپ میرے لئے کتنا بقی بات ہوئے ہو۔" انکسپکڑ دیاں نے سرکرا لیا۔

"ستوش کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔"

"کیوں انکل۔۔۔۔۔ میں بھلا آپ کے لئے کیسے لکھی ثابت ہو گیا۔" جولا ستوش سرکرایا۔

"بیٹا میں کئی لوگوں سے اپنا راز سن رہی ہوں کہ وہ جاتا تھا تم نے اس ٹیگ کو کھڑا دیا تو سرکار دھ۔۔۔۔۔ مدخوش ہوئی۔ اب میرا راز سنو تو ہو رہا ہے پرتو بھی لکھی ہے۔" انکسپکڑ دیاں خوش ہوتے ہوئے بولا۔

"تو بہت خوش کی بات ہے انکل۔۔۔۔۔ جولا ستوش کی خوش ہو۔

"انکل میں لگتا ہے اس پرتو میں ایک اور کس آپ کا شہر ہے۔"

"کیا مطلب۔۔۔۔۔" انکسپکڑ دیاں حیران ہوا۔

"میرے خیال میں ایک دیرست کس آپ کا شہر ہے۔" ستوش نے سرکراتے ہوئے بتایا۔

"ہاں۔۔۔۔۔ ہاں تاز۔۔۔۔۔ بیٹا کیا کیس۔۔۔۔۔ دیکھتے بھی تمہاری رائے جھوٹی نہیں ہوتی۔" انکسپکڑ دیاں حیران ہوئے۔

"انکل جی میں اور ام پارک میں چلے ہوئے تھے، کہ ہم نے وہاں دو آدمیوں کی گھج بائیں سنیں۔" یہاں تک کہ کہ ستوش نے ساری بات انکسپکڑ دیاں کو بتادی۔

"ہوں۔۔۔۔۔ انکسپکڑ دیاں نے گہری سانس لی۔

"تم نے دیکھا وہ کہاں تھے۔"

"ہی ہاں وہ کالامی کے رینفورس میں شہر ہے۔" ستوش نے بتایا۔

"ٹھیک ہے ستوش میں ضرور چیک کروں گا انہیں مجھے شہس ہے وہ دلوں آدمی کی نہ کسی لہجہ کے ہکر میں ہیں۔" انکسپکڑ دیاں نے غور سے غور کرتے ہوئے کہا۔

"ستوش انکل میں چلوں۔۔۔۔۔ ستوش نے اجازت چاہی۔

"ہاں ٹھیک ہے اب تم دوں جاؤ۔" انکسپکڑ دیاں نے سرکراتے ہوئے اجازت دی۔

"دو دلوں پولیس اسٹیشن سے باہر آئے۔" میری تو یہ جو وہ تھرا تھرا ساتھ آیا۔" نام نے کاروں کو ہاتھ لگاتے ہوئے کہا۔

"کیوں کیا ہوا؟" ستوش نے پچھتے ہوئے پوچھا۔

"تو تو بہت خطر کا چیز ہے مرنے کا گ۔" تو تو۔۔۔۔۔ نام نے کہا تو جولا ستوش ہنسا رہا۔

"ستوش گھر پہنچا تو دیاں اس کا انتظار کر رہا تھا۔

"کہاں سے آئے ہو بیٹا۔" دیاں نے پیار سے پوچھا۔

"وہ۔۔۔۔۔ وہ وہاں ہی رام سے ملے گیا تھا۔" ستوش نے بھانپتے ہوئے بتایا۔

"ہوں۔۔۔۔۔ چلو میر۔" دیاں نے اس کا ہاتھ پکڑا اور وہ خاموشی کے ساتھ اس کے پیچھے چل پڑا گاڑی میں بیٹھنے کے بعد ستوش نے پوچھا۔

"ہنسی ہم کہاں جا رہے ہیں؟"

"مندر۔۔۔۔۔ دیاں نے بتایا۔

"پرتو جاتی میرا مندر جا کے کول نہیں کرتا۔" ستوش نے بے زار لہجے میں کہا۔

"جب کر کے چنہ جاؤ۔" دیاں نے لہجے میں یکدم کئی آگئی اور ستوش غصے سے ہرے ہرے منہ بناتے لگا۔

"مندر پہنچتے پرتوش دیوی کے بے جان جسم کو غصے سے گھورتا رہا وہ دلوں مندر کے پڑت کے پاس آ کر بیٹھ گیا۔

"پڑت جی میں اپنے سہارے کے کارن آپ سے ملنے آیا ہوں۔" دیاں لہجے میں لہجہ میں بولا۔

"کیا کٹ ہے بیٹا جاتی آپ کے سہارے؟" پڑت نے ستوش کی طرف دیکھتے ہوئے پوچھا۔

"پڑت جی یہ میرا سہارہ ستوش ہے اس کے ساتھ عجیب و غریب گھٹنا میں گھٹ رہی ہیں۔" دیاں نے کہا اور ستوش کے ساتھ ہونے والے تمام واقعات پڑت کے سامنے دہرا دیے جو وہ نہانتا تھا۔

"پڑت جی حرم کے بارے میں بھی یہ مجھ سے بہت بھٹتا ہے۔"

"ہرم کے بارے میں۔۔۔۔۔ پڑت حیران ہوا۔

"جی ہاں۔۔۔۔۔ اتنا کہ کہ دیاں نے مذہب کے بارے میں ہونے والی بحث و تکرار بھی پڑت کو بتادی۔

"بیٹا جی انکسپکڑ جی کا خیال نہیں ہو گیا کہ وہاں کا کام اپنے بھگتوں سے اس طرح لیتا ہے۔" پڑت نے کہا۔

"پرتو پڑت جی بھگتوں کو کاموں کی کیا ضرورت وہ تو خود اپنے بدلوں کی مدد کرتا ہے۔ وہ

کیا ہے یا ذرا سہانہ ٹوئز کی بنا ہوگی۔ "ہینکڑ دیال نے بظاہر ان دونوں کی رائے نہ سمجھی۔

وہ دونوں کچھ نہ بولے بلکہ بھی لگا ہوں سے ہینکڑ دیال کو دیکھتے رہے۔

"مجموعہ دونوں کا جرم تو سامنے آ ہی گیا ہے سیدی طرح بتاؤ کہ یہ پتھر کیا ہے ورنہ تم دونوں کشت میں پڑ جاؤ گے۔" ان دونوں کے کچھ نہ بولنے پر ہینکڑ دیال نے انہیں وارنک دی۔

"..... سبک..... فرخ..... صا..... حب..... دو..... دو..... ہم نہیں مانتے۔" اس مرتبہ سے ایک خوف زدہ شخص میں ہلا ہوا ہینکڑ دیال چٹکا۔

"کون تمہاری ہتھیا کر دے گا۔" ہینکڑ دیال نے پوچھا۔

"وہ..... وہ..... ہم نہیں مانتے۔" اس مرتبہ دوسرا ڈرتے رہے۔

"دیکھو تم دونوں چھتاہت کرو اس سے تم دونوں پولیس کی حراست میں ہو کر تمہارا بال بھی بیکار ہو سکتا۔" ہینکڑ دیال نے دونوں کو کھاتے ہوئے کہا۔

"وہ..... وہ..... اگرچہ وہ ہیں بیٹھے بیٹھے ہماری ہتھیا کر سکتے ہیں۔" دوسرا بولا۔

"پگل ہو گئے ہو تم دونوں کی کوئی آتما یا موت ہے جو وہ ہیں بیٹھے بیٹھے تمہاری ہتھیا کر دے گا۔" ہینکڑ دیال کو بے اختیار اٹھائی اٹھی۔

"پاس کھڑے کاشیوں بھی بیٹھے گئے۔

"ہینکڑ صاحب آپ اسے نہیں جانتے اس کے پاس مہمان خلیماں ہیں۔" خاتونیں اور محبت اس کے غلام ہیں۔" اس مرتبہ بڑا آدی بولا۔

"بھئی ہے دو فائدہ ہائیں کر رہے ہو تم دونوں یہ من مگرت اور پرانی آٹھیں ہیں۔" ہینکڑ دیال بائیتین آئے والے لہجے میں بولا۔

"ہینکڑ صاحب آپ دشواں کریں ہم محبت نہیں ہوں رہے۔" دوسرا آدی پختہ لہجے میں بولا۔

"پہلا تم یہ بتاؤ کہ یہ معاملہ کیا ہے پھر شاید

تمہاری باتوں پر دھواں کروں۔" ہینکڑ دیال نے کہا۔

"ہینکڑ صاحب ہم مجبور ہیں اگر ہم نے زبان کھولی تو وہ ہماری ہتھیا کر دے گا۔" پہلے آدی نے کہا۔

"ہوں..... تو تم دونوں نہیں مانتے والے۔"

اب تم دونوں مجھے بتی کرنے پر مجبور کر رہے ہو مجھے ہے پھر۔" اتنا کہہ کر ہینکڑ دیال نے اپنے سامنے کھڑے کاشیوں سے غائب ہوئے ہوئے کہا۔

"ساندہ! اب یہ دونوں تمہارے حوالے ہیں جب یہ دونوں جگ بولنے لگیں تو مجھے بلا لینا لیکن کہتے تم سے لینے۔"

"آپ چننا ہی نہ کریں ہینکڑ صاحب آدھے کھینے میں یہ گوشتے زفر فریٹیں گے۔" ساندہ نے کہا تو ہینکڑ دیال اثبات میں سر ملاتا ہوا اپنے آٹھیں میں آ کر بیٹھ گیا۔

ساندہ نے واقعی میں آدھے کھینے میں انٹھا جگ بولنے پر مجبور کر دیا تھا ہینکڑ دیال ڈرانگ رہم میں پہنچا تو دونوں کی حالت کافی بگڑی، چہرے پر چمچڑوٹا کے بے حاشا نشانات تھے اور ہونٹ پھٹے ہوئے تھے جن میں سے خون گلد رہا تھا۔

"ہاں تو اب بتائیے سارا قاشہ کیا ہے۔" ہینکڑ دیال نے دونوں کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

"ہینکڑ صاحب ہم دانت پھر گاؤں کے رہنے والے ہیں۔" ان میں سے ایک نے بتانا شروع کیا۔

"دانت پھر..... کھین یہ وہی گاؤں تو تھیں جہاں ایک مہمان ساہوکی بڑی چڑچا ہے۔" ہینکڑ دیال نے قہقہے لگتے ہوئے پوچھا۔

"جی ہاں۔" وہی وہی ہم اسی گاؤں کے باپا ہیں۔" اس کے بعد ان دونوں نے جو باتیں ہینکڑ دیال کو بتائی ہیں ان میں نہ کرنا ہینکڑ دیال دنگ رہ گیا۔

"یہ کیا بکواس کر رہے ہو تم دونوں۔" ساہوکی ہائیں میں کرنا ہینکڑ دیال ہٹے سے چنچا۔

"ہینکڑ صاحب ہم باپل جگ کہے رہے ہیں..... حقیقت یہی ہے۔" وہ دونوں بیک دیاں

ہو کر رہے۔

"اوہ تو..... تم دونوں نے تو مجھے تیراں کر دیا ہے۔" ہینکڑ دیال کو شاید بھی کسی عین نہیں آ رہا تھا۔

"اس کا مطلب ہے مجھے فوری ایکشن لینا ہوگا۔ جی سر نہیں تو دیر بھی ہو سکتی ہے۔" ساندہ نے تائیدی اعزاز میں سر ملایا۔

"پہلو پھلدی کرو۔" ہینکڑ دیال نے کرسی سے اٹھتے ہوئے کہا۔

"..... ☆..... ☆..... ☆....."

"ساہوکی وہ دونوں ابھی تک نہیں آئے۔" کرسی میں بیٹھا وہ جوان آدمی ہلکے ہلکے آدی کے گائے کا ہاتھ جوڑتے ہوئے بولا۔

ان بڑے کا چہرہ چھریوں سے بھرا پڑا تھا سر کے بال کاٹ لیے تھے جو اس نے پیچھے کی جانب بیٹ کھتے ہوئے کھینے ناک سرخ آٹھیں یعنی وہ ایک طرح کا شیطان ہی لگ رہا تھا۔

"چھتاہت کرو نہایت وہ تمہاری مسیا کا بائے ہی ڈھونڈ رہے گئے ہیں۔" وہ بڑا ساہوکار جگ دلاڑ والا میں بولا۔

"ایسا نہ ہو ساہوکی میری دھرم جی کی آتما دابھیں چلی جائے اور میں ہٹا ہوا رہ جاؤں۔" رنجیت نے گھر نہایت لہجے میں کہا۔

"رنجیت چھتاہت کرو نہایت وہ آدی جلدی دابھیں آ جائیں گے۔ سب تک ہم باقی کام پورا کریں۔" ساہوکی نے سنجیدہ لہجے میں کہا۔

"لہجے کے ساہوکی۔" رنجیت نے کہا تو ساہوکیاٹھ میں سر ملاتے ہوئے اٹھ کھڑا ہوا۔

وہ دونوں ساہوکی دوسرے کر رہے میں داخل ہوئے دوسرے کر رہے میں دو بڑے ٹیلوں پر ایک خوب صورت جوان لڑکی اور دوسرے ٹیل پر ایک آٹھ نوسال کا بچہ لیٹا ہوا تھا۔ بچہ کرسیوں سے باہر کاٹھا تھا لڑکی کی آٹھیں ملکیں ہوئی تھیں اور وہ کر کے کھجھت کوکھو ہاتھ دوسرے میز پر ٹیلوں خوب صورت لڑکی کے

چہرے کے تاثرات بتا رہے تھے کہ وہ زندگی کی قید سے آزاد ہوگی۔

رنجیت کی نظر اس لڑکی پر پڑی تو اس کے من سے ایک سرور آگئی وہ دونوں بچے کی تھیل کے پاس آئے ساہوکی نے بچے کی آٹھوں میں ہاتھ لگائے کی نظر ان کا دائرہ ماب ساہوکی آٹھوں کی طرف تھا۔

ساہوکی ہاتھ نچاہم میں ہینکڑ دیال اور من میں کچھ بند بوائے کا قہقہہ لڑی بعد ساہوکی ہاتھ میں ایک جاقو آ گیا رنجیت تھمرا کر ساہوکی طرف دیکھ رہا تھا۔

ساہوکی جاقو کو دونوں ہاتھوں سے پکڑا اور ہوا میں ہینکڑ کیا۔

"ٹھا..... اسی وقت کر رہے میں ایک قازکی آواز گونجی رنجیت اور ساہوکی تھمرا گئے اس طرف دیکھا کر رہے کے بیرونی دروازے کے قریب ہینکڑ دیال چار کاشیوں کے ساتھ کھڑا تھا۔

ساہوکی دو پیٹھ میں ساہوکی سے نہیں ہینکڑ دیال نے گاؤں کے قبرستان سے ٹھو اکھا تھا۔

"خبردار اگر کسی نے بٹلے کی کوشش کی تو۔" ہینکڑ دیال غصہ بک لہجے میں بولا۔

ساہوکی سرخ آٹھیں اپنے ان دونوں کوکھو رہیں تھیں ساہوکی ہاتھ کاٹھا کہ ہینکڑ دیال یہاں کیسے پہنچا تھا۔

"غیبت ساہوکی کیا بچا کر اور پانی کا کمر ہا ہے۔" ہینکڑ دیال نے آگے بڑھ کر ایک دروازہ کھٹکڑ ساہوکی کے گال پر مارے ہوئے ہٹے سے کہا۔

"ہینکڑ چمچ نہیں بہت ہکا بڑے گاؤں سے بہت مہنگا ہے چمچ نہ رنے دنگ کے گال پر مارا ہے اور میں چمچ کو تمہاری طرف سے چوٹی مٹا ہوں اور میں سے چوٹی سونکا کر تاہوں یہ چمچ میں خیر ضرور دابھیں کروں گا وہ بھی کیا بچ کا ساتھ۔"

وہ ساہوکی اپنے گال کو سلٹا رہے ہوئے ہینکڑ دیال کو قہقہہ لڑی اور نظروں سے دیکھتے ہوئے بولا۔

"زبان لڑا ہے پانی۔" ہینکڑ دیال نے کہا

اور ایک زوردار جھپٹہ لگا کے چدے پر دے مارا۔
 ”انکھڑ آج سے حیرا ہے جب سے کی لگام
 میرے ہاتھ میں ہوئی تب تجھے دیکھوں گا میں۔“ لگا
 نے دانت پیچے ہوئے کہا۔
 ”نہ چلو انکھڑ پاپیوں کو حقانے میں۔“ انکھڑ
 دیال نے حکم کر بیچے کھڑے گاکیلیوں سے قصاب
 ہوئے ہوئے کہا۔
 کچھ گھنٹوں بعد انکھڑ دیال اپنی پارٹی سمیت
 حقانے میں موجود تھا۔ روایت اور لگا کے کردوں
 چیلوں کا ایک ہی حالات میں بند کر دیا گیا تھا۔
 ”انکھڑ دیال ایسے آفس میں آکر بیٹھ گیا تھا
 (انکھڑ دیال کے سامنے ایس آفس بھی بیٹھا ہوا تھا۔
 ”سیرنگھون کی بڑی کرپا ہے کم سے کم لے دوں
 بچوں کی جان سے پہچانی۔“ اسے آفس کی جوش کے
 عالم میں بولا۔

”تمہاری بات سچ ہے پر کاش وہ لڑکا ہوا زمان
 ہے اس سے پہلے ہی تو اس نے مٹی بارہا ہار دی تھی
 وہ لڑکا قیقا مہان گھٹلیوں کا مالک ہے پرتو۔“ انکھڑ
 دیال کیجئے کہتے رہا۔
 ”خیر تو سراسر.....“ پرکاش نے پوچھا۔
 ”میں یاد ہے پرکاش جب سنتوش کا اہل ہارن
 ہوا تھا اسے جس مکان میں رکھا گیا تھا وہیں سے ہمیں
 تین انسانی ڈھانچے ملے تھے۔“ انکھڑ دیال نے کہتے
 کہتے پرکاش سے تصدیق چاہی۔
 ”ہاں سر.....“ پرکاش نے اثبات میں سر ہلایا۔
 ”میرے خیال میں کہیں سنتوش کے پیچھے
 شیطانی گھٹلیوں کا بیمر نہ ہو۔ پرتو ایک بات میں
 دشمنی سے کہہ سکتا ہوں۔“ انکھڑ دیال کا لہجہ یکدم
 مضبوط ہو گیا۔
 ”وہ کیا سر.....“ پرکاش نے دلچسپی لینے ہوئے
 پوچھا۔

”وہ ان شیطانی گھٹلیوں کا مقابلہ کرنا خوب
 جانتا ہے جب ہم اس مکان میں پیچھے تھے تو سنتوش
 وہاں سے نکلنے میں کامیاب ہو گیا تھا۔“ انکھڑ دیال نے
 کہا۔
 ”دیے ہراس نے جب بھی ہمیں کوئی بات
 بتائی ہے وہ جگہ ہوتی ہے میرے خیال میں وہ پھیس کے
 کافی کام آسکتا ہے۔“ پرکاش نے کہا۔
 ”کو کیسے؟“ انکھڑ دیال نے سوال لگے ہوں سے
 پرکاش کی جانب دیکھا۔
 ”وہ ایسے کر سرجب بھی اس کے دل میں کسی
 بات کا خدشہ پیدا ہو وہ یہی بتا دیا کرے تو ہم اس شبن
 پر لکھ کھڑے ہوں گے۔“
 پرکاش نے سگراتے ہوئے کہا تو انکھڑ دیال
 ایک زوردار جھپٹہ لگا کر فیس پڑا۔
 ”اچھا پرکاش اب میں سونے جا رہا ہوں۔ تم
 رکھ اور اس کے پیٹوں کی خبر لو تک وہ مجھے سچ بولے
 نظر آئیں۔“ انکھڑ دیال نے اٹھتے ہوئے سنجیدہ لہجے

میں کہا۔

”انکھڑ صاحب آپ چتا نہ کریں صبح جب
 آپ فریض ہو کر واپس آئیں گے تو دیکھو اس کے
 دروں آوی ہوئے نظر آئیں گے۔“ پرکاش نے
 کہا تو انکھڑ دیال سگراتا ہوا آفس سے باہر نکلا۔
 اپنے کارڈ کی طرف جاتے جاتے حالات میں
 موجود رکھ اور اس کے آدمیوں کی بھی نظر اٹھائی تھی۔
 سامورنگ تو حالات کی دیوار کے ساتھ چپک
 لگے گردن چمکا کر بیٹھا ہوا تھا۔ جبکہ روایت اور لگا کے
 آدمی سوراہے سے کارڈ میں آنے کے بعد انکھڑ دیال
 نے کپڑے تبدیل کر کے اور پارٹی پر آ کر لیت گیا۔
 اچانک انکھڑ دیال کو بون مونس میں پیچھے کمرے
 میں کوئی ہوا انکھڑ دیال چمکے انداز میں اٹھ کر بیٹھا کارڈ
 میں صرف دو کمرے تھے دوسرے کمرے کی لائٹ آف
 تھی اچانک دوسرے کمرے میں کسی چیز کے گرنے کی
 آواز سنا دی۔ انکھڑ دیال کچھ دیر سے کمرے میں
 قیقا کوئی ہے انکھڑ دیال ہوئے سے جا پار پائی سے پیچھے
 اترا اور ایک طرف کھڑی ہوئی اپنی دردی کی طرف بڑھا
 انکھڑ دیال نے قریب پیچھے پہنچنے سے روک لیا
 اور پچھلے پچھلے تھکوں کے ساتھ دوسرے کمرے کی طرف
 بڑھا۔

انکھڑ دیال کے کمرے میں صحت کی سیرجیوں
 کے ڈبے کوئی بھی آسکتا تھا۔
 ”کون ہے کمرے میں.....“ انکھڑ دیال
 کمرے کے قریب پیچھے پر گرد دار آدمی میں
 بولا..... ”جو بھی کمرے میں ہے ہاتھ اوپر کر کے باہر
 آ جائے۔“
 ”سوائز.....“ اسی وقت دوسرے کمرے سے
 ملی کے بولنے کی آواز آئی وہ ملی تیزی سے کمرے سے
 نکل کر سیرجیوں کی طرف بھاگی ہے اقتدار انکھڑ دیال
 کی ہنسی لگی۔ انکھڑ دیال نے لائٹ آن کی تو کمرے
 کے فرش پر پائیل کا ایک گلاس پڑا ہوا تھا انکھڑ دیال نے
 لائٹ آف کی دیوار کو دوسرے میں ڈالا اور دوبارہ

پارٹی پر آ کر لیت گیا کچھ دیر بعد انکھڑ دیال کی جگہوں
 نے بھاری اور خرد گرد پائیلی نیکر کا پلا آ گیا تھا۔
 اچانک انکھڑ دیال نے ایک منٹ کے بعد اٹھیں
 کھینکے اور دیر لگی ہے اور گرد کھینکے گا کہ بھینکے آئی
 تھی کہ اس کی آٹھیں کس وجہ سے کھینکے تھیں اسی وقت
 بیرونی دروازے پر زوردار انداز میں دنگ ہوئی
 اور انکھڑ دیال کچھ گیا دروازے پر ہوئے دالی دنگ کی
 وجہ سے ہی اس کی آٹھ کی مٹی دنگ ایک مرتبہ
 پھرنوئی انکھڑ دیال کچھ اٹھ کر کھڑا ہوا اور دروازے کی
 طرف بڑھا۔

دروازے کے قریب پہنچے تک دروازہ مزید
 دنگ دی جا چکی تھی انکھڑ دیال نے دروازہ کھولا
 تو سامنے ایس آفس کی پرکاش کھڑا تھا جو پٹی پریشان تھا۔
 -

”خیر تو ہے پرکاش۔“ انکھڑ دیال نے ہنسی
 لینے ہوئے کہا۔
 ”کھن سرخیت نہیں ہے بہت زیادہ مگر بڑ ہوگی
 ہے۔“ پرکاش نے پریشان کی لہجہ میں بتایا۔
 ”کچھ متاؤ تو کسی.....“ انکھڑ دیال نے بے
 چینی لہجہ میں پوچھا۔
 ”آپ پچھلے تو کسی.....“ پرکاش نے تیز لہجے میں
 کہا۔

”فہم ہے تم چلو میں دردی پہن کر
 آتا ہوں۔“ انکھڑ دیال نے کہا تو پرکاش اثبات میں
 سر ہلاتا ہوا اٹھیں چلا گیا۔
 انکھڑ دیال نے دابھ آکر دردی پہنچی
 اور حقانے میں آ گیا۔
 انکھڑ دیال نے دیکھا حقانے کا سارا ملہ
 حالات میں پاس موجود تھا۔
 انکھڑ دیال کے قریب پیچھے پر حقانے کے ملے
 نے انکھڑ دیال کو سرات دیا سامنے حالات میں ایک
 خوف ناک منظر انکھڑ دیال کا مختصر سامو کے دروں
 پچھلے میں پر پڑے ہوئے تھے اور خوف ناک بات بھی

کہ دونوں کے سر دھڑ سے غائب تھے۔ ساوہ حالات میں موجود نہیں تھا۔

”یہ... یہ کیا...“ پریشانی کے باعث انپکڑ دیاں کے منہ سے لکلا: ”اور یہ ساوہ کہاں ہے۔“

”وہ... وہ سر پہ نہیں کہیں کہاں غائب ہو گیا۔“ پرکاش خند کے عالم میں بولا۔

”کیسا...؟“ انپکڑ دیاں چلائی۔

”سر آپ کے جانے کے بعد میں نے ایک سرسری نظر حوالات پر ڈالی تو ساوہ اور اس کے دونوں چیلے موجود تھے اور اس پر کڑی ہاتھی جب تھوڑی دیر بعد فریض کے لئے میں نے سادھ کو اٹھو لائے

کے لئے بھیجا تو تھوڑی دیر بعد سادھ گھر لایا اور میرے پاس آیا اور کہا۔

”س... سر... دو... دو... ساوہ رنک۔“

”کیا ساوہ سادھ تم آگے تھکے گھر آئے ہوئے کیوں ہو...“ میں نے حیرانگی سے پوچھا۔

”وہ... وہ... سر رنک اور رنجیت حوالات میں نہیں ہیں اس کے دونوں سادھوں کے شر پر بڑی بری

حالت میں پڑے ہوئے ہیں۔“

”سادھ نے بھلائے ہوئے مجھے ساری بات بتائی۔“

”یہ کیا کہہ رہے ہو تم...“ میں کہتے ہوئے

حوالات کی طرف بھاگ میں نے دیکھا رنک اور رنجیت حوالات سے غائب تھے اور اس کے دونوں سادھوں کے بغیر سرور کے شر پر (ختم) حوالات میں پڑے

ہوئے تھے۔“

پرکاش نے خوف زدہ لہجے میں بتایا۔

”یہ... یہ کیا ہوا...“ پریشانی کے باعث انپکڑ دیاں اپنا سر بکڑے ہوئے بولا۔

”ہا... ہا... ہا... اچانک انپکڑ دیاں کے کانوں میں ساوہ رنک کے تھپتھپ کی آواز پڑی تو وہ چلا۔

نے پرکاش سے پوچھا۔

”کیسا...“ پرکاش نے حیرانگی کے عالم میں

پوچھا۔

”اب... اب... ابھی رنک کے تھپتھپ کی آواز میرے

کانوں میں پڑی تھی۔“ انپکڑ دیاں نے حوالات میں

ارو کر دو دیکھتے ہوئے کہا۔

”ن... نہیں... رنک تو پھر سے تھانے میں

کہیں نہیں ہے ہم نے تو پھر تھانہ جھان مارا

ہوئے پختہ لہجے میں بولا۔

”نہیں پرکاش... رنک کے بچنے کی آواز ابھی

ابھی میرے کانوں میں پڑی ہے۔“ انپکڑ دیاں نے نفی

میں بھلائے ہوئے کہا۔

”ہا...“ ایک مرتبہ پر رنک کے تھپتھپ کی

آواز انپکڑ دیاں کے کانوں میں پڑی۔ انپکڑ دیاں نے

حیرانگی سے ارو کر دو کیا شرع کر دیا۔ کمر سوائے تھانے

کے لئے اور بغیر سرور کی ان دو اڑھوں کے علاوہ کچھ

نظر نہ پاتا۔

اچھوت ہے۔“ ریانہ نے منہ سے کہا۔

”اچھوت... پرتو پائی دیا میں تو کوئی

اچھوت نہیں ہوتا سب انسان برابر ہوتے

ہیں۔“ سنوٹش نے منہ مٹاتے ہوئے کہا۔

”نہیں چنا سب انسان برابر نہیں ہوتے مانک

اور نوکر میں فرق ہوتا ہے اب تم ہی بتاؤ ہم کو یوں میں

کھوئے ہیں اور وہ انکی گاڑیوں کو تھپتھپ کے لئے

صاف کرتا ہے ہمارے گھر پر دن رات ڈھیل کے لئے

موجود رہتا ہے جب ہماری گاڑی گھٹ کے پاس آتی

تو وہ گھٹ کھولتا ہے اب تم ہی بتاؤ وہ ہمارے برابر

کس طرح ہوا۔“ ریانہ کا لہجہ غبر بھرا تھا۔

”تھپتھپ کے لئے...“ سنوٹش ہنسا۔

”پرتو آپ بھی تو کام مٹیوں کے لئے ہی

کرتے ہیں ہتائی۔“ سنوٹش بولا۔

”فرقی ہے چنا۔“ ہم اپنی کیل کا کام کرتے

ہیں اور وہ کیل ایک چمک لہا رہے۔“ ریانہ نے کہا۔

”وہ بھی تو کام ہی کرتا ہے ہتائی میں فرق یہ

ہے کہ اس کیل ذرا ہم سے چھوٹا ہے وہ بھی آپ کی

نظر میں... آج تک عہد انھلنے نے بھی کسی آپ

کے آگے آتھ نہیں پھیلائے کسی بھی پریشانی کی حالت

میں کسی اپنی خواہ کے علاوہ کچھ نہیں مانگا۔ آپ بھی اپنے

کام کو دے دیتے ہیں آپ کوئی بات میں وہ دن

رات ہمارے گھٹ پر کھڑے رہ کر ہماری رکھا کرتے

ہیں جب جا کر وہ اپنی منت کے پیچھے ہم سے لیتے

ہیں۔ طرح آپ دن رات ایک کر کے آس کا کام

کر کے پیچھے کاتے ہیں۔“ سنوٹش نے وضاحتی لہجے

میں کہا۔

ریانہ سرخ آنکھوں سے سنوٹش

کو گھور رہا تھا۔ ”میں وہ کام ٹھیک نہیں کرتا تھا میں نے

اکثر اس کو اس سے سوتے دیکھا تھا کسی کارن میں سے

اسے نوکر سے نکال دیا۔“ ریانہ نے جان چھڑاتے

ہوئے کہا۔

”پرتو آپ تو ابھی کہہ رہے تھے۔“ ابھی سنوٹش

لہجے میں بولی۔

نے اتنا ہی کہا تھا کہ کد پائندے منہ سے لے لگا۔

”میں اب بگواس بند کر دوں دن بدن بدیز

ہوتے جا رہے ہو...“ رانگی کسی سکھادے ہی ہوئی

اسے اپنے ہاتھ کے سامنے زان بڑا رہا ہے۔“

ایک طرف کھڑی رانگی جو خاموشی سے ایک

طرف نہیں ان دونوں کی بحث و بکرا سن رہی تھی اپنے

ہاتھ کے نوکے پر تیزی سے آگے بڑھی۔ ”چلو بیٹا ہم

دوسرے کمرے میں چلتے ہیں۔“ رانگی سنوٹش کا ہاتھ

چکڑے ہوئے بولی۔

”اسے دو دھنوں میں، میں اسے تمہارے

بھیس کے بال چھوڑ کر آؤں گا یہ پندت صاحب کا آرڈر

ہے۔“ کھڑا رہا ہی بدیز ہو گیا ہے۔“ ریانہ نے

منہ سے لے لگا اور کر کے رہا نظر کیا۔

”مہما نہیں جاؤں گا شہر۔“ سنوٹش ضدی

لہجے میں بولا۔

”بیٹا جان تو تمہیں بڑے کا کیونکہ پندت کی کا

آڈر ہے اور تمہیں تو یہی ہے تمہارے ہاتھ پندت کی

ہے کہ اس کا پال کر کرتے ہیں۔“ رانگی نے بظاہر سنوٹش

کو گھمایا۔

”پرتو مجھے نہیں جاننا میں اپنے گاؤں میں

خوش ہوں۔“ سنوٹش کے لہجے میں بدیز ضدی بین

شال تھا۔

”کہاں جا رہے ہو تم سنوٹش۔“ اچانک رام

نے کمرے میں داخل ہوتے ہوئے کہا۔

”اگر رام بیٹا تم...“ رانگی نے سسراتے

ہوئے کہا۔

”میرا دوست کہاں جا رہا ہے۔“ رام نے رانگی

سے پوچھا۔

”شہر اپنے لاکے ہاں۔“ رانگی نے بتایا۔

”شہر... تھے دن کے لئے۔“ رام نے حیرت

سے پوچھا۔

”شاید میرے لے لئے۔“ رانگی اس

لہجے میں بولی۔

کہتا کہ مجھے اللہ اور اس کے رسول ﷺ سے ملا دیں۔
 ہماری خواہش دلی میں یہ عروہ جاتی ہے اور ہم واپس
 آجاتے ہیں۔“
 ”دوسرا کہ ہمیں اب کہاں پر ملیں گے ان کا نام کیا
 ہے اور کس جگہ ان کا ٹھکانہ ہے۔“

سرکار ان کی چٹان کو سرگرداںوں کے ساتھ چل
 بڑے لاہور پہنچ کر انہوں نے ان ہولناکیوں کو حاضر کر لیا۔
 مکے کو پہنچے نہیں ہوتا تھا کہ یہ کیا ہیں یہ تین عہد چہیلیں
 تھیں۔ دو سو سی پینتیس تھیں اور تیسری ان دونوں چہلیوں
 نے اپنے پیچھے چھوٹی ہوئی کسی شاہ صاحب کے پوچھنے پر
 بتایا کہ ”یہ ہماری خاندان ہے۔“

سرکار نے ان سے پوچھا، ”تم نے اس گھر میں
کیوں بڑھو ملا ہوا ہے نہ صرف ان گھروں کو نقصان پہنچا
دی ہو بلکہ قرب و جوار کو گلیاں بن کرنے پر آمادہ ہوئی ہو جنہیں
کوئی تکمیل ڈالنے والا آج تک نہیں ملا۔ آج میں جنہیں
روکنے آیا ہوں اور یہاں سے نکالنے آیا ہوں دیکھتا ہوں تم
یہاں کیسے بدگئی ہو اور انہیں کیسے نقصان پہنچائی ہو۔“

شاہ صاحب کی بات سن کر چالیس برس کے عیسائی
 میں آتے ہوئے گویا ہوئیں۔ ”جاؤ، جاؤ تم جیسے بہت
 سے سیکڑوں کی تعداد میں، میرا فقیر و عامل عیسائی نکالے آئے
 لیکن سب کے سب نہ کیلکھانے کے بعد باقی باقی جان بچا
 کر ملتے جلتے ہم سب بارگ کی مٹی ہو، ہم کسی اپنی زبان اور
 انماں نہیں جس کی تہااری گدیز بھیکیں سزا جائیں۔“

سرکار نے جواب میں فرمایا: ”تو تم بھی اسے کان کھول کر بلکہ دل کے کان کھول کر سن لو کہ تم بھی کوئی ایسا دیباغہ عالم و دیہ نہیں ہو کہ تمہارے ڈرانے و دھمکانے سے ڈر جاؤ گے، میں تو انہیں جلا کر کسٹم کر دوں گا۔“

”تو شاہد علی قاسم جی کان کھول کر سن لو تم بھی تمہاری گردن توڑ کر رکھ دوں گے۔ اور پھر ان سبکوں کا بھی کریا

کرم کر دیں گے۔ نہ یہ ہیں گے اور نہ پھر کوئی عامل، جس
ہمیں یہاں سے نکالنے آئے گا۔“
سرکار نے کہا۔ ”ٹھیک ہے پھر ہو جائے دو دو
ہاتھ، میں تم سب کو کہتا ہوں کہ یہ گھر چھوڑ دو بلکہ پورے
علاقے کو چھوڑ دو اور کھڑی ہو جلی جاؤ۔“
تو یہ نہیں بڑے سنجیدہ اور کفر سے بولیں۔ ”یہ

منہ اور مسود کی دلیل کہ ہمیں نہ صرف پورا علاقہ بلکہ ہمارا اپنا یہ مسکن چھوڑنے کو کہہ رہے ہو خبردار..... یہاں سے چپے چلا جاتے (یعنی خاموشی) سے چلے جاؤ ورنہ..... ورنہ“

Dar Digest **146**

”ورنہ کیا“

”وہ نہ بھی سرود جو تم کہیں لے کر آیا ہے دہلی
تہماری مومن ٹوٹی لاش چھوڑے تہہ کے گھر جائیں گے،
لہذا اگر اپنی خیر چاہے ہو جیسے آئے ہو ویسے ہی چلی جاؤ۔“
سرکار نے کہا۔ ”اگر میں نے تم کو حاضر کر لیا ہے تو
نہ صرف اپنا بیٹا دیکر جانتا ہوں بلکہ تمہارا بیٹا اپنی سہیلی
کے ساتھ چلا آئے گا۔ یعنی تم کو کھانے لگاؤں گا، کسی غلط فہمی

[illegible]

سرکار نے فرمایا: "میں کوئی عامل و قیصر باوری یا گروہ، محکمہ، بجٹ نہیں ہوں کہ کوئی مسئلہ دعوے کر کے چلتا ہوں مسلمانوں کے دین اسلام میں تین قول ہوتے ہیں، میں تین قول پر دوسے کروں گا پھر اس کے بعد دیکھنا اور تکمیل جو میں تم سے کہیں کتاب میں نہیں کہہ رہا ہوں تو تم اس سے کہہ رہے ہو اور اب اس کا جواب دے دو"۔

مگر تم مجھے کوئی تو کچر میں نہیں مانو گا، بہتر ہے کھیل شروع ہونے سے پہلے ہی نو دو گیارہ دو جوا کچر میں صوفتہ نہیں ملے گا۔ میں انہیں حضرت سلیمانؑ کی دان و کاؤ کا مدد دے کر کہتا ہوں کہ اب بھی دقت ہے میری بات سن لو۔"

”نہیں مافی“۔
 ”اگر تمہیں مافی تو نہ مانو ہم اب اپنا کیل شروع کرتے ہیں۔ پرا قول۔۔۔ تمہیں سے چلی جاؤ یہ جگہ ہوڑو۔“
 ”نہیں ہرگز نہیں چھوڑیں گیں۔“

147 February 2018

”دوسرا قول۔ یہاں سے علی جاوے جگہ اور علاقہ چھوڑ دو۔“

”بھی بھی نہیں جائیں گی۔“
”تیسرا قول..... میں کہتا ہوں یہاں سے دفع

”ہم بھی کہتی ہیں ہم نہیں تم یہاں سے دفع دور

یہ سننا تھا کہ سرکار بہت غصے میں آگئے چہرہ غضب ناک ہو گیا ہر کار کی ایسی حالت دیکھتے ہی چڑیوں نے غور ان پر کیا چہرہ بدل گیا جو بہت ہی بیت ناک اور خوف ناک ہو گیا بلکہ مانتے بڑے فخر کہ کرے کی پھت کے ساتھ ان کے سرگ گئے بڑے بڑے جھدے دانت ہیں لگتا تھا

سرکار تو ان کی یہ حالت دیکھ کر خیز ہوئے بلکہ
 یہ دوسری حالت سے جو خداوند تو اس نے انہیں عطا کی تھی
 تینوں کے بالوں کو اپنے دائیں ہاتھ سے پکڑ لیا تو چڑیلوں
 نے اپنے آپ کو سرکار سے جھڑانے کی بہت کوشش کی بہت
 جلی چلا، میں بہت دوسری کہ معاملہ دیکھ کر ہلکا ہو گیا۔

”ہمسفر ٹیمیں معلوم ہوا کہ آج واقعہ اتنا ہیچ نہ تھا،
جس منت سماجت پر اتر آئیں بولیں۔“

کر رہے ہیں، ہم تو یہی سمجھ رہے ہیں کہ پہلے والے
 مردوں، عامل، جہ فقیر، گرد، بجش، بجٹ ہمیں
 لئے آئے تو ہمارے سامنے ریت کی دیوار ثابت ہوئے
 آپ کو آپ کے اسی پیغمبر حضرت سلیمان کا واسطہ پڑی
 ہے کہ ہمیں چھوڑ دو ہم نہ صرف اپنا مسکن یہ علاقہ بلکہ شہر ہی
 ڈر کر چلا گیا ہے۔"

مگر کلاسیدر در عالم شادہ نے فرمایا۔ ”پہلے میں
 لڑی نہیں سنا تھیں کہ ہاتھا تو تم ٹس سے نہیں ہو
 تھیں، میں نے تو تمہیں پہلے کہا تھا کہ تم نے میری
 عزت کرتی ہے، تم نے مجھے حضرت سلیمان کا واسطہ
 دیا جو میں جانتا تھا کہ میں ہوں جسکی تم خاتم ہو، اللہ کے نام
 پر اگر تم برا بھلا کرنا چاہو، اگر تمہیں حاکم بنا کر نہیں

کردہ گا، حالانکہ تمہارے اعزاز اور جرم جتنی بھی تفصیل بہت کم ہے۔ یہ کہہ سکتے ہو جو تم نے اب تک اس گھر کے کینوں پر اور پورے علاقہ پر ڈھانے تو تم اس سزا کی سخت لگیں تم نے مجھے واسطی ہی ایسا دیا ہے جسے میں سمجھتا نہیں سکتا۔ کبڑا نہیں ہر ترقی کی سزا سنا ہوں اسی جگہ تمہارے ہی مسکن میں اس سامنے دانے کر کے کو تمہارے لئے زندا بنا دے ہوئے قید کرنا ہوں۔“

یہ سن کر وہ بچوں چھوٹ چھوٹ کر زار و قطار روئے گئیں۔ بچی رچی میں چلا رہی تھیں بار بار دانے دے رہی تھیں۔

سرکار نے فرمایا۔ ”جب تم اس گھر کے کینوں پر اور علاقے کے اسپین پر ظلم کریں گے تو یہ بدستے تھے تو تم بہت خوش حال مانتا ہی تمہاری رونے کی بارانی ہے اور ان کے بٹنے کی اور خوش مانتے کی۔“

ان کے دانے مسلسل جاری رہے، لیکن سرکار نے ان کی ایک نہ سنی تو وہ روئے ہوئے لوہیں۔ ”ہم جو وہ بہنیں ہیں جسے قید کر لیں گے یہ جو تیری ہمدی غلاموں ہے یہ ہماری یہاں ہے۔“

سرکار نے ان کی بات سنی ان کی کرتے ہوئے اسی کوئی کی دوسری منزل پر ایک کمرے سے قید کر کے دوسرے پر ہم اہم پڑھ کر مکمل یاد داتا کہ کئی صورت باہر نہ لگ سکی اور دوسرے پر بہت بڑا جلا لگا دیا۔ کئی مکمل کی پہلی پاس ہی بیٹھ کر یہ سب مازار کیہ اور سن رہے تھے، انہوں نے جب یہ دیکھا کہ سرکار نے انہیں تباہ کر کے قید کر دیا ہے بہت خوش ہوئے۔

یہ خبر دہر گئے کہ کوئی میں پہنچی بلکہ ہمارے شہر میں ایسے پہنچے جیسے جنگل میں آگ لگتی ہے۔ شہر کے لوگ جو پہلے بہت خوف زدہ اور سزا سے سزا سے تھے آج اس اچانک تیرہ درجن پر خوشی منانے کے ساتھ ساتھ ضامانی باقی جاری ہیں۔

سرکار نے ایک دماغ گیر کو بلا کر اس کمرے میں ڈیڑھ مربع فٹ کا سناٹا لٹا دیا اور اس پر گولڈ کی ایک کوری بچا کر لگی اور گھر کے کینوں کو کھاکے۔ ”میں نے یہ کوئی اس

لے ہوئی ہے کہ تم لوگوں نے ہر روز شام کو دلی کا کمرہ میں چھوڑ دیا اس گھر کی کوئی کمان نہ دیتا۔“

نکھنچلی کے تمام چھوٹے بڑے افراد سرکاری کرامت کو دیکھ کر بہت ہی خوش تھے میں سب گھر والوں نے آپس میں طعیر کی ہے جا کر شورو کیا اور پھر سرکار کے سامنے ہاتھ داندھ کر کھڑے تھے۔ ”جی فرمائیے اب کیا بات ہے۔“

تو بہنیں نکھنچ کر سارہ خانے کہا۔ ”سرکار ایک عرض ہے کہ قبول ہو۔۔۔۔۔۔“

”کہا کیا بات ہے۔۔۔۔۔۔“

کہنے لگے۔ ”پہلے میں یہ یقین دہانی کرنا تھا کہ جہاں میں رہا ہوں بڑی بلکہ بہت بڑی پڑاؤ کی مصیبت اور آفت دور کر کے ہم بہت ہی بڑا احسان کیا ہے۔ وہیں ہماری اس عرض کو بھی قبول کرنے کا وعدہ کریں تو پھر بتائیں گے۔“

”نیک ہے اگر قبول کرنے والی ہوگی تو ضرور قبول کر دوں گا۔“

”اگلے دن بتائیں گے سرکار اب آپ آمام کر لیں، رات کا لی ہوگی ہے پھر آپ نے ہمارا دن چڑیوں سے غرض دانی کی تو کیا ہے۔“

آرہے تھے، آہے کہ آدھے بجے جا رہے تھے۔ کوئی کوئی کا آنے جانے کا ناسنہا ہوا تھا ایک بجے تک سرکار نے نکھنچلی سے کہا کہ ”اب مجھے آپ اجازت دیں۔ اور یہاں جانے سے پہلے آپ مجھے اپنی عرض بتا دیں جس سے قبول کرنے سے پہلے آپ مجھے سزا دے لے رہے تھے۔“

”میں میں کی کوئی تھوٹے کے لئے ان کو نکالنے نہیں آیا اگر آپ کچھ بتانا چاہتے ہیں تو آپ میرے لئے اور میرے جی حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ پر ایمان لے آئیں۔“

سرکار آپ کی اس بات پر ضرور سوچنے لگے آپس میں ملائے مشورہ کریں گے، پھر آپ کو اطلاع کریں گے لیکن ہم اس مکان میں نہیں رہیں گے، کیونکہ یہ مکان ہم آپ کے نام رکھ چکے ہیں۔ سرکار یہ فائدہ تو بہت کم ہے ہمارا ان چڑیوں نے بہت نقصان کیا، ہمیں بہت زیادہ پریشان کیا۔ ہم اب آئندہ بھی جب تک کی خدمت کرتے رہیں گے۔“

سرکار کو پھر دیر لگی اس مکان قبول کرنا پڑا اور پھر اس میں رہا اس اختیار کا پڑی وہ بھی نکھنچلی کے بے حد اصرار پر۔

سرکار روزانہ شام کو دلی اور دریاں اپنے ہاتھ سے ان چڑیوں کو ڈالنے مہموف کے نامیاں غلام محمد سرکار کے مرید تھے سرکار نے انہیں خلافت سے فوازا ہوا تھا، ایک دن کہنے لگے۔ ”یا حضرت میں ان چڑیوں کو دیکھنا چاہتا ہوں۔“

”میاں صاحب تم ان کو نہیں دیکھ سکو گے۔“ مگر میاں صاحب کی خدمت پر اور بہت اصرار کرتے رہا۔ ”چاہے کچھ ہے تم انہیں دیکھنا ہی چاہتے ہو تو آج شام کا کھانا میں نہیں تم ہی ان کو دینے جاؤ کہ دریاں زیادہ در کھڑکی کے پاس کھڑے رہ رہا صرف ایک جھٹک دیکھ کر کوئی بند کر دیتا۔“

”جی سرکار یہاں ہی کروں گا۔“ انہوں نے کہا۔ شام کو میاں صاحب نے دال روٹیاں میں اور کوئی کوکھلا جیسے یہ کھانا اندر کی چڑیوں نے جھٹ سے چڑا لیا اور ایک دوسرے سے کہیں کر کھانے لگیں۔ میاں صاحب ان کی یہ جھنا جھنی اور دیر دیر دیکھ دیکھتے رہے جب اچھی طرح دیکھ لیا اور یہی جھٹ تو جیسے کوئی کو بند کر دیا تھا وہی سن رہے دھڑام سے گر پڑے۔ جیسے شاہ صاحب اپنے چند مریدوں کے ساتھ

کھڑے تھے ان مریدوں نے شاہ صاحب کے کہنے پر آگے بڑھ کر میاں غلام محمد کو اٹھا کر چھپ کر سے میں جا کر اٹھا دیا اور شاہ صاحب کو کہنے لگے۔ ”یا حضرت اسیاں صاحب کو بہت تیز بخار ہو گیا ہے۔“

سرکار نے میاں صاحب کو دم کیا اور پانی بھی پڑھ کر پلا دیا اور پوچھا۔ ”میاں صاحب اب آپ کی طبیعت کیسی ہے؟“

”جی..... جی سرکار آپ کی دعاؤں سے ٹھیک ہوں۔“

سرکار نے فرمایا۔ ”میں نے تمہیں سنا تھا کہ کھانا اندر سے کھانا کھڑکی بند کر دیا لیکن تم نے میرے کہنے پر عمل نہ کر کے اس مانی کھانے کو تیرے پیڑھے لٹا دیا۔“

یہ سنا کر اس چادر تک پر روبرو پایا پھر ان دن طبیعت سنبھلے پھر کراچی کی خدمت میں حاضری دی۔ ”میاں کیسے ہو؟“

”نیک ہوں سرکار۔۔۔۔۔۔“

شاہ صاحب نے ازراہ مذاق میں کہا۔ ”میاں صاحب۔۔۔۔۔۔“

”جی سرکار۔۔۔۔۔۔“

”آپ نے ان پھر چڑیوں کو کھانے دینے چاہا ہے۔“

”نہر کا میں نے آج کیا کھانا نہیں کھا۔“

”کیوں نہیں کرنا آپ نے ان چڑیوں کو نہیں دیکھا کیا؟“

”جی نہیں ہے میرے بس کا کام نہیں میری چھوڑے میرے بال باپ کی قربانی جو میں اب سن کو دیکھنے کا کام ہی ہوں۔“

جیسے ہواؤں سے اپنا رخ تبدیل کر لیا ہو، بہار کی طوفان کی زد میں آگئی ہوں، انجمن کی فوشٹائی کم ہوگئی ہیں، پھول بھی خزاں کی پلٹ میں آئے ہوں، بھینس نے کسی مسکرا تا چھوڑ دیا ہو کیونکہ کھیت کر اس کا فانی دینا سے کوچ کر گئے۔

ان کا حجاز مبارک شیخ شریف میں موجود ہے۔
لاہر دہری طرف 14 چوہہ اگست 1947ء کا دن کشا مبارک دن اور دشمن دن اور اس کی منجھتی نورانی صبحی اس دن حضرت قائد اعظم کی دولہا پر کثرت قیادت کا چہل قدمی تھی رب العزت نے پاکستان کی جتنی عظیم مہکت سے نوازا۔

سکھ خاندان لاہور کو چھوڑ کر ہندوستان جا رہا۔
اگر سرکار کے ایک ہی صاحبزادے سے یہ منظر حسین شاہ تھے۔ یہ بھی بہت پہنچی ہوئی کسی کی باپ کی طرف سے یہ وارث میں جوڑی کی اڑائی زنگی بہت اچھے طریقے سے ہمر کر کے اس جہان فانی سے دھماں فرما گئے یہ منظر حسین شاہ صاحب کے دو صاحبزادے سے یہ منظر حسین شاہ صاحب موصوف جس کے سر پر یہ جلاور چھوٹے یہ منظر حسین شاہ صاحب تھے۔

ایک روز درکار کا موسم تھا دن کے دس بجے کا وقت تھا یہ منظر حسین شاہ صاحب نے اپنے ایک مرید کو فرمایا۔
”مے شاہ کو چاہیے اشرف کو کھانا کھا لے اور اچھے شہر ہوا آگیا چھوڑا سا کھچکا ہے۔“ اشرف نے ناگہ تیار کیا گہری بہت کی کچلائی وہ پڑی کسی حضرت صاحب گھٹنے میں بیٹھ گئے تو اشرف نے ناگہ چلانا شروع کر دیا ناگہ کانوں سے بھی کسی کی دوپٹیں اور بھی کیا تھا کہ سر کے بائیں جانب سے بہت سی سرسری آواز آئی۔

”یہ منظر حسین شاہ صاحب ذرا بکھر کر کے لے رہا میری ایک عرض سننا۔“
شاہ صاحب نے اشرف کو ناگہ روکنے کا اشارہ کیا تو ناگہ کر گیا شاہ صاحب اور کو چاہیے دونوں ی آواز والی سمت دیکھ گئے۔ چند لمحوں میں ایک سیاہ

برقع میں ایک لکے قند والی دلی بلی کی خوبصورت دوشیزہ خراب خراباں چلتے ہوئے گنگے کے پاس آ کر کسی بڑے کتا کا پردہ ہٹاتا تو اندر سے جو چہرہ برآمد ہوا وہ ایسا حسین و جمیل کہ دیکھنے والے دیکھتے ہی رو جائیں، خوبصورتی میں اپنی مثال آپ گول منوں چٹکی آنکھیں سرور جیسا قند چیشائی اس نے شاہ صاحب کو سلام کیا تو اس کے ہاتھ کی چار انگلیاں میں انگلی نہیں تھا۔
سرکار نے کہا۔ ”آپ نے سلام کر لیا ہے تو کیا اب مہل چل جائیں۔“

”کیسی سرکار چند منٹ دوسری میں نے بھی تو آپ کا بیٹا بیٹی سنائی ہے۔“
”کیسی کیسی کیا کہتا ہے۔“

روٹی۔ ”جناب میں بھی آپ کی طرح سید زادی ہوں میرا عمر چھڑا تھمے کہ پاس چک نمبر 62 تھا۔“
”تھا کا مطلب ہے کوا۔“
”نہیں سرکار تھا جواب نہیں رہا۔“
”کیوں نہیں رہا۔“

”سرکار 1971 کی جنگ میں انڈیا کے جہاز نے ہمارے گاؤں پر حملہ کرتے ہوئے ہم باہری کی سر سے ہمارا چار گاؤں چار دو برباد ہو گئے جس میں حسین ماری کے گناہ باپ بہن بھائی بھی شہید ہو گئے، میں اس وقت اپنی خالہ کے ہاں راولپنڈی میں تھی، جب واپس آئی تو اپنے گاؤں کو دیران اور اتر اڑا ہوا اپنا گھر والوں کے گم ہونے کی روح فرما رہی تھی جس نے میرے کان میں اور اس کی نیند میں اڑا دیں رونا میرے صدر میں لکھ دیا گیا۔ میں یہ دردت اپنے چہلوں کو یاد کر کے رو رہی ہوں۔“

آج رات بھی روتے روتے میری آنکھوں گئی تو خواب میں آپ کے دادا اور سید عالم شاہ صاحب ملے۔ انہوں نے مجھے بہت پیار کیا اور کہا۔ ”بیٹا جو ہونا تھا وہ تو ہو گیا انہیں واپس تو نہیں لایا جاسکتا، اللہ کے کاموں میں کون کون سا دے سکتا ہے ہڈیاں میری اللہ میر کرنے والوں کے ساتھ ہے لہذا تم ایسے کر دیاں سے

جہاں کر بیکھ کر وہ کیروہ کے مشرق میں اس جگہ پر اب جہاں میں اور آپ موجود کھڑے ہیں کی نشاندہی کرتے ہوئے کہا کہ گاؤں کے دن دن کچھیں منٹ پر ایک ناگہ گورے گاؤں میں سفیر رنگ کا گھوڑا ہوا گاؤں ناگے میں صراخ تباہی مظر حسین شاہ سرنگ ہاؤں والے سوار ہوں گے ان کو اپنے گاؤں کے جاہ ہونے کی اور اپنے گھر والوں کی شادی کی خبر تیار کرے کہ کس آپ کے بڑے بھائی سید سکھو حسین شاہ صاحب کے ہم بیٹے ہیں بیٹا کوئی نہیں۔ سرکار کشا مبارک بات سن کر نہیں ٹھیکے جا کر کشا مبارک کالج اپنے بڑے بھائی سے کراویں گے تو کشا مبارک ملے سے اللہ تعالیٰ انشاء اللہ جتنا عطا کرے گا ہے عطا کرے گا ہے میری اڑا سناں میں جو میں نے آپ کے گوش گزار کر دی۔“

شاہ صاحب نے اسے ناگے پر پیچھے بھینچنے کا اشارہ کیا یہ دوشیزہ جب بیٹھ گئی تو حضرت نے اشرف کو چاہیے کہا۔ ”اشرف ذرا ناگے کو واپس گاؤں کی طرف سوڑو ذرا اس کو کھر پر چھوڑا نہیں۔“ ناگہ واپس چل پڑا ابھی کوئی آدھا کلومیٹر ہی سفر طے ہوا تھا کہ پیچھے بھینچی گئی شہزادی نے جو سید زادی کا روپ دھارے ہوئے تھی اس نے اپنی اپنی صورت میں آ کر اپنی طاقت کو نکھیا کیا اور پہری قوت سے شاہ صاحب کی گردن پر ہاتھ مارا نہیں شاہ صاحب کی گردن تو ڈی کی کوشش کی جو کچھ نام ہوئی۔ جب اس نے دیکھا کہ سید زادی کا روپ تباہ نہیں ہوا، شاہ صاحب تو بالکل پہلے سے بھی بہتر ہواش بیٹا ہیں تو اس نے ایک سینئر کی بھی تاخیر نہیں کی اڑنے کے لئے بالکل تیار کر کے سرکار نے فوراً پلٹ کر اس کے ہاؤں کو کوئی بھی میں جڑا لی جہاں پہلے بہت خوب چھوڑا تھا وہاں خود اپنی کھیت ناگہ شکل شکل اگتی آنکھیں تیز اور تو کھیت دانست۔ اپنے آپ کو چھڑانے کے لئے اپنی چوٹی کا زور دھاری ہی اس نے بہت ہاتھ پاؤں چلائے زور زور سے جتنی چلائی۔

شاہ صاحب نے کہا۔ ”بچہ مجھے تو اسی وقت ہی دیکھ لیا تھا جب تم نے مجھے سلام کیا تھا تمہارے ہاتھ کی

چار انگلیاں ہوئیں انگریز نہیں تھا تو میں نے فوراً تمہارے پاؤں کی طرف دیکھا تو تمہارے پاؤں چھپے کی طرف مڑے ہوئے تھے میں اسی وقت مجھے کچھ کہ تم نہیں ہوتے مجھے بتا دی ہو بلکہ تم ایک چڑیل ہو چرخی میں نے نہیں آڑنے کے لئے کہ میرے ساتھ کیا کھیل کھیلنا چاہتی ہے میں نے انجان بنا کر ہاتھیں معلوم نہیں ہونے دیا اب دیکھ میں تیرے ساتھ کیا کھیل کھیلنا۔ تیری کیا درگت بنا تھوں۔“

وہ یہ سن کر بہت ہوشیار ہوئی اپنے آپ کو چھڑانے کی بڑی کوشش کی لیکن کہاں اور کیسے چھوٹ گئی تھی، شاہ صاحب نے اشرف کو چاہیے کی چڑیل کے اس سے چڑیل کے ہاتھ پاؤں باندھ کر تگے میں اپنے پاؤں میں ڈال دیا اور شاہ شریف اپنے کمر لے گئے اپنے بڑے بھائی سید سکھو حسین شاہ صاحب کو تمام ماجرا بتایا ان کے مشورہ سے اپنے کمر کے باہر جس تقریباً پانچ دو میلہ کنال پر پیش کش کے درمیان میں چٹیل کا بہت بڑا درخت ہے اس باوقی حضرت کو اس چٹیل کے درخت سے باندھ دیا گیا۔

پڑے چاروں تک یہ چڑیل اس درخت سے ساتھ باندھی رہی ان چاروں میں اسے دیکھنے والے لوگوں کا تباہی بے شمار ہوا جہاں جہاں تک یہ پہنچتی وہاں وہاں کے لوگ ایک جگہ بہت دور دور سے لوگ اس چڑیل کو دیکھنے آتے رہے۔

پانچویں دن سرکار نے اسے درخت سے کھول کر کارڈی کی میں ڈالا اور اسے لوہاری منہ سے کوچہ بھولے شاہ صاحب اسی کوئی کے کمرے میں جہاں تین عدد چڑیلیں پہلے سے قید تھیں۔ اس کے ساتھ ساتھ چاروں چڑیلیں پر دھالی لٹ کر کے اس کے ہاتھ اور پاؤں کو کھول کر اس تینوں کے ساتھ قید کر دیا۔ اب پہلے دیکھانے کھانے میں بھی اضافہ کر دیا گیا۔ جو انکس ہر شام کو جانا تھا۔ جیسے ہی انہیں کھانا ملا تب تک دوسری سے لکھ کر کھینچ جیتی تھیں کہ کھانے کی کوشش کرتے، ان میں سے ہر ایک کا بکبی ارادہ ہو کر کس زیادہ کھانوں کا میری بھوک



خوف کا سایہ

گلاب خان سولگی کھنور

ھر طرف ہو کا عالم تھا اندھیرے نے ھر شے کو اپنی لپیٹ میں لے رکھا تھا کسی بھی ذی روح کا نام و نشان نہ تھا ھر طرف خوف اور ڈر نے ڈھیر رکھ تھہ کہ اچانک.....

دل دوباغ پر بارہ طاری کرنی خوف و ہراس کے سمندر میں غوطہ زن خوفناک کالی

پاکستانی بارہ طوں کی تعداد بہت کم ہے اور جتنی بھی ہیں وہ لاپرواہی ہیں۔ ایسا بھی نہیں ہے کہ کبھی یہ مشغول لاپرواہی کی کوئی چیز ہے مگر ہماری سے ہماری فلم انڈسٹری بھی مسائل کا فکاہ ہے اور دنیا جانتی ہے کہ ایسے کمزور ملک میں ہر ایک ایسا مشغول ہے جس پر دنیا میں بے شمار کمپنیاں بن چکی ہیں اور بن رہی ہیں لیکن پھر میں اس مشغول پر غور نہ کرتی ہوں جس کا اعتراف بڑے بڑے

میں پھر لگا لیا کریں۔

ممكن تو ہر ایک کو بھارا ہوتا ہے تو آپ کا آستانہ شاہکار ہے اجازت ہو تو اپنے گھر کو دیکھیں گے ساتھ ساتھ آپ کی زیارت بھی نصیب ہو جائیگا کہ۔ یہ چوٹی بھی اب ہمارے ساتھ ہی رہے گی کیونکہ کالی عرصہ سے ہمارے ساتھ قید میں رہی ہے۔

”میں تم کیسے یقین کر لوں کہ تم آزاد ہو کر کی نقصان نہیں پہنچاؤ گی۔“

”ماجرہ اداہی ہم آپ سے کا قول قرار کرتی ہیں ہم آپ سے کیجئے وعدہ کو ضرور نبھائیں گی۔ اگر آپ دیکھیں کہ ہم اپنے وعدہ پر پورا نہیں اتر رہی ہم سے کبھی غلطی سے بھی کوئی کوتاہی ہو جائے تو ہمیں دوبارہ اسی قید خانہ میں ڈال دینا یا ہمیں جلا کر سم کر دینا اگر آپ میں ہمیں چھوڑنے کی ہمت ہے تو ہمیں دوبارہ توبہ کرنے کی بھی طاقت ہے، مگر کار اتنے سال قید میں رہنے کی وجہ سے ہماری آنکھیں مکمل بند ہو گئی ہیں۔“

قول قرار لینے کے بعد ہمیں پھر کراہا تھا۔ سید نصر الدین عرف شیخ سلطان شہزادے نے اس کا حکم پڑھ کر اس کیل کو ختم کرتے ہوئے انہیں آزاد کر دیا اور انہیں اپنے سکس میں آنے کی اجازت بھی دے دی۔ شاہ صاحب نے بھی ٹوٹی ڈال ڈال ڈال کر دے دی۔

تو پھر موصوف محمد شریف شاہ کی چھوٹی بیٹھری

اور بیٹوں کی جانف محمد حسین کو ماجرہ شاہ صاحب نے اس کو بھی میں ہاں دے دی جو چار پانچ سال تک اس میں ہاں پڑے پر ہے اس عرصہ میں کالی بارے پڑھیں اس گھر میں آئی ہیں لیکن کسی کو کوئی دیکھ نہیں پہنچایا۔ ہاں ان کے ساتھ مکمل ضرورت کر میں جس کو بھی کوئی برتن اٹھا لیا بھی کوئی چیز اور بھی کوئی چیز اضافی ڈھونڈنے پر نہ ملتی لیکن کچھ وقت کے بعد جہاں بھی ہوئی وہاں سے دوسری جگہ پر پڑی ملتی آج بھی وہی طرح اپنے سکس میں آئی جاتی رہتی ہیں۔



مست جانے میرا بیٹا بھر جائے۔

ایک دن اس بچہ نے بھی کوئی دیکھنے ہوئے سید مظفر حسین شاہ صاحب جہاں اس فانی دنیا میں نہیں رہے کے صاحبزادے سید نصر الدین شاہ صاحب عرف (سید شیخ سلطان) صاحب نے ان پر دم دس کر کے ہونے ان کے کرے کا تالا کھولا تو چڑھیں خوف سے قہر کر اپنے لگیں اور گر کر شاہ صاحب کی طرف دیکھنے لگیں۔

ماجرہ شاہ صاحب نے انہیں کہا۔ ”دوست آؤ باہر نکل آؤ۔“

”کہنے لگیں۔“ ہم کرے سے کیسے باہر آ سکتی ہیں ایک قدم بھی اگر باہر نکلا تو مل کر خاک ہو جائیں گی، کیونکہ اس گھر سے کبھی مل گیا ہے، ہاں لے تو ہم خوف زدہ ہیں کہ لگیں آپ نہیں بیٹس و تالہ دوسرا چاہتے ہوں ہم سے ہمیشہ کے لئے چھکارا حاصل کرنا چاہتے ہوں۔“

”ہمیں میرا اچھا کوئی املاہ نہیں کہ تم کو ختم کروں بلکہ میرا بچہ اور ہی ارادہ ہے وہ بھی اگر تم سب مجھ سے تعاون کرو گے تو۔“

”تو کیا جی تم سے آپ کو جس قسم کا بھی تعاون دے گا سب ہم کرنے کے لئے تیار ہیں۔“

”اگر میں تم سب کو قید سے آزاد کروں تو پھر تم کیا کرو گی۔“

جادو کا ایک زبان ہو کر برہیں۔“

ماجرہ شاہ صاحب جی نہیں آپ کے گھرانے کے متعلق معلوم نہ تھا اب ہم پر سب کچھ عیاں ہو گیا ہے اگر آپ ہم کو سوا کر کے آزاد کروں گے تو ہم آپ سے پتہ وعدہ بھی کر رہی کہ آئندہ اپنی پرانی دش پر بھول کر بھی نہیں چلیں گی کسی کو بھی نقصان نہیں پہنچائیں گی ہاں سرکار جہاں ہم پر اتنی بھری مہربانی کرنا چاہتے ہیں وہاں ہماری ایک مرض ہے اس پر بھی نظر ڈال کر دے ہوئے یعنی ہماری درخواست کو قبول کرے ہوئے ایک اور مہربانی فرمائیں گے وہ یہ کہ یہ گھر ہمارا سکس ہے اگر آپ جناب کی اجازت مل جائے تو ہمیں گھر اس گھر

معلوم ہے کہ ہائیڈرو پاور ہائیڈرو پاور کی طرح ہمیں وسائل اور
جدید ٹیکنالوجی کی سیریس تکنیکس کی ضرورت ہے۔ ہمارے پاس ہے یہ
ٹیکنالوجی اور کہانی موجود ہے جس سے ہم محدود وسائل کے
باوجود کمیشن میں آسان کا مقابلہ کرنا چاہتے ہیں اور دنیا کو ثابت کر
دیں گے کہ ہمیں کہیں پاکستان کی طرح انٹرکسٹ میں ہے سچے
فٹیس ہے ہمارا جیڈ ہے کہ پاکستان کی انٹرکسٹ میں ہے جو ایکٹ ملا ہے
جس کا ہم نے نام رکھا ہے ”خوف کا سار“

مجھے امید ہے کہ آج ہی ہم اس کی کاسٹ اور
لوکیشن فائل کرنے کے لیے پاکستان میں آج جس کے میں
جہاں آپ کو بتا رہا ہوں کہ اس کا سبب ہماری حکومت کے
وزارت کے ہے جس کی 80% فیصد شریک پاکستان کے
مالانی علاقوں میں ہو گی اور بقیہ 20% فیصد شریک

بلکہ اور اپنی دن رات کی کاوشوں سے یہ کام خوش اسلوبی
سے انجام دیتا چلا آ رہا ہے ہمارا دعو ہے کہ پاکستان نظم
انٹرکسٹ کی طرف ہمیں بتانے میں کامیاب ہو جائے اور کسی
صنعت کو اپنے کئی حق میں اس کو کاردار کر دے
آپ سے کہیں کہی طرف وہاں کا دینے
ہم تمام علاقہ خلیان اور کھوجہ سے کہیں جیسا کہ میں علم
انٹرکسٹ سے رابطہ ہوں اس لئے زیادہ تر لوگ مجھے
”جو جی آر شرف“ کے نام سے جانتے ہیں۔ انڈونیشیا
کے راہی رہ رہ کر کامی سے لاہور کا شریک ہدائیں
سے کم نہیں ہے شرف میں انٹرکسٹ کی اسلوبی راہی میں
واقع سے تبدیلیاں ہیں کہ سارہ لاہور شرف
ہو گئے تو ہم بھی وہیں کے ہو کر رہ گئے۔

لیکن اس سارے سفر میں کوئی خاص کامیابی نہیں مل سکی بلکہ ہمارے بعد کوئی آنے والے نئے ہیرو نہ ہو سکا کہ کامیابی ملی، لوگ دور سے سن کر بچپن کے ان گھڑ گھڑا لپٹے چہرے سے بھی کچھ اڑشٹ ویسے ویسے ہیں جیسے شروعات کی کئی اہواب تک کہ کوئی تھکن کی طرح نہ ہو جائے یہی نہیں کہ ان کے بعد میں خدا کا شکر آئے تو وہاں پر ہی نہیں حال میں بھی کسی ائمہ اسلام ہمارے جیسے سیکڑوں فنکاروں کی مدد دی کہ بعد سے یہ خراب آئے ہیں اصل موضوع کی طرف تو توجہ نہیں دے کر دینی کارکنوں کے اندر ہی میں خرافات فطرتوں کی وجہ سے مشہور ہو رہے ہیں خدا کا کواکب اہل علم بتائے انہیں کواکب ملا تو انہوں نے وہیں اپنا کواکب میں واقع بن کر کواکب زلفی استیلا اور جاسوس کا نام لے کر ڈاکاؤں خرافات میں جاسوسیت نام کی طرح صرف اور صرف خوف نام کا فلسفہ نہیں بنیں۔

مسلے لوگ پہلی کی ایک دیڑی کس میں سڑ کر رہے تھے۔
اس سے عرصوں کے بعد مایہ کو پوچھے تھے اس نے میں کی قسم
کی شہادی پیش نہیں کی، لیکن لاہور سے گلستانِ حبیبہ
بڑے سڑے کے تمام کھنکھ سے دوڑ گئے تھے۔
سڑے کے احاطہ پر سب نے کھوکھ کا سانس لیا اور انا
پہلا چڑاؤ گلوت کی ایک شاندار بول میں تھا۔ پہلا بھڑک
صاحب نے سب کو ایک دن کاربٹ دیے کوکہ، آرام

[illegible]

میں یہاں دوسرے کے ساتھ کہہ سکتا ہوں کہ
 قدرت نے پاکستان کو ایسی جین دیا ہے کہ
 اہل عرب ہی نہیں ایسے لیکن ظلم و ستم کو دنیا وطن بھول
 جائیں، لیکن حدود کی کجوات گھر کی مرقی دہلی برابر کے
 متروک نہیں ہے نکال دو لو لوں کی قدر نہیں ہے خبر
 گاؤں کا قاتل ہو گیا تھا تو فلم کی ڈیڑھ کے مطابق
 ضروری سارا سامان دہلی پہنچ گیا تھا، دہلی کی ہاتھ دہلی
 ایک لکھ ہزار نے پٹیل کے جو کہ خاص ہاتھ کیا تھا۔

ہر ڈیوٹر کے لیے الگ کمرہ، ہیرو، ہیروئن کے لیے بھی الگ الگ کمرے اور عام فن کاروں کو اسٹاف کے لیے بڑا ہال کرے مختص کیے گئے۔ ہمارے کمرے میں چند خوبصورت آرٹسٹ، ڈانسیڈ، باورچی اور سبھی حضرات مقیم تھے، سارا اسٹاف جانا پہچانا تھا۔ رات کو عابد خان نے ایک شینگ بلائی تھی۔

دوستوں! اس اتنا یاد رکھیں کہ ہمارا مقابلہ مغربی
ہندی ظلم انگریزی سے ہے، اس لئے ہر بندہ میری نظر میں
بیزوئے اللہ کا نام لے کر کل سے ہم اپنی ظلم "خوف کا سایہ"
کا آثار گھر رہے ہیں، سو ظلم سے بڑی ہر بات رونے و دقت کی
بہتری کرنی ہے، آپ کی حوصلہ افزائی کے لیے کچھ تم بطور
یادداشت دی جا رہی ہے تاکہ آپ لوگ ہم خوش اسلوبی
سے رہنا خاصہ سے سکھیں۔

”پروڈیوسر عابد خان زندہ ہاؤ“ ساری فن کار برادری

[illegible]

چکر اڑ کر گئے تھے، وہاں سے جیسے جوچر آڑشٹ بھی شیلے پر نظر آئے تھے، جیسے پتھر پتھر بار بار، کبھی دیر نہ دیا تو کبھی سرک چھاپ کر غڑ، وہ مطلب یہ تھا کہ کامل کا جاتا تھا اور ہماری بھی روز کی موتی ہو جاتی تھی۔

یہ تین بار ان قحطالی کی تھوڑی سی لکائی میں بھی رب کریم کی طرف سے اتنی برکت حاصل ہوئی تھی کہ ہم لوگ بیچ شام کا کھانا کھاتے تھے اور اپنے چھوٹے سے بچے دہل رہے تھے، بہت خوش اور مطمئن ہوتے تھے، اس طرح کافی دن گزار کر تھے اور ہم ان کے اپنے بھیگی سر اٹھانے کی طرف تیزی سے عمل ہو رہی تھی۔

لیکن پردے کے پیچھے کچھ برادر سے واسطے ایسے ہوئی کہ مجھے گا کہ میں اس گاؤں میں کس طرح کی شوکت مکمل کر رہے ہیں، وہاں پر ابھی میں آدم خود تھپاپ کی کوئی بددعا یا سحر بت سائیں نہ ہے۔

وہ اس طرح کہ ایک دن پھر پھر عابد خان نے مجھے بلایا اور کہا۔

”دیکھو لو! آپ ایک جوچر آڑشٹ ہو کر جبرے میں آپ کافی تیز ہو، وہاں اڑتا باہر می پھٹتاں میں داخل ہو کیا جودھ و کھجور میں کھنکنا کر کھاتا ہے۔ میں نہیں چاہوں گا کہ یہاں کی ہڈی ہڈی اور گردوں کو بے گھر لے آئے اس پر پائیت ہے آپ چاہیں اس باہر بھی سے ملیں، آپ اب کو اپنے کام کے علاوہ باہر کی کا اٹھانی جارہی ہے، آپ دیکھتے ہیں کہ ہمارے کسے باہر بھی کی موت یا پانی آپ کی یاد کو غریب سراخیا میں کی۔ اب آپ چاہتے ہیں۔“

میں وہاں سے سیدھا ہسپتال آیا جہاں ہمارے باہر بھی داخل تھا، وہاں ایک بیڑ پر میرا جان تھا اور ایک عہد ڈرپ اسے لی ہوئی تھی، مجھے دیکھ کر خوش ہوا۔ ”کیا ہوا شیب؟“ میں نے اس کی طبیعت پر بھی خوشی ڈرا ہوا نظر آ رہا تھا۔ ”میری کھجور ڈالنی خیر نہ آئی؟“ جہاں بایا ”میری کھجور ڈالنی خیر نہ آئی؟“ میں نے جہاں جہاں ہوا۔

نہایت سے کہاں؟“

وہ بولا۔ ”عابد خان قسم کے یہاں سے ہم سب کو مروا دے گا۔ وہ دیکھتا ہے کہ تم بھی سب کی لکٹ کھڑا کر داکس گاؤں چلے جاؤ۔“

میں اس کے قریب بیٹھ گیا، میرا تجسس مزید بدست جہاں قحطالی کی بات بات شیب۔ ”وہ بھرا ہوتا ہے۔“

”میں روزانہ سبھی کرتا تھا کہ باہر بھی خانے میں میرے علاوہ کسی کوئی ہے، کبھی تو کبھی سبزی عابد ہو جاتی تھی تو کبھی کوشت ایک دن میں سے سبزی کا گوشت ایک

برتن میں سنبھال کر کھاتا اور باہر بھی خانے کو لانا دیکھ دوسری صبح میں سے لانا کھاتا اور باہر بھی خانے میں آکر دیکھا تو

گوشت عابد تھا، میں نے ذرا بک کر لکائی دیکھ دوسرا چھپر میرے سہ پر کسی نے رہا دیکھا تو وہاں کوئی بھی نہیں تھا تو یہی چیز کس نے ذرا گوشت کس نے کھا؟“

اس کی بات سن کر مجھے بھی خوشی لاق ہو گئی تب سے میرا دل پر پتھر پتھر کھاتا تھا مجھے یہاں داخل ہو کر پڑا

اسے میں نے دلا دیا اور کہا۔ ”مجھے یہ پڑا پھر صاحب نے خصوصی طور پر یہاں بھیجا ہے آپ کا عابد خان

والے گھر رہا ہے ہیں اور جب تک آپ مکمل صحت یاب نہیں ہوتے، میں آپ کی جگہ کام کر گا۔“ اس کو جب تسلی ہوئی تب وہ مطمئن ہوتے ہوئے مجھے کام بھیج دیا

دیسے میں بھی جوچر آڑشٹ باہر بھی خانے میں دیکھ رہا ہوں تو یہاں سے میرے واسطے میں کسی کی کا کے استعمال کر سکتے ہیں، لیکن ابھی میرے واسطے کے لیے رات کا کھانا تیار کرنا تھا، اس لئے سر شام ہی میں نے

باہر بھی خانے کا رخ کیا۔

کھانا کھانے کے دوران مجھے بھی کسی کی سوجھ بوجھ

محسوس ہوئی لیکن میں لوگ ڈر لائی تمہیں بنا کر لوگوں کو ڈرانے کی کوشش کرتے ہیں، اگر خود جا کر میرا پیٹ بچاؤ کام کے ساتھ آٹھناں میں؟ میں نے آواز بلند نہ کیا۔

”دیکھو آپ جو کبھی ہیں میں ڈرنے والا نہیں مجھے بہت کام کر ہے، آپ کی لپٹے کام میں لگے ہیں۔“

حیرت انگیز طور پر اب وہ آواز کی آواز نہ ہو سکی تھیں جو تھوڑی دیر قبل میری مانتوں سے گھری تھیں۔

کھانا کھانے کے دوران مجھے بھی کسی کی سوجھ بوجھ

محسوس ہوئی لیکن میں لوگ ڈر لائی تمہیں بنا کر لوگوں کو ڈرانے کی کوشش کرتے ہیں، اگر خود جا کر میرا پیٹ بچاؤ کام کے ساتھ آٹھناں میں؟ میں نے آواز بلند نہ کیا۔

”دیکھو آپ جو کبھی ہیں میں ڈرنے والا نہیں مجھے بہت کام کر ہے، آپ کی لپٹے کام میں لگے ہیں۔“

میں نے کھانا تیار کیا اور سوا کیا۔

ایک اور عجیب واقعہ میرے ساتھ پیش آیا، ایک دن ہمارا ملازمہ پتھر پر گیا اور صاحب نے اس پر توجہ

دلا، یہ بتایا، ہے، عجیب قسم! کبھی باہر بھی تو کبھی ذرا تھوڑے کچھ بھی ہمارے جیسے لوگ شکر گزار بندوں کی

کہ کھجور کی سامان خرید کر ہمارے شوکت والی جگہ پر جا رہا تھا کہ رات میں مجھے آدم خود کا کھانا کھانے والے کو سن

مرن نظر آئے۔ ”نہیں یہ اپنا عمران ہے؟“ میں نے گاڑی دہلی کو رات سے آواز لگائی۔ ”میں نے اپنی کہاں کہاں

آج سے آج سے کھجور میرے ساتھ؟“ میں نے غصہ بکھو بولے روزانہ کھانا اور میرے برابر والی سیٹ پر بیٹھا، میں نے

گاڑی سنبھال لی۔

وہ بدستور خاموش بیٹھا، راجب کہ میں اس کے تعریفوں کے بل بوتے پر تھا۔

”میں نے اپنی کہاں کہاں کھانا کھانا ہے؟“ میں نے لکھا

”میں نے اپنی کہاں کہاں کھانا کھانا ہے؟“ میں نے لکھا

”میں نے اپنی کہاں کہاں کھانا کھانا ہے؟“ میں نے لکھا

”میں نے اپنی کہاں کہاں کھانا کھانا ہے؟“ میں نے لکھا

”میں نے اپنی کہاں کہاں کھانا کھانا ہے؟“ میں نے لکھا

”میں نے اپنی کہاں کہاں کھانا کھانا ہے؟“ میں نے لکھا

”میں نے اپنی کہاں کہاں کھانا کھانا ہے؟“ میں نے لکھا

”میں نے اپنی کہاں کہاں کھانا کھانا ہے؟“ میں نے لکھا

”میں نے اپنی کہاں کہاں کھانا کھانا ہے؟“ میں نے لکھا

نہایت سے کہیں تھا، اس لئے ہمیں گاؤں کے چوک

پر نہایت سے کہیں تھا، اس لئے ہمیں گاؤں کے چوک

پر نہایت سے کہیں تھا، اس لئے ہمیں گاؤں کے چوک

پر نہایت سے کہیں تھا، اس لئے ہمیں گاؤں کے چوک

پر نہایت سے کہیں تھا، اس لئے ہمیں گاؤں کے چوک

پر نہایت سے کہیں تھا، اس لئے ہمیں گاؤں کے چوک

پر نہایت سے کہیں تھا، اس لئے ہمیں گاؤں کے چوک

پر نہایت سے کہیں تھا، اس لئے ہمیں گاؤں کے چوک

پر نہایت سے کہیں تھا، اس لئے ہمیں گاؤں کے چوک

پر نہایت سے کہیں تھا، اس لئے ہمیں گاؤں کے چوک

پر نہایت سے کہیں تھا، اس لئے ہمیں گاؤں کے چوک

پر نہایت سے کہیں تھا، اس لئے ہمیں گاؤں کے چوک

پر نہایت سے کہیں تھا، اس لئے ہمیں گاؤں کے چوک

پر نہایت سے کہیں تھا، اس لئے ہمیں گاؤں کے چوک

پر نہایت سے کہیں تھا، اس لئے ہمیں گاؤں کے چوک

پر نہایت سے کہیں تھا، اس لئے ہمیں گاؤں کے چوک

پر نہایت سے کہیں تھا، اس لئے ہمیں گاؤں کے چوک

روح سے نجات

شاہد فتن سہو کبیر والا



آدھی رات کا وقت تھا کہ اچانک کمرہ روشنی میں نہا گیا پھر کمرے میں شدید جیسی غرہٹ نمودار ہوئی اس کے بعد ایک مجسم روح نظر آئی، اس کی متلاشی نظریں کچھ تلاش کر رہی تھیں کہ اس کی آنکھوں سے شعلے نکلنے لگے۔

ایک سنگ دل روح کا دل دلاتا جتنا کہ خوفناک دہشت تک تا جمل فراموش واقعہ

آج بھی جب کہ مجھے اپنے چچا لارڈ ویکس کی جائیداد کا وارث بنے دو سال گزر چکے ہیں، میں سوچتا ہوں کہ یہ شخص خدا کی خاصیت تھی کہ میں کا وارث بنادو میں ہوتا اور میری معمولی زندگی۔ ایک معمولی ڈاکٹر کی کمانی بھی بھلائی کمانی تھی، اب میں ایک بہت بڑے علاقے کا مالک ہوں برساتا ہر مال کی کار خرید سکتا ہوں اور شہر میں میرے بڑے بڑے مکان اور کوٹھیاں ہیں۔

بعض لوگ سمجھتے ہیں کہ میں نے اپنے چچا پر ناجائز واپس ڈال کر تمام دولت حاصل کی ہے لیکن یقیناً کچھ میرا چچا ایسی باتوں سے بہت دور تھا اور میں بھی تو اس قدر گرا ہوا نہیں ہوں یہ ان لوگوں کے حسد کی وجہ سے جو ابیا سمجھتے ہیں۔

دو سال پہلے میں ایک اکل آئی تھا نہ یہی نہ کچھ ایک معمولی سا مکان میرے پاس تھا میں کام سے آتے ہی اس میں گزارتا تھا کیا کسی دوست کے ہاں چلا جاتا۔ انہی دنوں میں نے سنا کہ میرا چچا لارڈ ویکس جو کہی زمانے میں امریکہ چلا گیا تھا اب وہاں سے واپس آ رہا ہے اور میں نے اس کو دیکھا بھی نہیں تھا اس کی بڑے پوتوں کو اس کا ذکر کرتے تھا۔

وہ لوگ کہتے تھے یہی دعا کر لارڈ ویکس تھا جس میں اپنے پاس ہا کر اپنا وارث بنادے کیوں کہ میری کس کے سمجھتے تھے میرے۔ اس کا اپنا چنا تو ہے نہیں لیکن میں سوچتا تھا میں اور کہاں وہ اور میرے علاوہ دیکھتے اور ہمارے اور کسی تو ہے اور وہ اچھے کھاتے پیتے آؤں تھے، میں ایک سو سو امریکہ کا خیال بھی مناسب نہ سمجھا اور میری حال میں کن رہا۔

دن کو زور سے گئے حتیٰ کہ ایک دن میں نے لارڈ ویکس کو شرف لے آئے ہیں اور انہوں نے شرف سے باہر اپنے فارم والے پتھر میں قیام کیا ہے پچھلے چند دنوں بعد یہ بھی سنا کہ انہوں نے اپنے ایک کچھ کو جو شہر میں کال کرنا ہے بلایا ہے مجھے اپنے تمام

اپنے اس ہونہار سمجھتے کو وارث بنا کر لے گئے۔ وہ اس کے دامع اور فنی تعلیم کے آدمی بن گئے وہی کہ اپنے سمجھتے کو بھی بنا لیا گئے میں نے بتا دیا تھا کہ وہ اب امریکہ سے آئے تھے اور انہوں نے اپنی زندگی کا بیشتر حصہ حق میں مہارت متعلق عجیب عجیب تھے سنا تھے اور میں نے باغی کر اور میری احساس کتری میں جلا ہوا تھا۔

میر میرے قحب کی انتہا نہ رہی جب ایک دن میں نے سنا کہ لارڈ ویکس نے اپنے ہونہار سمجھتے کو واپس بیج دیا ہے یا بعد لیا اس کی کیا ہو ہوئی ہے اور میرے جب اس کے بعد انہوں نے اپنے بھائی کی ہا کر چند دن اپنے پاس رکھنے کے بعد واپس بیج دیا تو مجھے اپنی خوش قسمتی کے خواب سے معلوم ہونے لگے۔

کیا یہ ممکن نہیں کہ وہ مجھے اپنے بیٹے سے مطابقت کی وجہ سے وہی طور پر قبول کر لیں گے۔ کہتے حالات آئے سے پہلے اپنا سارہ دارانا شروع کر دیتے ہیں۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا میری پرکھیں اچانک چمک اُچی اور خدا کا کرنا ایسا ہوا کہ شہر کے ایک دو تھول آدمیوں کا میں نے علاقہ کیا اور مجھے خاطر خواہ کاسائی ہوئی۔

میں میری تمام قارات کو اکثر مجھے باہر جانا پڑا لیکن میں نے اس سے ناچارتا فائدہ اٹھا لیا بلکہ پوری زندگی سے مرینوں کو دیکھنا ان کا علاقہ کرتا اور باقی وقت مطالعے میں صرف کرتا۔

آخر ایک دن شام کو میں ابھی اپنے اسپتال سے لوٹا ہی تھا کہ میں نے اپنے مکان کے ساتھ کارنگری دیکھی۔ میرا دل زور زور سے دھڑکا اٹھا اور جادو

ڈاکٹر ہونے کے مجھے کچھ رک کر اپنا سانس درست کرنے کی ضرورت محسوس ہوئی۔ میں نے کانپتے آوازوں سے کار پر ہاتھ پھیرا۔ کیا یہ کار لارڈ ویکس کی ہو سکتی ہے یہ سوچ کر میرے دل میں اس کی یادوں کا طوفان برپا ہو گیا۔ اسے میں سامنے کی دکان سے ایک اور عرصہ کا آدمی اتار تا ہوا دکھائی دیا وہ میرے حاسری طرف آیا۔ ”کیا بیٹری آپ کا نام ہے۔“ وہ آتے ہی مجھ سے مخاطب ہوا۔ ”میں ہاں فرمائیے۔“ میں نے اپنے لہجے میں کچھ بھلاہٹ سی محسوس کی۔ ”آپ لارڈ ویکس کے سمجھتے میں نا۔“ اس نے دوبارہ پوچھا۔ ”میں ہاں وہ میرے چچا ہی فرمائیے کیا انہوں نے مجھے بلایا ہے۔“ اور جواب میں کہ مجھے اپنے کانوں پر یقین نہ آیا میں نے پھر پوچھا۔ ”کیا انہوں نے مجھے بلایا ہے۔“ ”مجھے سسر کا آپ مذاق تو نہیں کر رہے ہیں۔“ وہ آدمی مسکرایا۔

”مسٹر ہنری لاڈ صاحب نے آپ کو بلایا ہے آپ ہر سہاں اپنے پرتوچ کا جائیں وہ آپ کے منتظر ہوں گے۔“ یہ کہہ کر اس نے ایک کارٹر سے سامنے کوبلا۔
”بہت اچھا ضرور ضرور میں ضرور پرتوچ جاؤں گا لیکن آپ مجھے اپنی خدمت کا موقع دیتے ہیں۔“ گھبراہٹ میں میرے منہ سے الفاظ بھیج کر طور سے نہیں نکلا رہے تھے۔
”نہیں مجھی میں مصروف ہوں بس تم یاد سے پرتوچ پہنچ جانا۔“

میں سوچنے لگا کہ اب وقت کیسے گزرے گا تمام رات نیند نہ آئی نہ جانے کیسے ہوں گے لاڈ انیس اور پرتوچ میں ان کی لیبارٹری کو ایک انگریز جیڑی میں اس کا۔ پھر یہ انتہائی عجیب اور حیرت انگیز چیزیں ہیں اس میں، اور آخر کار میرے لاڈ میں صبح سویرے ہی تیار ہو گیا سادہ لباس پہن کر میں انکیشن کی طرف روانہ ہو گیا یہ بات میں آپ سے جڑ کر نہیں چھڑاؤں گا کہ مجھے لاڈ انیس کا ادارت بننے کی امید چنداں خوشی تھی میں خوشی تھی تو اس بات کی کہ انہوں نے آخر کار مجھے بھی اس قابل کیا کہ میں اس سے ایک مزید کی حیثیت سے مل سکوں چنانچہ میں فرین میں سوار ہو گیا۔

سر پریک کا وقت فرین میں نکلا اس کے بعد مجھے جی پر جانا تھا لیکن میں نے جلدی پیچھے کے خیال سے تھکی لی اور روانہ ہو گیا۔ سورج خراب ہو رہا تھا جب میں فارم کے قریب پہنچا مرکز پہنچ کر تھی اور اس کے دونوں طرف اونچے اونچے درخت تھے درخت پیچھے ہوئے عینت اور انکیشن بھی سرخ گھبراہٹ پر سکون معلوم ہو رہی تھیں۔

میں نے جب سے وہاں پہنچا تھا شہر کے پردہ کی حامل کا عادی تھا اس لئے یہ دیکھنا بالکل مجھے بہت معلوم ہو رہا تھا ایک موز پر بھی کسی بھی موزی ایک بڑی سی سفوف عمارت سامنے آئی میں نے کسی دہلی سے رخصت کردی اور خود عمارت کی طرف پیدل بڑھا۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ اس عمارت کی خبر گیری

کرنے والا کوئی نہیں۔

میدان میں بھی کسی گھاس سے پر کرنے والا کوئی تھا اور اس کے ارد گرد درختوں کی کھڑکی سے جس عمارت کی مرمت بھی شاید ہوتی پہلے کی ہوگی۔
میں اونچے ستونوں والی راہ داری میں داخل ہو گیا یہاں کی لیبارٹری اور دار کا پلٹر جگہ جگہ سے اکڑا ہوا تھا میں نے سوچا شاید لاڈ انیس اپنی لیبارٹری میں اس قدر مصروف رہے ہوں گے کہ لیکن اچانک مجھے اپنے خیالات کا سلسلہ قطع کر پڑا۔

وہاں میں طرف کا ایک دروازہ کھلا اور وہی ادھر میری آدھی کودا ہوا جو مجھے بلانے کے لئے شہر گیا تھا۔

”شام بخیر۔“ میں نے کہا۔
”شام بخیر۔“ میں نے کہا۔
”آپ آئے اس کرے میں تشریف رکھیے میں لاڈ کو خبر کروں۔“ اس نے کہا میں اس کے پیچھے چل پڑا اور کرے میں داخل ہو گیا یہ کہہ رہا تھا ابھی حالت میں تھا اور چند بھاری کرسیاں اور ایک بڑی کی میز بھی یہاں تھی مجھے دیکھنا پہنچے چندے لئے گزرے تھے کہ ایک بڑی سی گودت اندر داخل ہوئی۔

”کوبلائے ہیں۔“ اس نے ہاتھ میں ٹکٹا ہوا ہونے کہا۔
”ہی اچھا۔“ اور میں بڑی سرعت کے ساتھ چلا ہوا ایک بڑے سے کرے میں جا پہنچا۔

لیکن میں ٹھک گیا یہاں لاڈ میں اور لیڈی انیس دونوں موجود تھے میں نے ادب سے سر کو کم کیا اور میں کافی سنجیدہ ہو کر جب لیڈی انیس صوفے نے ہاتھ شق سے میرے سر پر ہاتھ بالکل مشرقی انداز سے اور لاڈ نے مجھے ایک کرسی چن لی۔

میں کرسی پر بیٹھ گیا میرے سامنے لاڈ انیس اور ادب نے طرف لیڈی انیس بیٹھ گئیں یہ سب گھبراہٹ جلدی ہو کر اس کی اپنی گھبراہٹ پر قابو نہ پا کر بالکل غریب بننے کے میں گم ہونے لگا۔

شاید لاڈ نے میرے احساس کا اندازہ کر لیا

انہوں نے خود ہی ٹھکھڑواری کی۔

”مسٹر ہنری میں نے آپ کو آج ہی دیکھا اور میری پہلی نظر انگریزوں کو آپ ڈاکٹر ہیں اور میرے خیال میں آپ کے حالات خاصا ہی اچھے ہیں۔“
”ہی ہاں۔۔۔۔۔“ میں گھبراہٹ کے عالم میں اور کھنکھناتا تھا۔

آہستہ آہستہ ٹھکھڑواری کی طرف ہوئی ہم کچھ دیر تک باتیں کرتے رہے پھر کفایت سے اطلاع دی کہ کھانا تیار ہے۔ چنانچہ ہم ڈاکٹر دیم میں بیٹھ گئے میں نے پہلی مرتبہ لاڈ انیس کا جائزہ لیا وہ چھوٹے چوڑی ڈھیلوں کشادہ چیشائی اور روشن آنکھوں والے آدمی تھے۔

لیڈی انیس صوفہ نہایت بااعلاخ خوش ہاتھ اور سفید ہاتھ والی خاتون تھیں لیکن اگر میں نے جو کہ نہیں دیکھا تو میرا خیال ہے کہ اس وقت ضرور اس بہتر مزاج ہونے کے حوالہ بخیر نہیں تھا ان کی محبت بالکل کسی مریض کی طرح معلوم ہوتی تھی مجھے اتنا محسوس ہوا کہ کھانا کھاتے ہوئے وہ چوری بیٹھا۔

”میرے بہتر مزاج بزرگ میں پہلے نہایت ادب سے بے تحلفی کی معافی چاہتا ہوں اور پھر اس کرسیاں کو جب آپ مجھے اپنا مزید خیال کرتے ہیں تو کیا یہ لیکن نہیں کہ میں آپ کی پریشانی کی وجہ دیانت کروں گا۔ بلور ایک ڈاکٹر کے میں اگر کبھی نہیں کرتا تو آپ مسلسل کی راتوں سے بالکل بوجھیں گے۔“

”اودہ پر خورد اور مجھے اس امر کی خوشی ہے کہ تمہارا اندازہ غلط نہیں ہے لیکن اس کے ساتھ ہی میں نہیں اپنے اعتماد میں بیٹھے سے پیشتر کھانا ختم کر لیا صاحب خیال کرتا ہوں۔ دراصل اس گھر میں کی دن سے کسی نے کسی خوش ہو کر کھانا نہیں کھایا۔“

”ہی بہتر اور اس کے بعد میں کھانے میں مشغول ہو گیا میں ٹھیکوں سے لیڈی انیس کو دیکھ رہا تھا وہ کھانا کھاتے ہوئے کاٹا اپنے ہاتھ سے رکھ دیتی اور لاڈ کو بڑی معلوم نظر ہونے سے دیکھنے لگیں۔

میں نے دیکھا کہ لاڈ انیس کی چیشائی کی سٹولیں گھبراہٹ ہو گئیں اور وہ کھانے کی محض رسم ادا کر رہے تھے۔

آخر یہ ہم کی ختم ہو گئی اور لاڈ مجھے لے کر ایک دوسرے کرے میں آگئے۔ لیڈی انیس نے شب بخیر کہا اور فارم کے مراد اپنی خواب گاہ میں تشریف لے گئیں۔

”ہی بہتر مزاج بزرگ تو آپ کو وعدہ فرمایا تھا کہ آپ مجھے وہ رات بتا دیں گے۔“ میں دراصل راز جاننے کے لئے انتہائی توجہ سے بیٹھ گیا تھا۔

”ہاں۔۔۔۔۔“ لیڈی انیس نے میرے ساتھ۔۔۔۔۔ میں ان کے ساتھ دوسرے کرے میں داخل ہوا یہ کہ ایک بہت بڑا ہال تھا جس میں کسی بھی میزوں پر بٹیشے کے مرچان ٹیٹ ٹیٹیں اور لماروں میں بھی لا تعداد مرچان تھے جن میں کسی مخلوق میں رنگ ہوئی مختلف چیزیں تھیں جس کے مختلف حصے جانوروں کے بھی اور انسانوں کے بھی میں تمام احوال کو انتہائی دل چسپی سے دیکھ رہا تھا میں نے سب ہی الماریوں کے نزدیک جا کر دیکھا سب ہی الماریاں مختلف نوادر سے تھیں۔

آپ بقیہ ایسے ماحول میں محض محسوس کریں گے لیکن بلور ڈاکٹر کیونکہ میرا عجیب مشغلہ انسانی جسم کی ساخت تھا اس لئے میں انتہائی دلچسپی سے ہر ایک مرچان کو دیکھ رہا تھا کہ ایک ایک میں مختلف ساپ اور چھوٹے اور اسٹالوں کے ماحول سے اور دوسروں میں اس کی عجیب چیزیں تھیں کہ اگر اس فن کے جانتے والے اس کو دیکھ پائیں تو حیرت سے ٹھٹھٹہ بدندان رہ جائیں۔

آخر میں اپنی حیرت سے اس وقت چلا چلا جب لاڈ نے اپنا شنگ ہاتھ میرے شانے پر رکھا۔

”مغصوبہ ہنری تاں میں تمہیں وہ دار لگی بتا دوں۔“ ان کے لہجے میں شہادت دے کے کی باتیں تھیں۔
”راز کا بہت زیادہ حصہ اس لیبارٹری سے متعلق رکھتا ہے۔“ انہوں نے کہا تو میں دم بخود ہو کر رہنے لگا۔
”دوسرا پہلے میں امریکہ میں تھا ایک دیلمیٹریں

قیلے کے گاؤں کے نزدیکی اپنٹل میں، میں وہاں ایک عجیب قسم کے بنجارہ تحقیق کر رہا تھا جس کی وجہ سے قیلوں کے قیلے صاف ہو گئے تھے بنجارہ اصل ایک خاص قسم کی مٹی سے ہوتا تھا اور برص ایک گھسنے کے اندر اندر سر ہاتھا یہ اپنٹل مشکل مسئلہ تھا اور میں باوجود وہاں کے مشکل کوشش اور تحقیق کے کوئی علاج دریافت نہ کر سکا۔ شاید تم نے اس کے متعلق اخباروں میں بھی پڑھا ہوگا۔

میں نے اس کے متعلق مزاحیہ واقعہ اور میری رائے میں اس کا علاج کوئی نہیں تھا سوائے اس کے کہ وہ پراگھنہ جسم سے الگ کر دیا جائے۔ میں نے کہا۔

”خوب بہت خوب میں کئی کیا اور پھر ایک دن ایک ریل گاڑی میرے پاس آیا اس کو گھسنے کاٹ لیا تھا اور وہ درو سے بے قرار تھا مجھے بعد میں معلوم ہوا کہ وہ اسے قیلے کا سردار ہے چنانچہ میں اس کا پتہ آپریشن روم میں لے گیا۔“

”تم حیران ہو گئے کہ اپنٹل و لیر آدی ہونے کے باوجود نشہ اور پاؤ ویرہ و کچھ کرس کے جسم میں قہر قہری پیدا ہو گئی تھی اس نے تو ہاں سے بھاگ نکلنے کی کوشش کی لیکن میں نے اپنے نوکرین کو حکم دیا اور انہوں نے اسے زبردستی کچھ پکڑ کر پٹا دیا۔ بلکہ یوں کہوں کہ ہاتھ دیا۔“

”اگر کمرے میں رہائی میرا علاج کر دیر ہاتھ نہ کاؤ وہ لوگ مجھے سرداری سے ہٹا دیں۔ گے اور میں زندہ درگور ہو جاؤں گا۔“ میں نے اس کو سمجھایا۔

”اگر میری پاچے ہوتا اپنا ہاتھ ضائع کر دے تو میرے پاس کوئی اور علاج نہیں ہے۔“ اس کے قیلے کے لوگوں نے بھی جو اس کے ساتھ آئے ہوئے تھے اس کو سمجھایا۔

آخر کار وہ خاموش ہو گیا لیکن انجکشن کی سوئی دیکر کہ پھر کباب افکار میں نے زبردستی انجکشن لگا دیا اور اس کے بعد کئی کے جوڑے ہاتھ الگ کر دیا۔

تقریباً ایک گھنٹے کے بعد سے ہوئی آگیا اور وہ اپنے کئے ہوئے ہاتھ کو دیکر کچھ بچوں کی طرح ہلک

کر دے گا۔

”اگر کوئی ہاتھ مجھے دے دو غائب ہوں اس طرح گزارہ کروں گا لیکن موت کے بعد یہ ہاتھ کہاں تلاش کروں گا۔“ وہ مسکایا لیکن ہونے کہنے گا۔

”بے وقوف ہو گئے ہو سردار میرے کے بعد جنہیں اس کی کیا ضرورت ہوگی اور پھر یہ ہاتھ ڈرنا بھی تو ہے۔ میں اس کو گرہے کے لئے محفوظ رکھوں گا۔“

میں نے کہا۔

”لیکن ڈاکٹر جنہیں تمہارے خدا کا واسطہ میرا ہاتھ سنہال کر رکھنا میں سرے کے بعد ضرور آؤں گا اور اپنا ہاتھ طلب کروں گا لیکن کروا کر اپنا ہاتھ تم نے ضائع کر دیا تو میں بھی مجھے تمہارا پیچھا نہ چھوڑوں گا۔“ اس کے لہجے میں ایک عجیب کی دھڑکی آگئی۔

”اچھا جی! اچھا محفوظ رکھوں گا جب تک مجھے پتا چلے کہ آ کر اپنا ہاتھ مجھے لے لیتا۔“ میں نے ہنسنے ہوئے کہا اور چلا گیا۔

لیکن مزمزم کراس مرثان کو دیکھتا رہا ہاں میں نے اس کا ہاتھ رکھا تھا اور اس کے بعد لاڈلے نے پانچ لگائے ہوئے کہا۔

”میں ایک اور اپنٹل میں آ گیا اپنے تمام ساز و سامان کے ساتھ اس مریض کے ساتھ ریل گاڑی تک بھر رہا تھا لیکن جہزی میرے مزید لاڈلے کا چہرہ جھیر ہو گیا۔

لیکن جہزی میری لیباری میں ایک دن آگئے لگ گئی تھی غدار ریل کرنا کہ وہ گئے اور ان میں اس ریل گاڑی کا ہاتھ بھی تھا چند دنوں تک تو میں نے اس کا افسوس کیا لیکن پھر جیسا اتنی جیتی جہزی ضائع ہو گئیں وہاں اس حقیقت ہاتھ کی کیا اہمیت ہے۔“

”اب جبکہ میں اس کی اہمیت پر غور کرتا ہوں تو کاپ افتادہ مجھے یہاں آئے تقریباً چھ ماہ ہو چکے ہیں اور یہاں آنے کے ایک ماہ بعد سے میری سیمینٹوں کا دور شروع ہو چکا ہے اور اب بحال ہے کہ میں راسخا کوسنا تو کاسو نے کا خیال بھی نہیں لاسکا۔“

”لیکن میرے بزرگ کیا آپ مجھے اس کی وجہ بھی

تائیں گے تاکہ میں اس کے متعلق کوئی غلط فہمی سکوں۔“

”میں نہیں میں ضرور بتاؤں گا واصل وہ بات ہی کچھ ایسی ہے آج کل کے ترقی یافتہ دور میں یہ بات کچھ عجیب کی ہے اور اب جب کہ خودی خدا کے فضل سے ایک عظیم ڈاکٹر کی حیثیت سے پکڑا جا تا ہوں ہر بات تقریباً آؤں گی رات کو میری آنکھ کھلنے کی آواز سے کھل جاتی ہے اور میں دیکھتا ہوں کہ وہ ریل گاڑی اپنے اسی انداز میں ایک کٹے ہوئے ہاتھ سے کمرے میں داخل ہو جاتا ہے اور پھر ایک ایک کر کے تمام مرثان دیکھتا ہے لیکن جب اس کا ہاتھ نہیں ملتا تو اپنٹل کے حصے کے عام میں رات بیتا ہے اور پھر گھوڑے کے بعد اسی طرح چپ چاپ غائب ہو جاتا ہے۔“

”تم کہو گے کہ وہ کیسے آتا ہے اور اسی طرح غائب کئے ہو جاتا ہے۔ لیکن جہزی میں تمام کوشش کر دہی لیکن سب ہی ناکام ہوئیں میں نے تقریباً تمام کمرہ میں ہونے کی کوشش کی ہے لیکن ہر بات وہ ریل گاڑی میں داخل اپنا ہاتھ نہ پا کر میرے کمرے میں ٹھکن آتا ہے میں واصل شام سے ہی سوچنے لگا ہوں کہ دیکھو کب آتا ہے اور اسی طرح سوچیں سکتا ہوں اس کے جانے کے بعد کوسوے گا سوائے یہاں تک اس دوراں سے کیا اب بھی تم مجھے اہرام دے دو گے کہ میں تو ہاتھ کاٹ کر دے دوں گا۔“

”لیکن نہیں بزرگ نہیں۔“ میں نے بڑے اصرار سے کہا۔

”آپ یہ خیال یہ بالکل نہ کریں دراصل میں اس واقعہ کو نہایت دلچسپ خیال کرتا ہوں اور شاید آپ نے اس طرح کے موضوعات پر میرا کوئی مضمون پڑھا ہوگا۔“

”کو عجیب بات ہے لیکن میں بھی باوجود ڈاکٹر ہونے کے ان باتوں کا قائل ہوں اور میرا خیال ہے کہ وہ ریل گاڑی پانچ ماہ پر کچھ ہے اور اب وہ اپنے ہاتھ کی تلاش میں ہے اور جب تک اس کو ہاتھ نہیں مل جاتا اس وقت تک وہ آپ کا پیچھا نہیں چھوڑے گا۔“

”خوب اچھا خیال ہے۔“ لاڈلے اس نے

بڑے ترقی پلے پلے کیا۔

”میں یقین سے کہہ سکتا ہوں کہ تم نے کم عمر ہونے کے باوجود بہت زیادہ علم اور تجربہ حاصل کر لیا ہے اور وہ سکتا ہے کہ خداوند کریم میرے لئے کوئی نجات کا ذریعہ بنائیں۔“

”میرے صرف چھ ماہ میں میرا یہ حال ہو گیا ہے اور میں بالکل صحت مند اور خوش باش تھا میری حالت کا اثر ایڈی اور دوسرے لوگوں جی کہ ملازمین پر بھی ہوا ہے اور میں جانتا ہوں کہ فارم اور سکیل کی حالت اپنٹل قریب ہو گئی ہے لیکن بچ پچھو تو میں اس طرف خیال بھی نہیں جاتا اور اگر میری حالت راپ تو بس یوں سمجھو میں چند دنوں کا مسمان ہوں۔“ لاڈلے کا لہجہ دمید ہو گیا۔ وہ آہستہ سے ایک کرسی پر بیٹھ گئے۔

اور اس وقت میں نصف اور اتنا کو معلوم ہو رہے تھے میں نے ان کو کئی دلی اور وہ کہہ کیا کہ میں آپ کی ہر مصیبت کا پتہ سے لے کر کوتاہیوں آپ کی امان کی فکر نہ کریں۔“

”کیونکہ بزرگ محترم آج رات آپ مجھے اپنی لیباری میں سوائے ان اہمات دہی کا میں اس ریل گاڑی کی کلاٹ سے ملنے کا سناٹا کا جائزہ لے سکوں اور اس کے بعد اس کو کوئی حل تلاش کر سکوں۔“

”وہ کیا تم اسے تفرغہ قبول کر لو گے۔“

”لیکن غمزدہ کیا تمہارے احصاب مضبوط ہیں کہ تم اس شخص روح کا مقابلہ کر سکو۔“ لاڈلے نے بے تابلی سے پوچھا۔

”آپ یقین کریں میں خطرات سے بالکل نہیں گھبرا ہوا بلکہ مجھے اس کے ایک طرح کی خوش ہوگی۔“

”بہت خوب ہے بے بہت خوب تو آؤ اس خوشی میں ایک دور بچیں کا ہو جائے۔“

”خدا کی قسم جب سے یہاں آیا ہوں کئی چیز کو ہاتھ بھی نہیں لگا اور تم شاید نہیں جانتے ہیں کہ میں خوش باش آدی ہوں بہت خوش باش اور صحت مند کی میں دیکھی نیلے دلا۔“

”اب میں کتنا غور عرض ہوں اسے آرام کی خاطر جنہیں انہیں میں ڈال دیا اور شاید رات کو تھ خائف بھی ہو گئے ہوں گے۔“ لاڈ اور اپنی ہی دھن میں کہے جارہے تھے لیکن میں نے انہیں ٹوک دیا۔

”کیونکہ گھر کے بیٹے انہیں کوئی کام نہیں اول تو یہ ہے کہ میں بالکل ٹھیک ہوں دوسرے کل رات بھی میں یہیں سوؤں گا اور انشاء اللہ اس بلا کو آپ کے سر سے ہٹا دوں گا۔“

”اوہ اوہ صابرا بیٹا!“ لاڈ نے میرا شانہ نہ چھو گیا اور پھر میں ان کے ساتھ اسی طرح لباس شب خرابی پہنے بارگ کی طرف چل دیا اور وہاں میں نے ان کو تمام تفصیل سنائی۔

”لیکن بیٹا اب تمہارا کیا پروگرام ہے کہ سر کس طرح اس سے نفرت نکالوں گے۔“ انہوں نے سب سے پری سے پوچھا۔

”معاذ کیجیے میں بی ای ایل اس تجویز کو اپنے تک ہی محدود رکھنا چاہتا ہوں جو ہو سکے اس طرح میں کامیاب نہ ہو سکوں لیکن آپ کچھ خیال نہ کریں میں میرے لیے شہر جانے کا بندوبست کر دینا میں شام تک واپس آنا چاہتا ہوں۔“

”اچھا یہ بات ہے بہت بہتر برتری تم کار پر چلے جاؤ اور شام سے پہلے واپس لوٹ آؤ۔ میں نے بتائی ہے تمہارا انتظار کروں گا اور ہاں تم ہائیک روڈ پر لائیں اسے چینی سے تمہارا انتظار کر رہی ہیں۔“ انہوں نے کہا۔

”لیکن اگر مجھے کچھ ہو ہوگی تو یقیناً میں دقت پیدا ہوں نہ؟“ انہوں نے اسے میں کیا کہنا چاہا ہے پری اکٹھا کرتا ہوں۔ ”چنانچہ میں نے جلدی جلدی کپڑے تبدیل کئے اور ایک خیالی چائے کی کار میں سوار ہو گیا۔

بارودی ڈرائیور میں چٹکی کاردار مزک پر اونچے اونچے درخت مجھے محسوس ہوا کہ قدرت مجھے میرا ہی نگاہوں سے چار کر رہی ہے اور میں مغرب پر اپنی زندگی کا حسن حاصل کرنے والا ہوں وہ حسن جس کے لیے میں نے راتوں کو خواب دیکھے ہیں وہ دقتی جس کے لیے میں نے تمام عمر سوچا ہے واپس انسان قدرت پر ہر دوسرے

نہیں کرتا اور نہ حالات کا تبدیل ہونا بھی کوئی بات ہے۔ آج غریب کب امیر آج غریب ڈاکٹر اور نکل لاڈ، میں بدل ہی ہوں میں ہنس دیا اب تو میں آپ کو بالکل لاڈ لہری کر رکھا ہوں۔ انہی خیالات میں غرق ہم شہر پہنچ گئے ابھی بارہوی بچے تھے چنانچہ میں نے ڈرائیور کو ہتھل اچھال چلنے کے لئے کہا اور ٹھوڑی دیر میں ہم اچھال کے دروازے میں داخل ہو رہے تھے۔

ملازمے نے جلدی سے آئے بڑھ کر دروازہ کھولا اور میں کچھ احساس برتری کے لیے انتظار اور لاڈ کی طرف چل دیا۔

”جناب کیا میں آپ کی کچھ خدمت کر سکتا ہوں۔“

”ایک کاپیٹلے قریب آ کر ادب سے سلام کیا۔“

”ہاں میں مجھے ڈاکٹر رابرٹ کے پاس لے چلو۔“ اور گھر پہنچے ڈاکٹر رابرٹ کے پاس لے گیا۔

ڈاکٹر رابرٹ میرے کلاس ٹیوٹے سے اتر اور اونچے خانمان سے وابستہ ہونے کے باوجود نہایت سادہ دل تھے۔ انہوں نے دیکھنے ہی لگے نہ لگا لیا۔

”ارے آج کل کہاں ہو سکتی کال ہے بالکل ہی عائب ہو گئے ہو کہیں تمہارا انتقال تو نہیں ہو گیا۔ شادی کر لی ہے تم نے کیا حال ہے تمہارا۔“

”انہوں نے ایک ہی سانس میں کئی سوال کر ڈالے۔

”مجھے بالکل ٹھیک ہو شادی نہیں کی اور آج کل شہر میں پریکٹس کرتا ہوں لیکن مجھے نہایت ضروری کام ہے میرے ساتھ آؤ۔“ اور میں ان کو ساتھ لے کر کھینچ پڑا۔

دوسرے لمحے میں شہر میں غریب کی طرف جا رہے تھے۔

”اچھا ڈاکٹر رابرٹ کیا تمہارے پاس کئی ریڈیٹرین لافٹ بھی ہے۔“

”ہاں اتفاق سے کل ہی ایک آئی ہے لیکن کیا کر کے اس کا کچھ کام ہے۔“

”اور میں ہی کیا لیکن ہے کہ تم مجھے وہ لاش دکھاؤ۔“

”کیوں نہیں چلو میرے ساتھ۔“ انہوں نے کہا اور میں کرے میں داخل ہو گئے۔

کمرے میں داخل ہو کر ڈاکٹر رابرٹ نے ایک لاش کے منہ سے پکڑا پٹا ہوا اور میں نے اس کی تمام چادر ہٹا دی اور پھر کمرے کی خوشی کی اگلی ٹھنڈی کہ اس کے دونوں ہاتھ سلامت تھے۔

”بہت خوب بہت خوب میرا خیال ہے میرا کام یقین کیا۔“

”اب میں کر دینے میں ڈاکٹر رابرٹ سے کہا مجھے اس کا راز دینی کے جڑ سے الگ کر کے دے دو۔“

”لیکن بتاؤ تو کسی تم کیا کر دے اس کا۔“ رابرٹ نے ایک غصے کی اشارہ کیا۔

”مجھے یقین کرو ایک مشکل میں پھنس گیا ہوں لیکن مجھے یہ بھی یقین ہے کہ میں جلدی کا کامیاب ہو جاؤں گا اور پھر میں بھی اپنی خوشی میں شریک کر دوں گا۔ میں فی الحال تمہیں اس کی ایک جگہ ملتا ہوں۔“

میرے ساتھ آؤ۔ ”میں ڈاکٹر رابرٹ کو بازو سے پکڑ کر بالکونی تک لے آ گیا جہاں سے بارودی ڈرائیور اور کچی پھٹکی کار بیرونی نماں میں تھے۔

”اوہ تم کوئی لبا پکڑ چار ہے ہو یہ کار کی ہے۔“ ڈاکٹر رابرٹ نے پوچھا۔

”اس کا نام لاڈ لارڈ اسٹین ہیں۔“ میں نے فخر سے تن کر جواب دیا۔

”اوہ لاڈ لارڈ اسٹین۔ لیکن تمہارا دن سے کیا رشتہ ہے۔“ اس نے تیرا ہن ہو کر پوچھا۔

”تائوں کا ضرور تائوں کا لیکن کب یہ نہیں کہہ سکتا ہو سکتا ہے کہ ایک دن میں غوری لاڈ لارڈ اسٹین کی حیثیت سے تمہارے پاس آؤں۔“

”اُمیہ۔“ ڈاکٹر رابرٹ کڈ ہن سے حیرت لگا۔

”اب تم بالکل بدعاش ہو گئے ہو۔“ اس نے جتنے ہوئے کہا۔

”پتہ تو بالکل سیدھے سادھے تھے۔“ میں بھی ہنس دیا۔

اسی اثنا میں وہ شخص ہاتھ کپڑے میں لیے ہوئے آ گیا میں نے ہاتھ لیا اور رابرٹ کا شہر یہ ادا

کر کے زمین کی طرف لپکا اور پھر ٹھوڑی دیر بعد میں کار میں واپس جا رہا تھا اور ہم شہر کی پر شوخا کا پیچھے چھوڑتے ہوئے واپس جا رہے تھے۔ اس وقت سورج کا ڈھل چکا تھا لیکن کمرے میں شام سے پہلے گھر پہنچ جائیں گے میں بار بار اپنی گھڑی دیکھنا ڈرائیور کو تیز چلنے کے لئے کہتا آؤ کر کام سورج غروب ہونے تک کافی ہے۔

لاڈ لارڈ اسٹین میرے منتظر تھے آتے ہی لگے لے اور پوچھا۔

”خانا چاہو کیا کر کے آئے ہو کیا تمہاری جھبیز پوری ہوئی نظر آتی ہے۔“

دراصل میں نے اس وقت تک ان کو بھی محض یہی بتایا تھا کہ میں نے ایک جگہ پر حجاب کے کرکے کرکے کوس کی اصل فریض کی بجائے اس بیٹی ہی چیز سے دی جانے تو وہ مطمئن ہو جاتی ہے چنانچہ میں نے خم الدلیل کے متعلق ہی لاڈ لارڈ اسٹین سے مشورہ کیا تھا۔

”جی ہاں کچھ نہ کچھ کامیابی ضرور ہوئی ہے انشاء اللہ جب تک چاہل چاہے گا۔“ میں نے کہا اور اس کے بعد ہم کچھ بیگ بائیں کرے تھے حتیٰ کہ لیڈی اسٹین آگئیں اور ہم نے ڈانٹنگ درم میں چلنے کو کہا۔

آج سناٹا ٹھیک فریض کی اگلی لاڈ لارڈ اسٹین نے ہنس ہنس کر اپنے سفر کے حالات سنائے جنگل کی سر کے متعلق بتایا اپنی مشکلات کا ذکر کیا کہ کس طرح اس نے ڈاکٹر کی نین میں اپنی حیرت حاصل کی اور پھر اس کی جان اس بات پر چل گئی کہ ”اگر مجھے اس دور سے نہ نجات مل جائے تو یقیناً میں کئی سال اور زندہ نہ سکوں گا۔“

”آپ نے فکر ہیں کار مطلق یقیناً ہمارے لئے بہتری کے حالات پیدا کرے گا۔“ میں نے ان کو کئی دہی اور ان کی اجازت لے کر میں لپکڑی میں آ گیا۔

لاڈ دوسرے کمرے میں چلے گئے اور چونک کی دان سے آرام سے سوئے تھے اس کو کمرے سے مطلع ہوا کہ شب خرابی کے کمرے میں جا چکے ہیں۔ میں نے ہاتھ لیا اور اس کے کمرے لپکڑی میں آ گیا۔

الماری سے ایک خالی چاکرالا اور ہاتھ کواکب خاص مخلول میں رکھ دیا تاکہ وہ خراب نہ ہو اور خود کوئی راستہ کی طرح صوفے پر لیٹ گیا۔ چاکرل آ یا تھا ہوا میں جھنجکی اور پھولوں کی خوشبو سے باہر کی نغمات بہت خوشگوار تھیں جس پر اپنے پیٹے اوٹھنے لگا نہ جانے کب تک اوجھڑا رہا اس میں وقت چھٹا چکا تھا اور ایک کنبہ کی آواز سے کھلا اور دھکیلا اٹھ رہا اس طرح کالہاں کپٹے ایک ہاتھ پھیلائے ہیڑوں کی طرف بڑھا۔

میں دم بخود جب کچھ دیکھا کہ اس نے حسب معمول ہیڑوں کا چکر لگا اور الماریاں کے پاس سے ہوتا ہوا ہیز کو گونے کی طرف متوجہ کر دیکھ ہاتھ جس میں اتھ تھا وہ اسی جاہری طرف بڑھ رہا تھا وہ مذکب آ یا اور آہستہ سے ہاتھ کوبار سے نکال لیا لیکن دوسرے لمبے میں گھبرا کر اتھ کھڑا کوا جب اس نے ہاتھ کوا پٹے کئے ہوئے ہاتھ کے ساتھ کھڑا اور اس آواز نہ جانے کیوں کئے سے گھبرا اڑنے کی الماری میں دے مارا شیشے پر شرشہ دار کے ساتھ ٹوٹ گئے اور میں نے جلدی سے مٹی جلا دی ریل اٹھین خانہ ساتھ اور فزٹی پر ٹوٹے ہوئے شیشے اور سیال کی گھبرائی تھیلی ہوئی تھی میں اس کی ہاتھ کوا خفاصی پر ہاتھ کر دو دراز سے پرہنگ ہوئی ایک بار دو بار جتنی کہ تیسری بار دو دراز دے زور سے کھٹکھا گیا اور ساتھ میں لاڑ آ نکس کی گھبرائی ہوئی آواز میں سنائی دی۔ میں نے دو دراز کھولیں اور دوسرے سے مٹی سے لاڑ آ نکس جلدی سے اندر داخل ہوئے۔

میرے ہاتھ میں ابھی تک مردہ ہاتھ تھا اور انہوں نے میری طرف دیکھا اور خاموشی سے سر کو جھٹکا۔ "دراصل غلطی میری تھی میں نے خاموشی کوڑوا میں نے بل اڈھین کے ہاتھ کو نہیں دیکھا تھا میں دایاں ہاتھ لایا جبکہ اس کو بائیں ہاتھ کی ضرورت تھی لیکن کوئی بات نہیں آپ زور پڑے کہ نکس کا نکال لائے میں چھریا یک بائیں ہاتھ لایا ہوں۔"

"اچھا جانتا ہوں جس قدر تھرا ہا شکر یہ ادا کروں میرے لئے اتنے کام سے خفا نہیں اپنے ارادے

ڈاکٹر رامہت نے ہری آنگھوں میں جھانکے ہوئے کہا۔

”ہنری جاک تادم کس چکر میں ہوئے تیرے دوڑا ہے کہ کھینچیں جگہ نہ ہو جائے۔“ ڈاکٹر رامہت بولے۔

ڈاکٹر رامہت میرے دوست مجھے خوشی ہے کہ تمہاری دوستی پر غلطوں سے عذر نہیں یقین دلا ہوں کہ تیری فکر یا باتیں سے افسوس ہی بلکہ ہوں کہ تو شاید ایسی تم سے طول اور ایک تجربہ خوش خبری سناؤ جس اب چھپیں۔ میں میری ہونچا ہوں اور ساتھ ہی مجھے یہ بھی ہو رہی ہے۔“

”چھوڑو ڈاکٹر رامہت نے گہرا سانس لیتے ہوئے کہا تمہاری مرضی؟“ ڈاکٹر رامہت کے ساتھ ڈاکٹر اس نے سنا ہوا تھ کہ لیگیا لیگیا اس بار پہنچا نہ بولا کہ دایاں ہاتھ ایسا ہے ناؤں اس بار میں سورج غروب ہونے سے پہلے ہی بچے کے جانے سے ڈاکٹر لیڈی ہری سے چاکا کلا لارڈ ایکس اس وقت خلاف معمول نے گھوڑوں کو کھینچنے کے لئے کئے ہوئے تھے۔ چنانچہ میں نے ہاتھ لے کر گھوڑوں پر کیا ہواں جبکہ ہمارے دل رکھا جس ریلوے اسٹیشن نے ہاتھ دڑا تھا اور اس کے کندھیں کمرے میں آ کر بیٹھ گیا خاموش دل میں لاکھوں امیدیں اور ہرے لے ہوئے خاموش سورج غروب ہوئے غوری دیو پر تھی کہ لارڈ ایکس تعریف کی اور میں نے بہت تعجب ہوا جب میں نے دیکھا کہ لیڈی ایکس کی سن کے ساتھ ہیں۔ انہوں نے آتے ہی مجھے بہت پیارے سے غلب لیڈی ایکس کو تھام پکڑ لی کہ لارڈ ایکس میرے پاس بیٹھ گئے۔

”بیٹا آج تمہارے چہرے پر کچھ مندی کی جھلک دیکھ رہا ہوں کہ وہ میں کی کیا کیا۔“

”کی ہاں آپ کی دعا ہے اگر میں غلط فہم کہتا تو یہ آپ کی غولی کی آخری رات ہے۔“

”خدا کرے ایسا ہی ہو۔“ لارڈ نے انتہائی غلط سے دعا کی اور ہم آگے قدم قدم سے گئے۔

آج ہر مہر پر ہزاروں قدم قدم سے کھانے کے نہایت پرکلف اور دلہنی لیڈی ایکس بھی بہت خوش

قصص اور لاڈلائیں تو ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے کسی طویل بیماری سے ابھی ابھی صحت یاب ہوئے ہوں۔

کنزور لیکن چاق و چوبند اور شاش باش کھانا ختم کر کے مچھروں تک بیٹھے سر تک اپنے سر پہ اور آئندہ کے متعلق باتیں کرتے رہے اور ٹھیک کاروبار بچے میں کرے گا میں تم کو کاروبار دے کر میں چلے گئے۔

آج مدت کے ختم ہونے پر اگلے بیس آئی اور میں نے

میںم دار و دراز، پٹا، زمین کا انظار کرتا ہوا آخر کار بہت انتظار کے بعد وہ پٹا زمین کی اسی طرح اندر چلا ہوا تھا خاصا بیٹھا اس کو دیکھتا رہا لیکن میرا دل محزون رہا تھا وہ چپکے سے میرے پاس سے گزرتا ہوا دھاروں کے پاس سے ہوتا ہوا میرے پاس آ گیا اس نے پادشاہ کا ہڈو لا کر میرے دل کی زمین کو ٹھیک کر دیا اور میرا سر نے ہاتھ لے کر اپنے کتے کے ساتھ جوڑا اور میری محسوس ہوا گوشت مسکرا

میںم چھری کی انھوں نے دیکھا کہ وہ میرے نزدیک آ رہا ہے اس کے چہرے پر بڑی خوفناک مسکراہٹ تھی اس نے ہاتھ پر اٹھا لے ہاتھ بائیں ٹھیک سے دو ہتھکڑیاں

میںم صوفے پر سے اچھلا اور شروع روشن کر کے باہر طرف لپکا اور تقریباً دوڑتا ہوا لاڈلائیں کے شب الٹی کے کرے کے دروازے پر پہنچا اور اپرا گلوں کی اس کو کھٹکا شروع کر دیا۔

میںم صوفے پر سے اچھلا کر آئے

آئے میںم نے ہنسی تم سے مل کر کر لیا ہے دو آئی آیتا

الوادی اسلام کر کے رخصت ہو گیا آج سے تم میرے

ی میںم لاڈلائیں کی طرح آواز میں دینے لگے

دوسرے لئے لڑکی اس میںم بھی میرے کاروبار میں

میںم رات کے تقریباً ایک بجے اقبال اور خوش نصیبی

چنے دوڑو سے ہلکتا ہوا ہونے محسوس کر رہا تھا۔

☠

نقطہ نقطہ لفظ لفظ سطر سطر خوف و ہراس کے لہجے میں لپٹی
اپنی نوعیت کی ناقابل یقین اور ناقابل فراموش جسم و جلی کو
انگشت بدندان کرتی اور دلوں کو تھراتی ہوئی خونچکل بھونچکل
اور لہولہاں کھلتی جو کہ پڑھنے والوں پر سکتی طلوی کرابت گی۔

صدیوں پر پھیلنے والی پرچھائی کے افق پر چھائی کے ٹھکانے پر اندھیرے میں ختم لینے والی کہانی

ناگن اہمیان سے بولی۔ ”واہیک سانپ تھا۔
سانپ کو ڈال دینی کیسے چھلا۔
”کیا بکواس کر رہی ہو“ پھر ناگن کی تھوڑی
کودھوں انگلیوں کھوڑا سانپ اٹھا کر کہنے لگے
”ختم ہو تمہارا دوست مجھ سے بچ کر نہیں
چلا سکتے۔ اگر تم نے اسے دوست کا ٹھکانہ نہ بتایا تو لوہے کی
تھانگی سے تمہارے جسم کی کھال کچال دی جاتے گی۔
اور بڑے لڑکے کا گنگا دوں گاہب تازہ کروں ہے وہ تمہارا
دوست جس نے تمہیں یہ شاہی پیرا لگا کر دیا ہے۔“
ناگن نے کہا۔ ”میں بچ کر رہی ہوں ناگناب۔
مجھے یہ پیرا میرے ایک دوست نے لاکر دیا ہے جو ایک
سانپ ہے۔“ کوڈال کوخت چھڑا یا کہ یہ لڑکی اس کے
ساتھ ڈال کر رہی ہے۔ اس نے اپنے منہ کو بڑا کرتے
ہوئے کہا۔
”کیا تم اپنے دوست کو یہی بلا سکتی ہو۔“ ناگن
بھی ہلکی جانتی گی۔
کوڈال یہ سوال کر کے خود ہی محض گیا تھا۔ اب
ناگن کو اپنی حالت اور کرامت دکھانے کا موقع مل ہی
گیا تھا اس نے سکرانے ہوئے کہا۔
”ہاں..... میں اسے ابھی بلائے لیتی ہوں۔
“ کوڈال سمجھ گیا کہ یہ لڑکی اپنے آپ کو پاگل ثابت



Dar Digest **180** February 2018

مگر جنوں اور دیل پھیلوں کے ڈھانچے دیکھئے۔ یہ سمندری مغربیت ان سب کو کھٹ کر گئی کی یہاں لاکر سمندری مغربیت نے شاہانِ مورت کے اندر ایک گڑھے میں بند کر دیا ہے اس کا منہ بند کر دیا تھا یہ سمندری مغربیت کی خوشخوار دیل پہلی سے ہی بھٹی گئی۔ اور وہ انسانوں جیواں اور سمندری جالوروں کو زندہ رہتے میں وہاں ہی تھی۔ بھر جگر گوشت گل سڑا جاتا تھا تو بھرا سے کھا جاتی تھی۔

شاہان نے گڑھے کے اندر کوئی حرکت نہ کی جب اسے یقین ہو گیا کہ سمندری مغربیت جا چکی ہوگی تو دوریت کو اپنے اوپر سے ہٹا کر گڑھے سے باہر نکل آیا وہ ایک ایسی مشکل میں پھنس چکا تھا اور مردہ تو کھنکھاتا تھا مگر اس مشکل سے وہ ساری زندگی رہا بھی نہ سوسکا تھا۔ پانی کے دباؤ کی وجہ سے وہ اوپر نہیں جاسکتا تھا۔ گویا وہ ایک طرح سے وہ جزاؤں سالوں کے واسطے سمندری طے میں قید ہو کر رہ گیا تھا۔

یہی وہ سمندری مغربیت تھی جو شاہانِ کولہ پر سے کھینچ کر نیچے سمندر کی تہ میں لے آئی تھی اور بھرا سے سمندری گمانی میں چھوڑ کر خود بخود غار کے اندر آئے گا انتظار کر رہی تھی۔ شاہان نے سوچا کہ اسے غار سے باہر نکل جانا چاہیے۔ اب وہ جزاؤں میں چھپے کی طرف مڑا تو یہ کہہ کر اسے سخت ہوشی ہوئی کہ سمندری مغربیت ایک بہت بڑا پتھر آگے کے کورسات بند کر گئی تھی۔

شاہان نے بڑا ہی زور لگایا کہ کسی طرف سے اس پتھر کو باہر نکلے۔ لیکن یہاں بھی اس کی طاقت کام نہ آ رہی تھی اور اس کا زور بہت ہی کم تھا۔ ایشا شاہان نامید ہو کر پتھر کے ساتھ گک کرکڑا ہو گیا کیا کیا کرنا چاہے یہی ایک سوال تھا۔ جوشاہان کے ذہن میں بار بار یہاں ہوا تھا وہ کچھ دیریں پتھر کے ساتھ چپک رہا۔ پتھر سے یہاں لگ کر غار کی دیوار ایک طرف سے ٹکی ہو رہی تھی۔ وہ پانی سے اپنی آنکھیں پوری کھول کر پھلکی کی طرح پکس پکس پکے بغیر سر سے نیچے لگے گا۔ اسے زور دے کہ پتھروں کا ایک راستہ نکال دیا۔ جزو ہمارے اندر جا رہا تھا۔

شاہان آہستہ آہستہ چلتا دیا کہ پاس آیا۔ بھر وہ دو پتھروں پر آگے کو پھلے گا۔ راستہ آگے جا کر لوہا ہٹ گیا۔ لوہہ ایک شہری گھونڈا مندرا بنا ہوا تھا۔ جس کے باندھے کی چھت سنگ مرمر کے لوہے کے پتھروں پر لکڑی تھی۔

شاہان بڑا حیران ہوا کہ یہاں یہ شہری گھونڈا مندرا کہاں سے آ گیا۔ وہ مندر کے باندھے میں آ گیا یہاں کوئی چھل آئی اس پاس نہ سمندری گھونڈا تھا نہ کسی بھی باندھے کی دیوار کے ساتھ ساتھ بڑے خوشنکاحوں کے نیلے پھول کھلتے تھے۔ شاہان باندھے میں آگے بڑھا۔ سامنے ایک دروازہ تھا جس کے درمیان میں سونے کی ایک بڑی پھلنی لٹک رہی تھی۔ شاہان اس کے قریب سے گزرا تو اپنے آپ بچتے اور سونے لگی۔ شاہان نے اس کی ہوشی گئی کی آواز کو ٹوک کر دیکھا کہ یہاں ایک کونسل کے ہال تھا۔ وہاں کوئی ایک بچہ آئے گا کہ جس کے کاروں میں پانی میں ڈوبی ہوئی بڑی صاف آواز تھی۔ ”اندھ طے آؤ“

شاہان چونک اٹھا کہ آواز کی صورت کی ہے۔ اور اس میں حکم تھا۔ ایشا شاہان نے بچے کے منہ سے ہوا کو خبردار بھاگنے کی کوشش نہ کرنا رہنا جان سے ملا رہا۔ کی۔ بچہ وہاں سڑا تو اس کے پاؤں نے داکھیں سڑی۔ بھڑکی اٹھا کر بڑا۔ اس نے کئی بار پائیں پیچھے اٹھانے کی کوشش کی لیکن پاؤں نہ اٹھ سکا۔ جیسے اس کے پاؤں میں من کے ہو گئے ہو۔ جب اس نے مندر کی طرف دیکھا اور مندر کی طرف نہ کر کے چٹا چٹا اس کے قدم چاہتے آپ اٹھ گئے اور وہ کی جلدوں کے اثر میں آ کر آگے تیرنے لگا۔

آواز بار بار اس کے کانوں سے گرا رہی تھی۔ میرے پاس آ جاؤ میرے پاس آ جاؤ۔ یہ میرا قسم ہے۔ شاہان پانی کی موتی اور ہلکی جادو میں کڑے کڑے لپٹے آپ آگے گئے تیر رہا تھا۔ مندر کی اونچی چھت آگے درمیان میں ایک گول پتھر تلی ہوا دیر کی گئی۔ جس میں

کالے پتھر کی ایک موتی لکڑی تھی۔ اس موتی کے دیوں ہاتھوں میں چھریاں تھیں اور انھوں میں سرخ طاقت انگلیوں کی طرح دوکد ہے۔ جس کے اس کی شکل کی بدولت جیسی تھی۔ جس کے لوہے والے دانت باہر کو نکلے ہوئے تھے اس کی گردن میں ایک لٹلی سرکا ہوا ہلاکا ہوا تھا۔ جس کی گردن سے خون کے قطرے ٹپک ٹپک کر پانی میں یاقوت میں نہا کر آگے کیپتے جادے سے نکلتے بدولت تھے شاہان نے پہلے ہی نہ دیکھی تھی۔ یہ سمندری بدولت تھی اس نے شاہان کو اپنے قریب بلا لیا تھا شاہان بارہ دہائی کے پاس پہنچا اور اپنے چہرے سے نیچے اتر آئی۔ اس کے دانت کھل گئے اور دانتوں کے چہرے پر ہیکھا کھسکتا تھی اس نے شاہان کے ہاتھ کے ساتھ دیوں چھریوں کی دوکد بار بار لگائی اور دیکھ لے گی اس کے کند سے لڑتے کے ساتھ پاؤں کا بلبلہ سامان جاتا اور شاہان کاس کی آواز کانوں کے اندر نہا رہی تھی۔

”آؤ آؤ آؤ آؤ“ اسے لے جاؤ۔ اسے لے جاؤ۔ وہ کسی دوسرے سے بات کر رہی تھی۔ شاہان نے دیکھا کہ سامنے ایک جگہ سے سنگ مرمر کا ستون گھومتے لگے۔ گویہ وہ اپنی جگہ سے ٹٹ لگا ہوا وہ اس جگہ سے عجیب قسم کی شکلوں والے دیوں سے باندھے ہوئے شاہان کی آنکھوں سے چٹ کر اسے ستون کی طرف دیکھنے لگے۔

شاہان یوں بانی میں آگے آئے تیرنے لگا جیسے وہ ان دیوں کے ہاتھوں میں چٹا ہو۔ اسے مرحلوں میں شاہان نے بھی اپنے آپ کو اتار بٹکا اور بے وزن محسوس نہیں کیا تھا۔

ستون کے پاس لے جا کر دیوں نے شاہان کو ایک طرف دھکیل دیا۔ اور شاہان ایک ڈھلان پر اتر چکا تھا۔ ایک پھر مٹیوں کے شور میں ایک ایک جگہ جا کر اپنے آپ کک کیا جی اس کے آس پاس کئی کئی شکل میں سونے کی چھریاں ہیں چھریاں کئی کئی۔

یہ چھریاں قدر دھس ان کے درمیان ایک سونے کا ہی چھترہ تھا۔ شاہان پانی میں اپنے آپ بھی ایک طرف بہہ جاتا اور کسی دوسری طرف بہہ جاتا۔ ایک بار وہ

سونے کے چہترے کے پاس گیا تو چہترے نے محتاطی کی طرح اسے اپنی طرف کھینچ لیا۔

شاہان اس کے لوہے اچھل کر گرا اور اس کے جسم کو سونے کی عظیمی طاقت سے اتنی زور سے جکڑ لیا کہ وہ اسے ہلکی جتنش بھی نہ دے سکا۔ شاہان منہ پر ہتھکی چھت کی طرف کے پیدوں کو بڑھاتا تھا۔ سمندری مندر کی بدولت پھر اس کی طرف بڑھنے لگی۔ اس کے دیوں چھریوں والے ہاتھ آگے کو پھیلے ہوئے تھے وہاں کے سر پہنچ کر اپنے چہترے کے کولہ آتے ہی اس نے دیوں کو رکھ دیا پانی دیوں چھریاں شاہان کے سینے پر دھس گئیں بائیں کھڑے ہاں ہاتھ پھیلا رہے تھے گویا وہ انتظار کر رہے تھے کہ کب ان کی طرف انسانی گوشت کی دھنیں بویاں اچھالی جائیں۔

بدولت نے ایک اونچی غرقابی موتی آواز لک کر پوری طاقت سے دیوں چھریاں شاہان کے سینے میں کھنکھائی۔ لیکن وہ یہاں نہ کر سکی یہاں اس کا چادوہ کا تھا کیونکہ دیوں چھریاں شاہان کے سینے میں چلنے کے بجائے لوہے سے ہی پھسل کر بدولت کی ایک پھلنی میں گھس گئیں اور اسے تکی کر گئیں۔

بدولت بچ کر لڑکھچھتی تھی اس نے دوسری بار شاہان کی گردن پر دھک دیا۔ پانی بھی کئی تھپتھپ لگا۔ اور شاہان کا کچھو کچھ نہ لگا۔ لڑکھچھتی تھی۔ پھر اس نے شاہان کی گردن میں اپنے نوکے دانت گاڑنے کی کوشش کی اور اس کوشش میں اس کے دیوں اٹھنے دانت ٹوٹ گئے وہ ایک جگہ پر بیٹان تھی اور وہ جن کو گوشت کا انتظار تھا اپنی جگہ پر چرچا رہی تھی تھکے تھے کہ کیا ہاتھ ہے۔ کیونکہ آج تک کبھی ایسا نہیں ہوا تھا شاہان کا جسم ابھی تک چہترے کے محتاطی کی شکل میں پھنسا ہوا تھا اور وہ اپنے دیوں بازو ہلا سکتا تھا۔

شاہان نے سوچا کہ اس پر ایک بار پانی طاقت کڑا زانا چاہئے شاید ان کی طاقت میں زور پیدا ہو چکا ہو۔ جنہی بدولت نے شاہان پر جھک کر اسے گھر سے دیکھنے کی کوشش کی شاہان نے دیوں ہاتھوں سے اس کی

گردن دیرنگی ایک ہشپاشی ہوگی، ہوا اس کی طاقت کا ڈرواؤں آگیا۔ ہوا اس کے ہاتھوں کی گرفت میں بڑا ہی زور تھا۔ اس نے بددعہ کی گردن اوڑھ کر سے وہاں شروع کردی بددعہ نے وہاں ہاتھوں کے ڈوٹی ہونے کے باوجود شاہان پر چھریاں چلائی شروع کردی پھر یوں کوٹھمکیا کہ شاہان کی لگاؤ میں گرادی۔

ان یوں کی یہ خاص بات تھی کہ وہ چوں کی طرح انسانی جسم پر چڑھ کر سے کوئی کمر لہریں ختم کر دیتے تھے۔ بددعہ کا حکم سننے ہی وہاں ہونے ہماگ کر شاہان کے جسم پر سوار ہو گئے اور چوں کی طرح اس کے جسم کو اپنے چھوٹے چھوٹے آری جیسے دھتوں سے کاٹنے لگے۔

شاہان کا جسم ہلاک ہاں کٹنے والا تھا، ان دونوں کے دانت ضرور شاہان کے چھریاں سے ختم ہو گئے۔ کھرا کر کٹ کٹ کر گرنے لگے۔ یوں کا رو کے دانتے معاملہ ہو گیا ان کی پیشی نکل گئی۔ مار دھسے میں شاہان کے سر کے پاس آ کر اس کی آنکھوں میں انگلیاں چھوٹنے لگے شاہان نے بددعہ کو چھوڑ دیا جلاوطن ہو کر فرش پر جا کر گی۔

شاہان نے ان دونوں یوں کو پکڑ کر ایک دوسرے کے ساتھ اتنی زور سے گھمایا کہ دونوں کے سر پھٹ کر ٹکڑے ہو گئے۔ بددعہ کا کاشاں نے بھی زور سے دیا تھا اگر اس کی آنکھ کی اور دانتوں کا ہوتا۔

لیکن بددعہ میں بڑی زبردست طاقت تھی اور وہ لاموسی کی ہوئی تھی لیکن پھر اڑھ ٹکڑی ہوئی اور پھر شاہان پر چڑھ کر گرنے لگے۔

شاہان نے اس کے آتے ہی ایک پاؤں سے اس کی گردن پڑی زور سے ضرب لگائی کہ اس کی گردن کا ہنگامی کیوں سے ٹوٹ گئی اور سندی بددعہ ہنگامی کیوں سے گر پڑی اس کے گردے ہی شاہان نے مخصوص کیا کہ سوئے کے چہرے کی ہتھکڑی شمشیر ختم ہو گئی ہے اور وہ ٹکڑے ٹکڑے پانی کا ڈرواؤں تک پہنچا تھا اس کی طاقت میں پہلے سید زور آگیا تھا تو وہ جب پڑی طاقت سے نہ کھاتا تھا اس کی شہت میں کمی نہ ہوتی تھی

شاہان سوئے کے چہرے سے اٹھ کر فرش پر پڑی سندھی بددعہ کے پیر گیا۔

وہ آخری سا مین لے رہی تھی۔ اس اور اس کی سرخ آنکھوں کے سرخ پاؤت، بچہ رہے تھے۔ اس کا دیکھ سنا پڑتا جا رہا تھا مند کے ستون خود بخود کھوٹے تھے کھنڈا میں بائیں یوں جھوٹے لگے۔ جیسے ڈنڈہ آگیا ہوں گرد میں اپنی جگہ پر بسکی ہی تھی۔ وہ بالکل فیصلہ مل رہی تھی۔

بددعہ نے آخری ہنگامی کی لاش فرش پر پڑے پڑے غائب ہو گئی لاش کے غائب ہوتے ہی سندھ کی ساری گھنٹیاں خود بخود بجنے لگیں۔ ستون کھوٹے ہو کر پیچھے ہٹنے لگے۔ مند کا گھنڈہ سننے لگا اور پھر شاہان نے دیکھا کہ مند ایک دم چھوٹا سا ہو کر سندھی گھونٹے جتنا ہو گیا اور سیاہ و بڑھار پڑی دلا ایک بڑا گھمچا ہوا اور اس نے اس مند کے گھونٹے کو کھنٹ لیا یہ ایک حیرت انگیز قاتل تھا جو شاہان نہ صرف اپنی آنکھوں سے دیکھا بلکہ اس میں خود حسد بھی لیا تھا۔ یہ سب کچھ کیا تھا ایک خوب تھا یا حقیقت تھی اس سوال کا جواب شاہان کا ایک ہی حکم تھا طاقت سے یہ کی یقین نہ تھا کہ وہ اب بھی خراب نہ کیا ہے یا نہیں۔

تیرے تیرے بلکہ پانی کے اندر کھڑے کھڑے اپنے آپ آگے کو تیرے ہوئے شاہان غار سے باہر آ گیا۔ وہ ایک دہرہ یوں پہلا یوں کی درمیانی گمانی میں سے گزر رہا تھا پانی کا ڈرواؤں نے اپنی طرف سے لئے ہار جاتا اور آہستہ آہستہ بند ہو رہی تھی شاہان نے دیکھا کہ سندھ کی ہتھکڑی کی ہاں ہاں جہاز کا ایک بہت بڑا ناخانی اور دھار اتار اس کی حالت میں خست ہو رہی تھی یہ کی طرف شدہ جہاز تھا۔

شاہان اس جہاز کے ٹوٹے ہوئے ڈھانچے میں چلے گا ایک جگہ اس نے کوسے کا ایک چھوٹا سا صندوق دیکھا جس پر رنگ کی موٹی تھم کی ہوئی تھی شاہان کے دل میں خیال آیا کہ یہ جگہ ہے کہ اس صندوق میں کیا ہے اس کی طاقت دلاؤں آگئی تھی۔ ادھاب وہ زمین کی شمشیر

محسوس کر رہا تھا اس نے صندوق پر زور سے پاؤں مارا اس کا ڈھکنا مل گیا اور اس کے اندر سے ایک انسانی کو پڑی اچھل کر شاہان کی طرف آئی۔ اور اس کے سر کے گرد چکر لگنے شروع کر دیے۔

شاہان اپنی جگہ خاموش کھڑا رہا وہ دیکھتا جتنا تھا کہ یہ کو پڑی کی گناہا تھی ہے اور اس کا مقصد کیا ہے بہت محسوس ہوئی ہے اپنا مقصد ہار کر گرد پانی کے کساد ہی اندر تیری ہونے کوئے چھوٹے پڑا ہاں جہاز کے لیے میں ایک طرف کی اور دیکھ کر جیسے جگہ پہنچ گئی۔

شاہان نے اس کے پاس جا کر دیکھا جہاز کے پینڈے کے سوراخ میں سے کچھ کھینچی کی کشش کر رہی ہے شاہان نے جبکہ کورسور کے اندر دیکھا نیچے ٹکڑی کے بڑے بڑے ٹکڑوں ادھاب کے پیچھا چھوٹا سا انسانی ڈھانچہ پھنسا ہوا تھا پھر جیسے شاہان کے کالوں میں اس کو پڑی کی پار کیا۔ وہ آواز نہ لائی۔

یہ میرا بیٹا ہے وہ اس کر سے تھا کھوٹا نا آگیا اور جہاز سندھ میں فرقت ہو گیا میری گردن کاٹ کر جہاز کے پچھان نے اس صندوق میں بند کر رکھی تھی جہاز کا سرکھان بھی مر گیا میرے پیچے کے ڈھانچے ٹکڑی کے ٹکڑوں کے پیچے سے کالوں میں اسے ساتھ لے کر جانا تھا تھی ہوں میری درج اس کو پڑی میں کی سائوں سے اس سندھ میں تھوڑی ڈھانچہ کا کھر ہے کہ تم بھلے آے ہو اس میں میری گردن ہے۔ یہ میرا بیٹا تھا اس لاو۔

شاہان پینڈے کے سوراخ میں سے نیچے چلے چکے اندر تھم گیا۔ انسانی ڈھانچے کا ڈھانچہ ہماری ہاں ادھاب کے پیچھے یہی طرح پھنسا ہوا تھا کھر شاہان کی طاقت دلاؤں آگئی تھی۔

اس نے تھوڑا سا زور دیا اور پیچے کے ڈھانچے کو کھینچے سے نکال لیا اس کی ہاں کی روح اوپر سے جھماک ہوئی شاہان کو یوں محسوس ہوا جیسے چھوٹے زنی ڈھانچے میں کوئی پھنسا سا سفید سا ہار کر گرد جہاز کے سوراخ کی طرف گیا۔ شاہان کی جہاز کے سوراخ سے باہر آگیا اور اس نے پیچے کی روح کی اور اس کی ہاں کی کو پڑی

اچانک اس نے پیچے کی ہاں کی آواز نہ لائی۔

شاہان میں اپنے پیچے کے ساتھ جاری ہو میں تھمرا اور اس کی ہاں کی کی گناہا تھی ایک دن میری تھمرا بھی طاقت کو پڑی ہو گئی تھا۔

شاہان جہاز کے لیے سے باہر آ پاؤتے ہیں لگا جیسے پیچے کا ایک کام کرنے کے بعد وہ لگا جھکا سا ہو گیا ہے اور وہ اپنے آپ کی سندھ کے اندر پڑی ہو رہا تھا چلا گیا۔

سندھ کا پاؤت بہت ہی لگا ہو گیا تھا آخوند کے قریب آ کر پڑا تو نہ ہونے کے برابر نہ تھا اور شاہان نے موجودگی کے ہار کھر کر دیکھا۔

سندھ چاروں طرف پھیلا ہوا تھا آسمان پر کوئی بہت بڑھکنا ناز ہوا تھا۔ ہاں اس کے اوپر وہ پہلی جاری تھیں شاہان نے سندھ سے باہر آنے پر خدا کا شکر ادا کیا اسے یقین نہیں تھا کہ صندوق کی کوئی پڑی کچھ نہ ہوگا۔

وہ ہاں پر سیدھا تھم گیا وہ آہستہ آہستہ ہٹنے لگی۔

سورج سندھ کے اوپر سرگرم مغرب کی طرف جبکہ گیا شاہان سندھ کی گردن پر چت لینا ہوا تھا ایک سفید پر دلا ہوا پیر بندہ اس کے اوپر سے غور کر نکلیں گیا سندھ کے سرخس میں اسے عجیب ہو چکا تھا کہ اس قسم کے پیر بندے اس وقت سندھ میں دکھائی دیتے ہیں جب ساحل قریب ہوا۔ شاہان نے ان دونوں پر ہار کر دیکھا اور اسے ایک سادہ گیر نظر آ رہی تھی اس کا دل خوشی سے اچھل پڑا۔ میں اس کی گھیر گئی شاہان نے وہی تیری سے اس کا لی گھیر کی طرف تیرا شروع ہو رہی تھی جہز دور دورے میں اس کی پاؤں دانتے کھنٹے کھنٹے سندھ کے اندر تیری ہوئی تھی خود کو ہر شاک کو بھی جل گیا کہ کوئی انسان تیرا ہے ہے یہ پندورہ تھی کہ ایک آخوند شاکر جلی جہز جہاز سے سندھ میں گرے ہوئے انسانوں کا ایک صنف میں جہز جہاز رکھا جاتی ہے۔

شاہان کو بھی تیری تھی سے کو پڑی سندھ پر کی کچھ اور اس نے ایک انسان کو تیرے دیکھا تو کھان میں مل کی گھنڈی رات سے اس کی طرف ہی شاہان اپنے خیال میں آگے تیرا ہوا تھا کہ اسے یوں لگا جیسے پانی کے

اندکڑی کی کوئی گیلی چیز اس کی ٹانگ سے ٹکرا گئی ہو،
 شکرک نے پانی کے اندر حلقہ کر دیا تھا اس نے شاہان کی
 ٹانگ پر پھرنی کر اسے ڈوگرے کو اسے کر شاہان کی
 ٹانگ پر چپان کی اس سے ٹکرا شکرک کو پکلائی گئی اور اس کا
 تیز دم مار لایا سینگ آگے سے ٹوٹ گیا اب وہ ابھر پانی
 کے اوپر آگئی۔

اسی وقت شاہان نے اپنے سامنے ایک شکرک
 کو دیکھا۔ شکرک چھلی اپنے ٹوٹے دانت دلا مکھن
 کر شاہان کی طرف بڑی جب وہ قرب آئی تو شاہان نے
 پوری طاقت سے شکرک کے جڑے پر کاٹ دیا۔ یہ صر
 اٹا شد ہی تو شکرک کے جڑے کا ایک حصہ ٹوٹ گیا۔
 شکرک خرب کر ایک طرف کھٹ کی اس نے تیسری بار
 شاہان پر حملہ کیا تو شاہان اچھل کر اس کی چپٹ پر سر ہار گیا
 اور اس کے ٹوٹنے کے جڑے سے جڑے کو ایک ڈور دور
 پھینکے۔ اب گے کر دیا۔ خون کا فوارہ چھتا اور شکرک سمندر
 سے فٹ اوپر اچھل کر دوبارہ سمندر میں اُتر کر آئی اس
 میں طاقت ندری تھی وہ پانی میں خرب ہوئی وہیں سمندر
 خون سے بھر گیا تھا۔

شاہان نے اس کے بعد شکرک پر حملہ کرنے کی
 ضرورت محسوس نہ کی کیونکہ وہ یہ جان کو سمندر کے اوپر
 تیر رہی تھی شاہان نے یہ دیکھ کر دنگا جواب درختوں کی
 تقاریر میں بدل گئی تھی یہ درخت سمندر میں ایک دریاں
 اور بیت ناک جزیرہ تھا۔ جس کے سب سے اونچے آتش
 فشاں پہاڑ ہیں بر طرف اور بہت دلا اور ناکر تھا تھا۔

شاہان کو سمندری لہروں نے اس جزیرے کے
 اجاڑ ساحل پر لا کر ڈال دیا۔ کچھ روز شاہان کنارے کی کھلی
 ریت پر سونکے سے لیٹا رہا۔ اور شریخ ہوتا سن کے ہمارے
 میں دو چکر لہے اس کی کوئی جزیرہ کی جیسے لندن پران
 پر کیا گزری۔ اور وہ ہوش میں ابھی تک میرا انتقال کر رہے
 ہوں گے۔ یا وہاں سے چلے گئے ہوں گے۔ اسے یہ بھی
 نہیں معلوم تھا کہ شریخ ہوتا سن کی جڑوں کے ایک ہوش میں
 اس کا انتقال کر رہے تھے۔

شاہان کچھ پر بعد سے پرے اٹھا اس نے یہاں

ساتھ قدموں کے فاصلے پر شروع ہونے والے جنگل کے
 درختوں کو دیکھا وہاں قربت میں کسی خاموش چھائی ہوئی تھی
 یہ کچھ عجیب ہمارا سا تیرہ رنگ و ہاتھ۔ ہمارے صدمہ میں تھی
 دور دور بہت دور سمندر میں ڈوب رہا تھا۔ شاہان نے
 ساحل کے ساتھ چلتا شروع کر دیا جزیرے کا ساحل دور
 دور تک بچا تھا۔

انسانی آبادی کے کوئی آثار کو کوئی ندوے وہے
 تھے۔ سمندر میں کوئی کشتی بھی نظر نہ آئی کسی سفید پتھر
 کی ایک قلعہ سمندری طرف سے اڑتی ہوئی آئی
 اور جزیرے کے جنگل میں کہیں غائب ہو گئی۔

کافی دور جزیرے کے اندر ایک نو چھاپا پہاڑ کھڑا تھا
 جس کی چوٹی پر پتھر ہوتا۔ اس کے شیشہ ڈوبے سورج کی
 آخری کڑوں میں سرخ چکر رہا تھا۔ چلتے چلتے شاہان
 جزیرے کے مشرقی ساحل کی طرف آ گیا یہاں سمندر میں
 کہیں کہیں چٹانیں ابھری ہوئی تھیں۔ سمندر کی لہروں میں
 چٹانوں سے ٹکرا کر ہماگ اڑتی تھی۔ بائیں طرف
 کھمبے درختوں کا سلسلہ تھا جو جزیرے کے ہمارا خاموش
 اور بیت ناک جنگل کے ساتھ جا کر مل جاتا تھا۔

شاہان نے سوچا کہ یہاں رات بسر کرنی چاہیے۔
 ایک کھوکھلا موٹلی چاہیے جہاں آرام کیا جاسکے گا اگر وہاں
 کوئی آبادی ہے تو اس کی مدد سے اس جزیرے سے نکلا
 جاسکے گا۔ ایک چھوٹی چٹان ساحل سے ٹھوڑی دور بیت
 پر کھڑی تھی۔ وہیں تک سمندر کی لہروں میں آتی تھی
 اور بیت ناک تھا۔

شاہان نے سوچا کہ یہاں رات بسر کرنی چاہیے۔
 وہ چٹان کے بائیں آگے ڈالوں اور تیز سمندری لہروں
 نے اس چٹان میں گھرے گھرے سڑے ابل کر کھٹے تھکڑے کرھا
 کا لی کھوکھلا تھا اور اعداد سے نکلا تھا۔

شاہان نے اس کے اندر آ کر کھڑا ہو گیا سمندر میں
 سورج کے ڈوبنے پر اس جزیرے میں ایک دم سے رات
 آگئی۔ اور اندھیرا چھا گیا شاہان کو کھوہ میں لیٹے لیٹے اس
 نظر رہا تھا۔ جس پر پرتلے چمکتے لگے تھے۔ سامنے
 جزیرے پر کمری خاموشی لوندی رہ گئی تھی۔ خاموشی

میں اگر کوئی آواز آتی تو وہ صرف اور صرف لہروں کے
 پھٹنے پھٹنے کی آواز تھی۔

شاہان اس قدر تھک گیا تھا کہ اسے نیند آگئی
 اور وہ سو گیا۔

آجی رات کو شاہان کی آواز کھل گئی اس نے ایک
 آواز سنی تھی یہ آواز کسی گھومتی کی چی کی آواز تھی پھر اسے
 خیال آیا کہ شاید یہ اس کا خواب تھا کیونکہ جزیرے
 پر یہ طرف تھا تھا لہروں کی آواز تھی آجی رات کو کوئی ہو گئی
 تھی شاہان نے لیٹی آگئیں بند کر دی اور سونے کی کوشش
 کرنے لگا۔

فیک۔ اسی وقت وہ چیخ پڑی۔ جزیرے کی ہیبت
 ناک خاموشی کو ایک بھر بھر بھر بھر شاہان کو بھر پڑا تھا۔
 یہ چیخ اسے بالکل صاف سنائی دی تھی۔ یہ کسی
 گھومتی کی آواز تھی چیخ پر دور دور کرب کے ساتھ ساتھ بین
 کرنے کا جھنڈا تھا۔ یہ بڑی ڈراؤنی آواز تھی اور اس نے
 جزیرے کی کچھ خاموشی کو لوندی کر دیا۔

شاہان کی جگہ اگر کوئی دوسرا انسان ہوتا تو وہ بھی
 سمجھتا کہ یہ کی بدود کی آواز ہے اور وہ اسے سننے ہی نہیں
 کھا کر گر پڑتا۔ اور شاید اگلی دنیا میں بھی چیخ جائے لیکن
 شاہان ایک بہادر جوان ہیں جسے ہمارا اس قسم کے
 جزیروں میں مدد کرنے کا تجربہ بھی تھا اس کے ساتھ
 ہی ساتھ اسے اس بات کی بھی بڑی کھلی کھلی کھلی کھلی
 بدود آجیب ڈراؤنی ہے ہاگ کہیں کشتی کی کشتی۔ لیکن اس
 چیخ کے بارے میں شاہان کو یقین تھا کہ یہ کسی لڑکی کی چیخ
 ہے جو کسی ندر کھراس میں وہاں اجاڑ جزیرے میں اس آن
 کچی سے لڑا بہت راتوں کا کھڑی کھڑی کھڑی ہے۔ اور
 چٹان کی کھوہ میں سے باہر نکل آیا اس میں سمندر سے ہوا
 ہوا تھا جزیرے کی رات منساں تھی جنگل کے درخت
 خاموش اندھیرے میں ڈوبے ہوئے تھے شاہان نے جنگل
 کی طرف دیکھا۔ سمندر کی ڈراؤنی چیخ کے بعد کھلی لوندی رہا
 آجیب دہ وہ ہو گیا تھا۔

شاہان کو یہ انداز نہیں ہو سکا تھا کہ وہ ڈراؤنی آواز
 کس طرف سے آئی تھی کیونکہ وہ اس وقت چٹان کے اندر

سوچتا تھا وہ اسے آواز سے لگتا تھا گھومتی کہیں جنگل میں
 قربت ہی جانتے میں چیخ کی آواز ایک بار پھر سنائی دی
 ایک بار پھر شاہان کی خوف سے کانپ اٹھا۔

یہ چیخ بڑی مبہم ایک آواز تھی۔ ایسا محسوس ہوا
 کہ جیسے کوئی اس گھومتی کو ڈنگ کر رہا ہوں آواز میں ہے
 کسی آہ و دھن اور صرورت کی دہشت کی۔ ایک بار آواز
 جزیرے کے جنوب سے آئی تھی اور کچھ فاصلے سے سنائی
 دی تھی، شاہان جھڑے سے آواز آئی تھی اور کھلی پڑا،
 جزیرے پر سمندر میں آگئی وہی وہی روشنی ضرور تھی کہ
 شاہان اپنا سر جھکا کر دیکھا تھا۔

ساحل کی ریت کو پیچھے چھوڑ کر شاہان نے خدا کا
 نام لے کر جنگل میں داخل ہوا آواز اس طرف سے آئی
 تھی۔ جنگل اس وقت تک کہ شاہان کو درختوں
 اور جھاڑیوں میں سے گزرتا مشکل ہو گیا لیکن جنگل میں وہ
 کی وجہ سے جھاڑیاں آجیں میں ملی ہوئی تھی پھر بھی وہ
 جھاڑیوں اور درختوں کی کشتی ہوئی شاخوں کو پرے ہٹاتا
 کھڑکی کے جالوں کو کھڑا آگے بڑھتا گیا۔ اب وہ اسی
 اندھیرے میں تھا کہ آواز پھر سنائی دے لیکن وہ آواز سنائی
 نہیں دے رہی تھی۔ جنگل میں سنا جاتا تھا صرف
 درختوں کی شاخوں کو کھڑا کھڑا کھڑا کھڑا کھڑا کھڑا کھڑا
 گزرنے کی آواز سنائی دے رہی تھی۔

آگے جنگل اور بڑا دھن دھن ہو گیا پھر یہاں جھاڑیاں
 نہیں تھیں کہیں کسی ضرور آگئی ہوئی تھی شاہان کی نگاہ
 اندھیرے کی عادی ہو گئی تھیں، وہ درختوں کے تنوں
 اور کھاس کے کدم کدم ہمارے سے کچھ ہاتھ۔

شاہان نے درخت کی ایک کٹی شاخ کھانے
 سے ہٹایا تو وہ اس کے بازو سے لپٹ گیا یہاں جزیرے کا
 سب سے زیادہ ڈیر ہلا ساپ تھا، جس کی چمک رہا
 ساتھ چمک رہا تھا کٹی تھیں، ساپ کے منہ سے چنگاریاں
 پھوٹ کر شاہان کے منہ پر بڑی شاہان نے دوسرے ہاتھ
 سے ساپ کو کھانے کی کوشش کی تو ساپ نے اس کی
 کلائی پر اسے بیا۔ شاہان پر لڑو کا کڑا ہوا تھیں اس نے
 ساپ کی گردن مرڈ کر دی۔ پیک واپس آگے، آگے جنگل ذرا

کھا ہو گا لیکن درختوں کی شاخیں کافی نیچے جھک کر آدمی جس سامنے میں شاہان پرگی اپناں سے ملے گا لورا پنی سوت آپ کیک اڈوسے کے در شاہان کو ثابت لکھے کی کشش کیلین شاہان نے اسے بھی ہلاک کر کے پھینک دیا۔

جنگل خاموش تھا کسی وقت ایسے لگا جیسے جنگل آہستہ آہستہ سانس لے رہا ہو۔ چیخ پھر بلند ہوئی تھی شاہان حیران تھا کہ چیخ کی سیانی کیوں نہدی کر کہیں وہ کسی بددع کی ہی تو چیخ دیکھ اس کے ہم کے دیوان جنگلوں سے اس اکثر بددعوں کا کبیرا ہوتا ہے شاہان ان سے بھی متاثر کرنے کو چڑھا۔ اچانک شاہان کا اس خاموشی میں آہستہ سنائی آئی۔

وہ چلتے چلتے وہیں کر گیا اور مکان کا گر آہٹ کر وہ بددعے کی کوشش کرنے لگا تھوڑی دیر بعد وہی آہٹ پھر سنائی دی شاہان کیوں کہ جیسے کوئی خشک جہن پر شاہان نے شاہان نے اندر سے اس آہٹیں بھڑا ہوا کر دیکھ کر کی کوشش کی۔ وہی آہٹ اس سامنے گویا درختوں کے بدلے بڑے سیانہ جہن کے اندر گھونکی نہیں تھا۔

پھر یہی آہٹ کی آواز کی تھی شاہان نے سوچا کہیں ایسا تو نہیں ہے کہ وہ بددع یا حرکت جس کی چیخ جنگل میں گونجی کی چھپ کر اس کا پتہ نہ کر ہی ہو۔

شاہان نے اپنے پیچھے پلٹ کر دیکھا وہیں بھی سوائے درختوں اور اندر سے کے اور کچھ بھی نہ تھا۔ اور یہ ایک دم سے شاہان کو سیانہ ایک بددع کی درخت کی لوث سے نکل کر درخت سے درخت کی طرف ہاتا دکھائی دیا۔

شاہان جلدی سے چھپ گیا اور اندر سے اس سامنے کو بھینک کر کوشش کرنے لگا جیکہ درخت کے پیچھے چھپ گیا تھا تھوڑی دیر بعد وہاں سے درخت کی لوث سے لگا اور سو سے خشک جہن پر سے گزرتا ایک طرف کھڑا۔

یہ سیانہ کی حرکت کا تھا اندر سے میں بھی شاہان نے دیکھا کہ اس سامنے کے لیے بے حال تھے۔ لارڈم پر بھڑا نہیں اور بے لیے ہوئے تھے۔ شاہان نے سوچا کہ اس کا دیکھ کر بے پردہ اپنی نگاہ سے نہ ڈلا۔ کیونکہ وہاں بھی

آکیر درخت کے پاس جا کر کھ کھاتا شاہان سے سامنے کا فاصلہ زیادہ تھا۔ درخت کے پاس جا کر سامنے پلٹ کر دیکھا۔ اندر سے میں شاہان کو سامنے کا لگا سامنا نہی دکھائی دے رہا تھا اسے سوائے دو دکری گہری اور کھنکی آکھوں کے اور کچھ دکھائی نہ دیا۔

سیانہ کچھ دیر پانی جبکہ برسات کھڑا رہا۔ پھر اس نے ہاتھ پیر بڑھا کر درخت کی شاخ پر سے کوئی شے توڑ کر کھائی شروع کر دی۔

شاہان کو لگتا ہے کہ پھر کچھ صاف آواز سنائی دے رہی تھی اس لیے آواز آیا کہ اس بھید پر سے پردہ ابھی اٹھایا جا چاہے کہ حرکت ہے یا کوئی بددع۔

آگے بڑھ کر اسے قابض کر لیتا ہے۔ اس شاہان درخت کی لوث سے لگا اس کے پاؤں کے نیچے پتے چڑھانے سامنے کے ہاتھ سے درخت کا پھل کر پڑا اس نے چپک کر شاہان کی طرف دیکھا اور خوف کا آواز سنے سے لگا لی اور ایک کر اندر سے میں کم گویا۔

شاہان نے جلدی سے اس بھید پر آجایا ایک پیکٹ پیلے د پر ہر سار یہ کھڑا تھا۔ اس بددع کے کھانے پھل کر سے بڑے تھے۔ شاہان نے اندر سے مات میں ہار کر کا سامنا جنگل جہان بنا۔ لیکن اس سامنے کو پیچھے زمین پر لکھ کر اٹھا اور اسید ہو کر وہ جنگل سے نکلنے کے لیے ہاتھ ہوا۔ جب وہ جنگل سے باہر آیا تو کئی کی لوث کی آواز سن کر مشرق سے میں بھرنا شروع ہوئی۔ کئی گویا بھید جھنک کر شاہان اپنی پناہ گاہ چھپان کی کھو کی طرف چلاؤ جنگل کی جانب سے وہی صیانت کر اور دھاک کا ہاتھ پھر سنائی دی۔

شاہان کے قدم اٹھانے آپ سرک گئے لیکن یہ یاد اس ہار جنگل میں بہت دور سے آئی تھی۔ شاہان چپکے کھانے اعداد کر لیتے تھا اور آواز کے بارے میں سوچنے کا کبھی حرکت کوں ہو سکتی ہے کہ کیا یہ کوئی بددع ہے یا جانج کی کوئی اسنے گھبراہٹ سے بھڑکی ہوئی۔ ہاضیمہ حرکت ہے یا کوئی جنگلی حرکت ہے لیکن کبھی حرکت کیوں آجی آدمی رات کو اور گہری آواز کی لکھائی کی ضرورت کی۔ شاہان نے اس حرکت کا جانا اندر سے میں جوسیدہ دیکھا تھا اس

سے یہی اندازہ لگایا تھا کہ وہ بددع نہیں ہو سکتی کیونکہ بددع کے لیے بے باختر اور بات ہوتے ہے لوہاں کی آکھیں سرخ ہو جاتی ہیں۔ جبکہ سرخ بددع کی آکھوں میں سرخ چمک نہی اور اس کے لیے بات ہوتی ہے۔ تھے شاہان جتنا سوچتا وہ حرکت اتنی ہی ہراساں ہو جاتی جا رہی تھی۔

شاہان نے آخر میں یہی فیصلہ کیا کہ وہ دن کی روشنی میں اس پر ہار جنگلی حرکت کو کھائی کرے گا اس نے آکھیں بڑھ کر سیکر چکر دو شرم کھنکوں کے بارے میں خیال کیا کہ وہ لندن میں کس شہت سے اس کا انتظار کرے ہوں گے۔ پھر اسے نینا کا۔

شاہان سو رہا تھا اور جڑ سے پرکھ جھٹا شروع ہو گئے پیکٹ کالے بادل تھے جہیں سمندری ہوا میں دور دور سے اڑتے لڑے آری نہیں۔ بادلوں نے پیکٹ پیکٹ کر رہا تھا شروع کر دیا ہوا جڑ سے کے درختوں کی کھولا جھلا رہی تھی لیکن ہوائے طوفان کی مثل اختیار نہی تھی شاہان چپکے سے اندر گہری نیند سو رہا تھا۔

پیکٹ اسی وقت ایک بادبانی جہاز جڑ سے کے مغربی ساحل پر تھوڑی دیر آ کر کھ گیا۔ یہ بکری ڈاکوؤں کا جہاز تھا جس کا کپتان کچھ نہیں تھا۔ بکری ڈاکوؤں کی ہار جنگ میں چپکے چپکے کوئی کپتان کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ یہ غافل تھی پیکٹر خان اور لہا کو اس سے زیادہ رنگ دل تھا کسی کوئی کھنک کر کہ اس کے لیے بڑی مہولہ بات تھی اس کے دل میں دم کے لئے کوئی جگہ نہ تھی اس کی ہر چرچا میں ساحل تھی وہ بڑا دل انساں کو خوفناک بنا چکا تھا۔

اس کا تھ جھٹا سامنے چڑے سے اور دوسری بکری بکری کھنک تھی کلاں میں سوئے کی مندریں تھا پھر سرخ لڑی کر رہا تھا جیسے لوہا کو لیں پڑھوں کے کٹھن تھے۔ اس کا ہاتھ ہمیشہ کھو کر دے پر ہاتھ جھٹے تک سمند میں تھمتی اور سرفروں کے جہازوں کو ٹونے کے بعد وہ سوئے اور جہاز سے بھرے ہوئے سوئے کا علی کے بھرے ہوئے جہاز سمند کی بڑے سے بڑے جہازوں کے

اس زمانے کے بکری ڈاکوؤں کی کھنک بڑی تھی شاہان کی سوت تک اس کے ساتھ رہتا تھا مرے وقت بکری کپتان اس تھتے کو اپنا جہاز اٹھا یا سمندر میں پیکٹ دہر کر گیا کیونکہ وہ اس کے لئے کوئی کھنک ملے نہیں تھے اس لیے جاسکتے تھے اس طرح سے اس کو گرفتار کر کے اس پر مقدمہ ہو سکتا تھا۔

یہ انجام ہوا تھا ان بکری ڈاکوؤں کا بہرحال سرافرت کا یہ بکری جہاز تھا جہان لفظی جڑ سے کے مغربی ساحل پر آن کھتا تھا اس پر ہائی کو بڑی کے کٹھن دھلا کلا کھولا اور ہاتھ اٹھا بکری ڈاکو پکٹے اپنے نام میں مصروف عمل تھے۔ خوفناک کچھ نہیں تھا۔ کچھ پھنکی کی کھنکی بڑھانے کے دلوں صدقہ لاوے شامل کر گیا۔

اس کے کیک ہاتھ میں کھو کھو اور صد سے ہاتھ میں پھونکی ہوئی پر جس کی پانی تھی اس کا بھر اہوا پھول جھول رہا تھا وہاں ڈاکوؤں کے سروں پر بڑھانے کے سمندر کی بھڑا کر جڑ سے کے جنگل میں داخل ہو گیا۔

دوسری طرف شاہان کی کئی کھنکوں کی جگہ وہی آواز دیکر نہ سوا تھا شاید اس کے کبھی دیکھنے والے نہم کو

باندھنے سے لیکن جہاز ہرے سوتی اور سونے کے کئے صندوق میں بند کر کے کئی دلوں جڑ سے پر آ جاتے۔ یہ جہاز کے کپتان کا حصہ ہوتا تھا کپتان دو چار لوگوں کے سروں پر صندوق پر جڑ سے کے کئی کھنکوں کے بڑھانے کے صندوق رکھتا تھا۔ اور جب ساتھ آتے ہوئے ڈاکوڑے میں پہلی اولیٰ پیچے ہوئے کپتان بڑی مہاری کے ساتھ انھیں کوئی بکر ہلاک کر دیا تاکہ وہ زندہ کس کے خزانے کا دلوں کی کو نہ سکتا۔

اس کے بعد ڈاکو کپتان خزانے کا گڑھا کر کے لوہاں کے ڈاکو اور اس پر کوئی ہی خزانہ رکھا تاکہ جہاز کبھی وہ آتے خزانے کا پتہ نہ مل سکے۔ جہاز پر ہوائی آ کر وہ خزانے اور جڑ سے کا ایک نقشہ بنا کر اسے اپنی دردی کی اعوذی دلی جب میں سنبھل کر دیکھتا تھا۔ اندر سے وہ خزانے کا نقشہ ہوتا تھا اس کو حاصل کرنے کے لئے اس زمانے کے لوگ ایک دوسرے قتل کر دیتے تھے یہ نقشہ بکری کپتان کی سوت تک اس کے ساتھ رہتا تھا مرے وقت بکری کپتان اس تھتے کو اپنا جہاز اٹھا یا سمندر میں پیکٹ دہر کر گیا کیونکہ وہ اس کے لئے کوئی کھنک ملے نہیں تھے اس لیے جاسکتے تھے اس طرح سے اس کو گرفتار کر کے اس پر مقدمہ ہو سکتا تھا۔

یہ انجام ہوا تھا ان بکری ڈاکوؤں کا بہرحال سرافرت کا یہ بکری جہاز تھا جہان لفظی جڑ سے کے مغربی ساحل پر آن کھتا تھا اس پر ہائی کو بڑی کے کٹھن دھلا کلا کھولا اور ہاتھ اٹھا بکری ڈاکو پکٹے اپنے نام میں مصروف عمل تھے۔ خوفناک کچھ نہیں تھا۔ کچھ پھنکی کی کھنکی بڑھانے کے دلوں صدقہ لاوے شامل کر گیا۔

اس کے کیک ہاتھ میں کھو کھو اور صد سے ہاتھ میں پھونکی ہوئی پر جس کی پانی تھی اس کا بھر اہوا پھول جھول رہا تھا وہاں ڈاکوؤں کے سروں پر بڑھانے کے سمندر کی بھڑا کر جڑ سے کے جنگل میں داخل ہو گیا۔

دوسری طرف شاہان کی کئی کھنکوں کی جگہ وہی آواز دیکر نہ سوا تھا شاید اس کے کبھی دیکھنے والے نہم کو

جزیرے سے دور ہونا چاہتا تھا کیونکہ جزیرے کے اندر گرد
سمندر میں سمیٹا کھولنا آگیا تھا۔
وڑنے کے سبب سے جب کم ہو گئے تھے تو پہاڑ
ایک بار دہرے کے پٹ کر خاموش ہو گیا تھا لیکن
سمندر میں پہاڑ جیسی موجیں ابھی تک اٹھ رہی تھیں
اور جزیرے کے آگے آگے فضاں والے علاقے میں
زبردست آگ لگی ہوئی تھی۔

غری پستان پہاڑ کو بڑی تیزی سے جہاز کو طوفان
اور آگ کے سمندر سے نکل کر جزیرے سے کافی دور نکلے
سمندر میں سے کیا یہاں سے جزیرہ ایک سیاہی سے کھل
میں نظر آ رہا تھا جہاز آگ کی لگی لگی روشنی ہوئی تھی۔
پستان نے اپنے ڈاکوؤں کو گھر دیا۔ ”ابھی کچھ دور
ہم ہیں جبکہ ہمیں کس سے ڈرنا ہے؟“ ڈاکو اصرار کر دے۔
”کریوے وڑنے سے جو غری پستان جزیرے سے ہمیں ہمارے
ہوئے ڈاکو بالک کے بغیر وہاں سے نہیں جانا پڑتا تھا۔
جزیرے پر بھر پور لگائے ہوئے پہاڑ شروع ہوئی
پہاڑ کی وجہ سے جنگ میں لگی ہوئی آگ جھوٹکی اور پہاڑ کی
جانب سے اس قسم کی سسکار کی آوازیں آنے لگیں جیسے
کوئی بھڑکی ہوئی آگ پہاڑی اڑ رہا ہو۔“

شاہنشاہ راہیں پستان کی کھود میں آ کر بیٹھ گیا وہ خود
بھی بڑا مہیا تھا اس کی طرف سے جزیرے سے کمر کھینچا ہوا
نکل گئے اسے نہ بڑھتا اور نہ کسی کو بھی جرحی لہو نہ ہی اس
کو شاہنشاہ کو کوئی تھا جزیرے پر آمد شروع ہو گئی لوگ سچے
ہوئے تو وہ اس کی کشتی کے دربار میں فرار ہو سکتا تھا یہی
تو وہ سمندر میں بڑوں میں تک پہنچ سکتا تھا لیکن یہ بڑا غری
ترک ہو گیا اس میں شاہنشاہ پر اسرہ اور موت کا پتہ چلے گئے بغیر
جزیرے سے نہیں جانا پڑتا تھا اس کا دل کھرا ہوا تھا کہ اس
موت کی سمیت کی مدد سے اور اسے شاہنشاہ کی مدد کی
ضرورت تھی۔ جزیرے پر سوا دھار ہوا ہوری جی
اور ہاہل زور زور سے کرج رہے تھے سمندر کی طوفانی
موجیں اس چٹان سے بھی گرنے لگی تھیں جس کے اندر
شاہنشاہ نے پناہ لے رکھی تھی لیکن اس کی کھود بھڑکنے میں
سج سے کافی اونچی تھی اس نے اندر تک پانی نہیں آ رہا تھا۔

خیر سے پہرہ بک بارش ہوئی رہی شام ہو رہی تھی
کہ بارش ختم ہوئی سمندری طوفان ابھی تک کیا لاپتہ چھٹ
گئے اور بارش رنگ کی دھوپ سمندر پر چھلکی تھی شاہن
چٹان کی کھود سے باہر نکل آیا جزیرے کے دور دراز پہاڑ
میں چکر بک رہے تھے ابھی زور دراز بارش کے بعد کی
کسی جگہ بھی پانی نہیں کھڑا تھا۔ سارا پانی ریت نے
جذب کر لیا تھا۔

شاہنشاہ چل چلا ساحل سمندر پر اس جگہ پر آ گیا
جہاں وہ پہلی بار سمندر سے نکل کر جزیرے پر آیا تھا یہاں
کاٹی ہوئی چٹان کھڑی تھی وڑنے کی وجہ سے اس کا حصہ
ٹوٹ کر گر رہا تھا شاہنشاہ جزیرے کے جنگل کو پہنچا
دیکھنے کے خیال سے چٹان کے چوڑے چوڑے ٹکڑے ایک ایک
ٹکڑے پر بڑی تیزی سے چٹان سے اترنے لگے۔
”آگے بڑھتی ساحل کی طرف آ رہی تھی۔“

شاہنشاہ کو دور سمندر میں بارانی جہاز کے ستون نظر
آئے وہ جلدی سے چٹان سے نیچے اتر آیا وہ چھپرے کی یہ
معلوم کرنا چاہتا تھا کہ یہ کون لوگ ہے جو کشتی لے
جزیرے کی طرف آ رہے ہیں شاہنشاہ چٹان سے
دور جنگل میں آ کر ایک دور درشت کی ٹوٹ میں چھپ کر کھڑا
کو دیکھنے لگا جہاز جتنا بڑھتا ہے تھوڑے ہی وقت میں کشتی
روشنی میں ساحل کی طرف آ رہی تھی۔ کشتی میں غری پستان
بڑی سے تیلی ڈیپ پٹے کو در ہاتھ میں لے کر آ رہا تھا
چلا آ رہا تھا کشتی چار سے تھے شاہنشاہ نے ان کی کھلیں دیکھ
کر ہی اندازہ کر لیا تھا کہ وہ بڑی ڈاکو ہے اور جزیرے
پر شاید کسی غری پستان کی تلاش میں آئے ہیں۔

خیر کے ہاتھ میں ٹونڈوں اور ٹونڈوں میں اس قسم کے
کٹی بڑی ڈاکوؤں سے نہٹ چکا تھا۔ یہ لوگ جزیروں
پر خزانہ ڈنڈے کرنے اور خزانہ چھپنے کے لیے پہاڑ اور جنگل
پانی لینے آتے ہیں۔ ڈاکوؤں نے ریت میں کٹی کٹی کی
غری پستان نے جنگل کی طرف کو اسے شاہنشاہ کا چاند
ڈاکو پستان کے پیچھے پیچھے جنگل کی طرف چل پڑے۔
چند گھنٹوں کے پاس خزانے کا کوئی صندوق نہیں ہوا
اس نے شاہنشاہ نے اپنی توجہ نکالا کہ وہ خزانہ ڈنڈے کرنے کے

بجائے کسی ڈنڈے خزانے کی تلاش میں آئے ہیں۔
پاروں ڈاکوؤں کی پستان کے ساتھ شاہنشاہ کے قریب سے
گزرے تو شاہنشاہ نے ان کی ہتھکڑی
ایک ڈاکو بڑھتا تھا۔ ”مرد اور ہادی ٹونڈوں سے
بچ کر نہیں جا سکتا۔“ غری پستان نے منہ چھوڑ کر ہاتھ پیر
کھڑے ہوئے کہا۔

”وہ خاکہ کر جائے گا بھی کہاں۔ میں اس جنگل کا
چوڑے چھان چھان ہوں گا۔“ شاہنشاہ سمجھا کہ یہ لوگ اپنے
کٹی ایسے ساسکی کی تلاش میں ہے جو ان کے جہاز سے
بھاگ کس جزیرے میں آ گیا ہے۔ سولہ یہ تھا کہ وہ
کیوں بھاگ رہا تھا ضرور اس نے بڑی ڈاکوؤں سے کسی
قانون کو توڑا ہو گا۔ پھر اس نے پستان کے کھم کھم کر
ایک ہونگا۔ ”یہ بنیاد نہ کر دی ہوگی یا پھر اسے کسی ساسکی کو ل
کر لیا ہوگا۔ شاید یہ ضرور ڈاکوؤں کے خوف سے
جزیرے پر آ گیا ہے۔“

ڈاکو نے پستان کے ساتھ آ کر نکلے گئے کھم کھم پیچھے
وہ کر شاہنشاہ نے ان کا تعاقب شروع کر دیا ڈاکو اس
جزیرے کے عادی تھے ہیں آسانی سے گھسے غرض
میں چلے جا رہے تھے۔ جیسے جیسے پہلے ہی وہاں آچکے
ہوں۔ شاہنشاہ ان کے پیچھے پیچھے تھا۔ وہ ان کی تلاشی بڑی
ابھی طرح سے کر رہا تھا۔

پستان کہہ رہا تھا۔ ”آتش فشاں کے پھٹنے سے ہوا
بھاری نقصان ہوا ہے ہمارا جہاز غرق ہونے سے بچ گیا۔“
”ایک ڈاکو بولا۔“

”مرد اور ہم میں وقت پر جہاز پیچھے نہ لے
جاتے تو خطر تھا۔“ پستان نے گردن اٹھا کر کہا۔
”میرا نام کیشننٹ ہے میں بڑی ڈاکوؤں کا
باشہ ہوں میرے سارے سمندوں پر میری کمر لپی ہے۔ میں
نے اپنے کٹی وڑنے کو طوفان اور آتش فشاں پر بڑھ دینے
ہے۔ میرا جہاز غرق نہیں ہو سکتا۔“ دوسرے ڈاکوؤں نے کہا۔
”بے شک ہے شک ہے مرد آپ سمندر کا باشہ
ہے۔ آپ کا نام سن کر کاغذ ہفتے ہیں۔“

شام چھا جانے سے جنگل میں اندھیرا رات سے

پہلے ہی اتر آیا تھا بارش کے بعد یہاں ہوا کیا تھا ہوا
پاک تھی کٹی سا پاک آگے آگے چلے والے ڈاکو نے
ایک چھری کی سرخ ساپ درخت سے چھلا نکال کر
اس کے کور ہاں لگا تھا۔ اور اسے اس لگا تھا پستان نے کھور
کا دلہ کر کے ساپ کے دھڑکے کو دیکھ کر بے چین ڈاکو
مر چکا تھا کیونکہ اس جزیرے کے ساپ بے حد زور پلے
تھے باقی ڈاکوؤں زور دہو گئے ایک نے کہا۔

”مرد میرا خیال ہے کہ رات ہو گئی ہے واپس
چلنا چاہیے ہم جہاز پھر تلاش شروع کر دیں گے۔“ غری
پستان نے کچھ دور گزرا کیا سانسے کے درختوں کے درمیان
پہلے ہوئے اندھیرے کو کہا کچھ اٹھانے کتے سانس
ان کی دلہ کچھ ہے تھر پھلٹ کر کھٹے سے بولا۔

”میں اس حرا کی خانوں کی جانوں کا اس کی وجہ
سے میرا ایک ساسکی مارا گیا ہے چلوں صبح پھر اس کی
تلاش کریں گے۔“

اور وہ اپنے ساسکی کی لاش اٹھا کر واپس چلے گئے
شاہنشاہ بھی ان کے پیچھے پیچھے تھا قریب آتا سمندر کے ساحل
پر آ گیا۔ یہاں رات کا اندھیرا مکمل چکا تھا درختوں کے
تھمے تھمے سے دبے دبے روش ہو گئے تھے۔ یہاں آ کر شاہنشاہ کو کھپا
آ گیا کہ اس کی طرح ان ڈاکوؤں کو کشتی پر اسے اٹھا جائے
تو چاہا ہے۔

شاہنشاہ کو چاہئے تھا کہ وہ ڈاکوؤں کا پیچھا کرنے کی
جگہ سے ان کی خانہ کشتی لے کر جزیرے کی مشرقی ساحل کی
طرف جاتا ہے۔

اور کئی کچھ جہازیں میں چھوڑتا ہے۔ کشتی اس کے
بڑے کام میں کشتی کی سرکاب چھوٹی کشتی ہو سکتا تھا۔ کیونکہ
ڈاکو نے پستان کے ساتھ داکس چاہیے تھے اس وقت
شاہنشاہ کو کٹر کٹی کی بڑی پیادائی وہ ان کے تو بڑی آسانی
سے ان ڈاکوؤں کی کشتی میں سوار ہو کر انھیں سمندر میں دھکا
دے کر اسے ریت اور داکس لے آتا۔ ایک ٹیکہ مارتے
تو کٹی کی کٹی میں کشتی نکلتی۔ کچھ شاہنشاہ کو کھور دیکھ کر
تھے دیکھے شاہنشاہ ان لوگوں کو کھور دیکھ کر بے چہرہ کر سکتا تھا
لیکن وہ کشتی کی خاطر میں انسانوں کا حق خون

نہیں کیا جاتا تھا بلکہ اگر معاملہ زیادہ سنگین ہو جاتا تو وہ ایسا بھی کر سکتا تھا۔

مگر شاہان کے خیال میں ایسی ہیاد وقت نہیں آتا تھا۔ ایسی ہیاد کو لوگ جزیہ کے آس پاس ہی تھے۔ کیونکہ انہیں اپنے بھاسے ہوئے سامی کی تلاش تھی۔ اور شاہان کو کسی جراتے کا کیسے موقع مل سکتا تھا بلکہ وہ ان کے پورے جہاز پر ہی قبضہ کر سکتا تھا۔ بحری ڈاکوؤں کی کشتی ساحل سمندر پر رات کے پچھتے ہی اندر سے میں دور ہوئی جا رہی تھی۔

دور کاٹنی فاصلے پر سمندر میں بھری ڈاکوؤں کے جہاز پر شمع کی روشنی ہو رہی تھی۔ کشتی جب شاہان کی ڈاکوؤں سے اوصل ہوئی تو وہ داکو اپنی اپنی چالیں دیکھ کر میں آ کر لیٹ گیا۔ ہر سار اور عورت اور بھاسے ہوئے ڈاکوؤں کے بارے میں سوچنے لگا۔ دلوں کا ترجمہ کے گھنچان میں ایک دوسرے سے خبر کھینچ چھپے ہوئے تھے۔ اور شاہان کو ان دلوں کی تلاش کی جزیہ سے پرات مگر یہی ہوتی تھی۔

چاروں طرف موت جیسی خاموشی چھا گئی۔ جزیہ سے جنگل کے درخت کا لے سیاہ موت بن کر چپ چاپ کھڑے تھے۔ آتش نشاں پھیلنے کے پچھتے اور جزیہ چالنے کے پچھتے جنگل کی یہی بات تھی کہ آتش پھیلے سے بچو نہ ہو بلکہ لگ رہا تھا۔ سارا دن آتش نشاں بھلا کر لہانہ بن رہا تھا۔

رات آنے پر وہ بھی خاموش ہو گیا۔ ہر سار اور عورت کی بھی دودھ بچ نہائی تھی شاہان کو چاک خلیا آ یا کہ کھیں وہ ملائے کسی آگ میں جل کر ہلاک نہ ہو گئی۔ لیکن شاہان کا دل نہیں مانتا تھا اس کا دل بھلا پر بار بار کہیں گواہی دے رہا تھا کہ وہ عورت زندہ ہے اور اس جنگل میں کسی جگہ نہیں ہوئی ہے کسی سوچے سوچے شاہان کی آگ لگ کر رات گزرتی چلی گی لہوں کا شور بھی دھم ہو گیا آسمان پر ستارے خاموشی سے ٹھنڈے تھے۔ جزیہ سے پتھر چرسن کی باتوں لکس خاموشی بھائی ہوئی تھی۔ ہوا بھل بندگی درختوں پر بالکل کٹی ہوئی تھیں مل رہا تھا۔ اس صبت

ناگ سانے اور اندر سے میں ایک سایہ جنگل سے نکلا اور ساحل سمندر کی طرف بڑھنے لگا۔ اس سانے کے بال لیے لیے اور کھلے تھے۔ سایہ چٹان کے پاس آ کر کھگ گیا اس نے منہ آسمان کی طرف اٹھایا۔ پھر دلوں کا چھہ ہیں پھیلائے جیسے آسمان سے گزرنے والی کشتی کو خوش میں لینا چاہتی تھی۔

سایہ چٹان کی طرف بڑھا۔ شاہان مگر یہ نیند سو رہا تھا کہ اسے اپنے منہ پر کسی کا گرم سانس لگا رہا محسوس ہوا۔ پھر اس نے اپنے ماتھے پر کسی انسان کے کھدے کھدے کھس کھس کیا اس نے انہیں کھل دیں لیے لیے کھلے بالوں دھلا سیاہ چھٹا کھگ لگا کر اس کی کھدے چھہ ہوا۔ گویا شاہان نے بھی ٹیک کر اس کے پیچھے بھاگا۔ رات کے اندر سے میں اس نے کھلے مات پر ایک سانے کو جنگل میں جا جا دیکھا۔ اس کے لیے ہل پر رہے تھے وہ یہ ہر سار اور عورت تھی جس کی تلاش میں شاہان اس جزیہ سے میں بیٹھا تھا۔ شاہان اس کے پیچھے بھاگا مگر عورت جنگل کے گھنے درختوں میں پھیلے رات کے اندر سے میں کم ہو چکی تھی اسے نہ تھا نہ اندر تک جنگل میں اس کو ہم کو تلاش کرنا اگرچہ بے پروا تھا۔ مگر شاہان نے مت نہ ہلائی اور جنگل میں داخل ہو گیا۔

جنگل میں آگ وقت جنگل میں سے ہر سار اور عورت کی ہولناک چیخ بلند ہوئی۔ جس نے جزیہ کی کیا بیباک رات کا دور زیادہ بیباک بنا دیا۔ اس چیخ کی آواز کو سن کر بحری ڈاکو اپنی جان بچا کر بھاگتا تھا۔ کاب افواہ ایک خوف دل عری ڈاکو افواہ لہا رہے اس نے گئے کے کن دھڑا دھڑا کا خون بھاتا تھا۔ جنگل میں آگ کی رات کو ایک عورت کی ڈراؤنی چیخ سن کر اس کے بدن میں کھلی لڑا لڑا کی گھول۔ وہ جنگل کے چھ میں ایک ایک نوے درخت کی قحلی شاخوں میں چھپ کر بیٹھا تھا۔ جب آتش نشاں بھلا چھٹا تو ڈر لڑا آتو یہ وہ اس درخت کے ساتھ چننا رہا۔ لے معلوم تھا کہ کیناں اس کی جان نہیں بچوڑے گا۔ جزیہ سے میں اسے تلاش کرنے کی ہر کی کوشش کرے گا۔ اس جگہ درخت کی سب سے بلند شاخ پر چڑھ کر دور سمندر میں

کوڑے سے پہنچا تو کھلی کھلی تھا جب تک یہ جہاز سمندر میں کھلا تھا اس کی جان نہیں تھی۔

شاہان جنگل میں درختوں کے نیچے سے ہو کر چلا جا رہا تھا۔ آج اس نے فیصلہ کر لیا تھا کہ غولہ پھو بھی ہو جائے وہ اس عورت کو مرنے پر ہی رہے گا۔ اس نے رات کا کئی گز دور چلی جنگل میں ہو گا۔ حال تھا مگر شاہان بے خوف ہو کر آگے بڑھ رہا تھا آخر وہ ایک ایسی جگہ محسوس کی کہ اس کے پاس پہنچ گیا جہاں اسے لکھی آواز سنائی دی جیسے کوئی جہاز اس کے قریب سے پانی لے رہی تھی۔ شاہان آگے بڑھتے بڑھتے گھبرا گیا اس کی جھٹی جس نے کسی بات سے اسے خبردار کر دیا تھا۔ وہ بے حد ہلاک شاہان کو اس کے قریب سے گزرنے کے آگیا۔ اس نے اپنا سر شاخوں سے باہر نکال کر دیکھا۔

دلوں ایک چھٹا سا پانی کا تالاب بنا ہوا تھا۔ دور دور ہر سار اور عورت کا سایہ اس تالاب پر چھکا چلو میں پانی ڈھیل ڈھیل کر رہا تھا۔ شاہان اب اس عورت کو بھاگنے کا موقع نہیں دینا چاہتا تھا۔

اس کا تلاش اس کے سامنے چند فٹ کے فاصلے پر تھا۔ شاہان نے اپنے جسم کو کھینچا بڑا سا بچے کو کیا اور پھر ایک دم سے اچھلا اور کسی منٹ چھٹا کھلا اس پانی پر ہر سار اور عورت کے اوپر ان کا گرتے ہی اس نے اس عورت کو اپنی گرفت میں ڈوب چکا۔ لہ۔ وہ ایک نورجان اور طاقتور عورت تھی جس کے چٹان بالوں میں کی طرح بڑے ہوئے تھے اس کے سامنے جسم پر بھلائیوں کی طرح لپٹے ہوئے تھے۔ اندر سے میں اس کی آنکھوں سے درخت کی چنگاریاں نکل رہی تھیں عورت نے جب اپنے آپ کو ایک ایسی اور طاقتور انسان کی گرفت میں دیکھا تو بڑی تھلائی اس کے سطر سے وہ بھی بیباک چیخ نکلی جس نے جنگل کی فضا کو بے صدا کر دیا تھا۔

لیکن شاہان پر اس چیخ کا کوئی اثر نہ ہو سکتا تھا عورت اس کے کاہوش کی وہ سطر سے عجیب ڈراؤنی آواز نکال کر جیسے شاہان کو خوف زدہ کرنے کی بھرپور کوشش کر رہی تھی۔ لیکن بچوں سے وہ شاہان کا منہ لوج رہی تھی

مگر شاہان کے جسم پر کھلی کی خراش بھی نہیں آ رہی تھی شاہان نے اس کے دلوں کا چھہ ہر کے پاس بھلائی کی رسی بنا کر اٹھادے۔ اور پھر اس کی طرف اندر سے میں غور سے دیکھا۔ عورت کا رنگ سا نولا پڑ گیا تھا لیکن معلوم ہوتا تھا کہ کسی گھبرا ہوا چہرے پر وحشت برقی تھی۔ اور وہ زندگی اور موت کی طرح شاہان پر غور رہی تھی۔

جب اس عورت کی بڑبڑ کا نام ہوئی تو اس نے سر جھکا دیا شاہان نے اس سے کہا۔ تم کو کون ہوں اور یہاں کیسے آ گئی۔ عورت نے بہت سہی ہوئی دھبی سی آواز میں کہا۔ میں بھلا ہوا رہنے والی ہو میرا نام عمارہ ہے۔

شاہان نے کہا۔ میرا نام شاہان ہے میں مصر کا رہنے والا ہوں۔ اپنی بات کا جواب سن کر اس عورت کے چہرے پر خوشی کی ایک لہر کی اور دھبی وہاں مسکرائی اور اندر سے میں اس کے سفید انت موتیوں کی طرح چمک رہے تھے۔

عمارہ کا شہر ہے کہ تم میرے عرب بھائی لکے۔ میں کسی غیر آدمی کو اپنے دل کا حال نہیں بتا سکتی تھی میں تمہیں ڈرا کر یہاں سے بھاگا دینا چاہتی تھی کہ میں خود بخود دلوں میں کین گئے تھے مجھ پر تالاب پال ایک بہادر بھائی ہوئے تھیں کین گئے۔

شاہان نے کہا۔ پہلے تم بتاؤ کہ تم بھلاؤ سے اس املا اور عورت کی جزیہ سے بچنے لگی۔ عمارہ نے خطرات اس کے چٹانوں میں کین گئے۔ شاہان نے میں جس اپنے جھوپڑی میں جل کر سناؤں گی۔ شاہان نے اپنی جینٹ اتار کر مگر کوئی تاکہ وہ کہیں نے عمارہ نے جینٹ کھلی۔ لیکن اور شاہان کو سمجھا کہ کین جھوپڑی کی طرف آگ اس کی ہر سار اور عورت کی جھوپڑی جزیہ سے مشرقی کنارہ سے کھٹے درختوں کے اوپر سی ہوئی تھی یہ ایک چھٹا سا کرا تھا۔ جو درختوں کی مضبوط شاخوں سے بٹایا گیا تھا اور بچ جانے کے لئے ایک ہی انگ رہی عمارہ نے شاہان سے کہا۔ کیا تم اس ری کو کھلا کر پھلے جاؤ گے۔

شاہان نے کہا کہ میرے لئے کئی بات نہیں ہے۔
پراسرار موت علامہ بڑی تیزی سے ہاتھ مارنا
کی طرح ہی کو چکر لے کر دست چڑھائی۔
جمہوریت کے دوا سے ہو کر اسی نے
نچھوڑ کھا شاہان بھی اسی تیزی سے چڑھا کر ہاتھ۔
"کیا تم پہلے بھی جھگڑا میں رہے ہو۔"

علامہ بولی۔
"یہ بھی ایک بے کلمی ہے۔ تم نہ کر کیا کروں
گی۔" شاہان بولا۔
"پہلے یہ بات کہ جب آتش فشاں پہاڑ پہاڑ تو تم
کہیں نہیں۔"
علامہ نے کہا۔ "میں ڈری اور بھی ہوئی اسی اپنی
جمہوریت میں چھپی رہی۔
شاہان نے پوچھا۔ "کیا تمہیں اس جزیرے میں
ڈرنے لگا تھا۔"

علامہ نے جمہوریت میں دباؤ ڈال کر کہا۔ اس کی
روٹی بڑی دھنکی اس دھنکی میں شاہان نے دیکھا
کہ علامہ کا چہرہ دھنکی ہونے کے باوجود بڑا جمولا ہاتھ تھا۔
اس کی عمر زیادہ سے زیادہ اٹھارہ سال ہوئی۔

علامہ نے کہا۔ "میں اس جھگڑا میں سات برس
سے دور رہی ہوں۔ جھگڑا میں کسی کی ہونے کی خبر اب
جو کہ فائدہ کا شہر باور تھا وہاں ہمارے سارے گھروں کو لے
کر ایک آبادی تھا جس میں انڈس کی طرف روانہ ہوا جہاں
ہماری ایک خلیہ رہی جو جہاز اس دور سندھ میں سفر کرتا رہا
میں بڑی خوشی تھی۔ پھر جہاز کے ایک بہت چست بھرتی
رات ایک دن شام ہو چکی تھی سندھ میں اندھیرا پھیلنا ہوا تھا
میں نے اسی اندھیرا کو اپنے سین میں چھوڑ کر کچے سے
سیر کرنے لگا۔ اچانک اسی اندھیرا میں تیز ہوا میں چل
رہی تھی۔ ایک بے پروائی تھی نہ تھا۔ میری سرور بھی کافی تھی
میری بدقسمتی کہ میں جہاز کے گڑھی کے چٹنے کے پاس آ کر
سندھ کا نظارہ کرنے لگی آسمان پر تارے نکل آئے تھے ہوا
میں سے سے کپڑے پڑ پڑا رہے تھے پھر میرے کچھ ترنچ
کہ کہا کہ ایک جمونے نے مجھے اٹھا کر سندھ میں پھینک

دیا جہاز میں کی کوئی نہ ہو سکی کہ مجھے سندھ میں گرے
نہیں دیکھا تھا میں نے پانی میں گرے ہی چڑنا شروع کر دیا
شور مچا کر تیز ہوا میں ابھری لہروں نے مجھے جہاز سے
بہت دور کر دیا۔ میں سندھ کے پہلے پانی میں تھکے ہوئے تھا
اور میں سے ہوش ہو گیا اور جب مجھے ہوش آیا تو میں ایک
بہت بڑی پتلی کے لوہے کی پتلی میں بیٹھا تھا اور پتلی میں
میں تیرتی پتلی چل رہی تھی جو سندھ میں گرے ہوئے
لوگوں کا کٹر بھائی ہے اور پتلی کے لوہے پر بیٹھا کسی نہ کسی
ساحل پر پہنچا رہی ہے۔ ڈالٹن مجھے لے کر سندھ میں
تیرتی رہی۔ رات گزرتی دن نکل آیا ڈالٹن مجھے کو سندھ
کے ساحل سے اتار کر اپنے قہار میں نے مجھے دھبہ کے دقت
اس جزیرے پر لاکر پھینک دیا ڈالٹن مجھے لے کر تھکے خری
باد کھینچا اور پھر سندھ میں اتر کر تیرتی ہوئی میری غور
میں غائب ہو گئی میں اس جزیرے پر چلیکا غور میں بڑی
تھکے تھکے اپنے پاس بپ سے چھڑے نہ بہت ہی غم تھا
اور یہ بھی ایک صدمہ تھا کہ وہ مجھے اپنی طرف سے رہی
چھینے ہوں گے۔ مجھے سخت ہموک اور چپاں رک گئی تھی
آفرنگ بک رہی کہ لوں جھگڑا میں ڈرتے ڈرتے داخل
ہو گئی اور اس کا کہنے کو کچھ چل کر اس نے لگی ایک جگہ کھینچ
پانی کا تلاب نکلا۔ اس نے پانی پاتو اس میں جان
چاں آگئی۔ پھر ایک درخت کا پھل توڑ کر کھا۔ اس دور
سے اور آدھ کا دن میں سات برس سے اس جزیرے میں
رہی ہوں۔"

"اس دور میں میں نے سوائے تمہارے کسی
انسان کی شکل میں دیکھی تھی مجھے پہلے روز ہی نظر آئے تھے
کیونکہ میں غور میں دو کھل میں پراگندگی میں تھی میں نے وہاں
ڈاکو جھگڑا کرنے کی کوشش کی لیکن تم نے مجھ سے کہا
مجھے اس جزیرے پر ہی ایک چٹا اور ہمارا رہا رہا تھا۔
میں یہ یہ میری داستان تم۔" اب تمہارا کہتم اس جزیرے
پر کس طرح پہنچے۔

علامہ کی کہانی بڑی درک تھی اس کے ہاں پہاڑ
بندوں میں اس کی موت کا نام بھی کر کے ہوں کہ شاہان
نے سوچا کہ اس نے اچھا کیا کس امداد کی تلاش ہو چکی۔

دیکھا وہاں کسی نہ کسی طرح اس جزیرے سے نکال کر
اس کے پاس بپ کے پاس ضرور پہنچا۔ گا۔ اپنی کہانی
کہ بارے میں شاہان نے علامہ کو بتایا کہ وہ مصر سے
صرف ایک جہاز میں مسرہ ہاتھ کا جہاز غرق ہو گیا اور وہ
ایک تختے پر بیٹھ کر یہاں تک پہنچا۔
شاہان نے رات کا پانی حصر درخت کے لوہے
برس کر کھاندا تھا کہ شاہان نے نہ ہاتھ دیا۔ علامہ کو بڑی
ڈاکو کے کہ جہاز کے بارے میں بتایا جو ساحل سے سندھ
میں دور کھڑا تھا۔

علامہ نے کہا۔ "وہاں کوئی آواز میں نے بھی سنی
تھی اور میرا یقین ہے کہ بڑی ڈاکو کے کہ پستان اس
مطرور ڈاکو کی تلاش میں ہے۔"
علامہ نے کہا۔ "کہ کیا اس کی تلاش اتنی ہی ضروری
تھی کہ پستان کے پہلے بڑے ڈاکو میں ہے۔"
شاہان نے کہا۔ "کہ یہ بات علامہ لئے بڑی
قانع ہے کہ یہ ہم کی طرح اس جہاز میں بیٹھ کر اس
جزیرے سے نجات حاصل کر سکتے ہیں۔"

علامہ بولی۔ "کہ تم ہم کو بھول گئے ہو کہ شاہان
بھائی کہ یہ ایک خونی بکری ڈاکو کا جہاز ہے اور وہاں
لڑنے میں بھی کافی لاف زور کر رہے۔"
شاہان کے منہ سے نکل گیا۔ "وہ مجھے نہیں مار سکتے
سوت میرے۔۔۔۔۔۔ پھر وہ اچانک رک گیا اور بات بدل
کر کہنے لگا۔

"میرا مطلب ہے کہ میں ان ڈاکو کے جہاز کی
ایک کشتی چلانے کی کوشش کروں گا پھر میں اس کشتی میں بیٹھ
کر یہاں سے نکل جائیں گے۔"
علامہ کہنے لگی۔ "ترکیب ابھی ہے لیکن اس پر عمل
بڑا ہی مشکل ہے۔ یا ڈاکو کے بڑے کاروبار سے ہم ہوتے
ہیں۔ ان کی کشتی چارنا سب کے منہ سے نکال چلانے دلی
بات ہے۔"

شاہان نے مسکرا کر کہا۔ "میری بہن یہ کیا تم مجھ
پر چھوڑ دو۔ وہاں سے کہ میں کہ تم مجھے ان ڈاکو کے
کے جہاز پر ہی قید کر کے تمہارے پاس آؤ۔"

علامہ زور سے ہنس پڑی۔ "تم مذاق بھی خوب
کرتے ہو شاہان بھائی میری وقت ان باتوں کا نہیں ہے
میں جلد کی ترکیب سوچتی چاہئے کیونکہ کہ یہ ڈاکو جہاز
لے کر یہاں سے چلے تو پھر شاہان برسوں اس طرف کی
جہاز کا گزرتا نہ ہوگا۔ اور میرے ساتھ نہیں بھی جاتی عمر اس
جزیرے پر بسر کر رہی ہوگی۔"

شاہان نے کہا۔ "جب تک وہ مطرور ڈاکو اس
جزیرے میں پہنچا ہوا ہے یہ لوگ جہاز لے کر یہاں سے
نہیں جائیں گے۔"

علامہ نے پوچھا۔ "کہ آخر یہ پستان اس مطرور
قیدی کے پیچھے کیوں پڑے ہیں۔"

شاہان نے کچھ سوچ کر کہا۔ "میرا خیال ہے کہ
پستان نے اس جزیرے پر ضرور کسی نہ کسی ایک خاندان
کیا ہوا ہے اور یہ مطرور ڈاکو اس کے ایک جگہ جاتا ہے پستان
نے روز ڈاکو کے ہاتھ لگا دیئے ہیں اور یہ ہمارا نکلا ہوا۔"
علامہ نے کہا۔ "اس کا مطلب یہ ہوا کہ پستان کے
جور دھماکے سنائی دیتے تھے وہ ان ڈاکو کے پر کے مجھے
تھے۔"

"ہاتھ لپکایا ہوا ہمارا۔" شاہان بولا۔
علامہ نے پوچھا۔ "تو پھر میں اب کیا
کرنا چاہئے۔"

شاہان نے پوچھا۔ "تم اس جمہوریت میں مجھے
رو۔ میں کشتی چلانے کی کوشش کرتا ہوں اور اگر میں
کامیاب ہو گیا تو کشتی کو کشتی ساحل پر چٹان کے پیچھے
چھپا کر رکھیں یہاں سے اپنے ساتھ لے جاؤں گا اور وہ
چوڑا کو اس جھگڑا میں چھپا ہوا ہے اس کا کیا ہے اس کی تم
گھر نہ کرو وہاں کی جمہوریت کے پاس نہ آئے گا وہ جہاں
چھپا ہوا ہے وہاں سے ہاتھ نہیں لگاؤ۔"

شاہان نے علامہ کو بڑی درخت کے لوہے
شاہان میں نہیں ہوئی جمہوریت میں چھپا اور خود جھگڑا
سے نکل کر ساحل سندھ کی طرف آ گیا۔ دن نکل آیا تھا
آسمان صاف تھا سب میں جزیرے کا ساحل چمک رہا تھا
دور سندھ میں بکری ڈاکو کی کشتی مطرور ڈاکو کو گزرتا

کرتے بلکہ ہلاک کرنے سے اس کی طرف راہی تھی۔
شاہین نے سوچ لیا کہ جو بھی وہ یہ سب کچھ چھوڑ کر
جنگل میں داخل ہوں گا وہی لڑا کر لے جائے گا۔
شاہین زانگا کی طرف سے ایک درخت کے پیچھے چھپ
کر کھڑا ہو گیا اور اگوں کی کشتی کو کھال کے قریب آئے
دیکھ لگا۔

حقیقی کوہڑا اچلا رہے تھے وہاں میں غری
پکٹان اچھ میں بہتوں نے کھڑا تھا کشتی اس کی پہنچ
کر رہ گئی۔
ڈاکو چلا گئے کہ کشتی سے باہر نکل آئے اور کشتی
کو انہوں نے چٹان کے پیچھے دھت پر چھپا دیا اور خود اپنے
پکٹان کے پیچھے چھپے چلے جنگل میں داخل ہو گئے۔
شاہین کے لئے یہ بڑا سہری موقع تھا جو بھی ڈاکو
اس کی نظروں سے گزرے ہوئے وہ درخت کی اوٹ سے
نکل کر آگیا۔ کشتی چٹان کی دھری کی جانب دھت پر کھڑی
تھی یہ ایک چھوٹی سی کشتی تھی جسے کئی کے بجائے ڈوکی کہا
لدا وہ بڑھ ہو گا۔

کشتی میں بڑی مشکل سے زیادہ آدمی بیٹھ سکتے
تھے وہ چھ کشتی کے اندر کھڑے بیٹھے تھے شاہین کوئی کچھ بڑے
آرام سے بیٹھ کر سمندر میں لے آیا۔ لہروں پر تاتے ہی
شاہین کشتی میں بیٹھ گیا اور اس نے نیچے چلا کر اسے تھیرے
کے شریں سے اس کی طرف منہ کر دیا۔
بڑی ڈاکوؤں کا سردار دھری پکٹان جنگل میں داخل
ہوئے ہی ایک ہولناکی نظر آ کر شاہین جنگل دھماکے سے کونے لگا
بیٹھا اس نے اس لئے کیا تھا کہ ہمارا ڈاکو اس فاکس سے
گھبرا کر اپنی وہ جگہ چھوڑ دے جہاں وہ چھپ کر بیٹھا ہوا
تھے تاکہ پکٹان کی یہ تربیک کامیاب رہی۔ اور وہ ہمارا ہوا
ڈاکو جنگل کے اندر جس درخت پر چھپ کر بیٹھا ہوا تھا
پڑتوں کے پھرے اٹھانے سے اس درخت کے پھل سے پڑتوں کی
کھرا کر انہیں کاٹنے ہوئے نکل گئے تھے وہ سمجھا کہ سردار
نے اس کا فائدہ کیا ہے۔

وہ جگہ درخت سے پیچھے اتار آیا۔ اور جدھر کوند
اٹھا دھری کو ہمارا شریں گر دیا۔

عبارہ اپنے درخت والے مکان کے نیچے
اتر کر تالاب کے پاس کھڑی اپنے بچکے ہوئے ہاتھ کو کچھ
رہی تھی کہ ایک اس نے جنگل میں کسی کے دوڑنے کی
آواز سن لی وہ اچھل کر ایک طرف لپٹ گئی۔ اسے میں
مفرور ڈاکو اس کے سر پہنچ چکا تھا اس نے اپنا تجربہ لکھل
کر مار دیا کھراں پر کھڑا ہوا۔

”بھئی! یہ جو بھڑی میں چھپاؤں تم جنگل حورت
جھولتی کر دیکھتے تو میں نہیں ہوتی کئی کر دوں گا۔“ وہ بھگتی
کہ یہ وہی مفرور ڈاکو ہے جس کے بارے میں شاہین نے
اسے بتایا تھا۔

عبارہ نے کہا۔ ”میرے پیچھے آؤ یہ بھڑی
گردن سے ہٹاؤ میں ہمارا کر دیکھیں نہیں جاؤں گی۔
“ڈاکو نے بھڑی عبارت کی گردن سے ہٹا کر اس کی کر کے
ساتھ لگا۔

”میں تم پر ہر سہ نہیں کر سکتا۔“ عبارت نے
کہ جو بھڑی میں آگئی۔ ڈاکو نے اوپر چڑھنے کے بعد دوسرے
لوہر چھ لگا۔ یہ دیکھ کر اسے تسلی ہوئی کہ جنگلی حورت کی
جو بھڑی درختوں میں بڑے عمل میں بیٹھے تھے وہ بھی ہوئی
تھی اور درخت کی شاخوں کا ایک حصہ کٹی گئی ڈاکو عبارت کے
ساتھ بھڑی کو لے بیٹھا کوئی چیز چہرہ ہاتھ اور ہار ہار ہو کر
رہا تھا اس کی آنکھوں میں بڑی خون خورگی دکھائی دی۔
عبارہ نے کہا۔ میں جانتی ہو کہ تم اپنے جہاز سے
ہمارے ہوئے اور تمہارا پکٹان تہاڑی تلاش میں ہے۔
میں ایک ڈاکو لڑا لکھ کر کہیں چلا رہی ہوں۔“ ڈاکو نے اٹھ
کر پہلی طاقت سے عبارت کے منہ پر چھوڑ دیا۔

عبارہ ات کر فز پر گر پڑی اور اس کے منہ سے
خون بہنے لگا ڈاکو نے اسے کھرا جا۔

”تہاڑی ایک آواز نکالتے سے پہلے میرا بھڑی
تہاڑے پہنٹ میں ہو گا۔“ بھڑی نے عبارت کے منہ میں ہاتھ
دھلی ہوئی کھرا سے اٹھ دیا۔ اور جو بھڑی کے کونے میں
لاں زیادہ جو بھڑی کی دھاری کی شاخوں میں سے تنگیں میں
دیکھنے کہ جنگل سناں تھا کوئی آواز نہ تھی کئی کئی انسان
کے پاؤں کی چاپ تک سناں نہیں دیتی تھی ڈاکو بڑا خوش

ہوا کہ اسے جنگل میں چھپنے کے لئے بڑی اچھی جگہ مل گئی
اس کو خیال آیا کہ یہ حورت اس کی موت کا باعث بن سکتی
ہے وہ کسی وقت بھی شوہر یا کر سردار کو ہار دے دوسرے
ڈاکوؤں کو اپنی طرف بلا سکتی ہے لیکن اس نے حورت کا کام
ختم کر دیا چاہئے یہ پہلے خود ڈاکو بڑا چھپاؤں کی حورت
کو کھل کر اس کے لئے کوئی مشکل کام نہ تھا اس نے بچٹ
کر عبارت کی طرف دیکھا عبارت نے کئی ڈاکو کی آنکھوں میں
خون تر اور ہلو کو لیا تھا عبارت کے جسم کا خون خورگی سے
کیا تھا وہ ربا نہیں جانتی تھی اس کے اپنے ہاتھ سے
جا کر لٹا تھا اور انہیں دھیر ساری خوشی دیتی تھی کہ ڈاکو نے
بھڑی اسے سیدھے جھٹک دیا تھا اور ہستہ ہستہ اس کی
طرف بڑھ تھا۔

عبارہ کے منہ میں روٹی خورنا ہوا تھا وہ چچ بھی
نہیں سکتی تھی ڈاکو اب ہولے ہولے بڑے کر دھڑک رہے تھے
سے سر دھات۔ ”کوئی اور ڈیکھو ہمارے ہاتھ پر بڑھتے ہیں کس
ایک ہل میں ساری کھائی ختم ہو جائے گی۔“

”میںیں ہلکا سا ایک بچکے کا کھرا کھی دیا میں
بچھ جاؤ گی۔“ عبارت کہنا چاہتی تھی کہ وہ اس کے لئے کر کے
”میں کسی سے کوئی بات نہ کرں گی۔ تم سے شک نہ کری
جو بھڑی میں ساری زندگی رہو میں یہاں سے چلی جاؤں
گی۔“ کھرا کہتے نہ کھی۔

زبان سے ایک لفظ بھی نہ نکال کھی تھی ڈاکو اس
کے ہاتھ قریب آ کر کھرا گیا پھر اس نے بھڑی دھات اور
اٹھا اور عبارت کی گردن پر دھار کرنے ہی دھات کا کھرا کے
شاہین نے آواز دی عبارت عبارت کی تہ پر ہو کر ڈاکو کا چھ
وہاں تک گیا اس کی غولی آٹھیں سر سے آواز آئی کھی
اور کھوکھ کی اس نے آہستہ سے پوچھا کون ہے۔

”تہاڑی ایک آواز نکالتے سے پہلے میرا بھڑی
دیتی ڈاکو نے اس کے جواب کا کوئی اٹھا نہ کیا اور عبارت
سر نیچے چھپک دیا اور جو بھڑی کی دھار کے ساتھ کھ
کر کھڑا ہو گیا۔

شاہین نے اوپر سے سر رگڑ دیکھا تو بڑا حیران ہوا
کہ عبارت کہاں سے بھڑی لایا یا شاید وہاں سے بھڑی لائے

کر دے یہاں حورت سے پیچھے چھپ گئی یہ وہاں سے کسی
معدے سے بڑھنے لگا جو بھی وہ جو بھڑی کے دو دھارے میں
داخل ہوا پیچھے سے ڈاکو نے بھڑی کی ٹوک اس کی گردن پر دھک
دلی اور کہا۔

”خبردار اس جگہ کھڑے رہو۔ ڈاکو نے تو یہ بھڑی
تہاڑے آ رہا کر دھوں گا۔“

اب شاہین نے جو بھڑی کی دھار کے ساتھ
رہیں۔ بھڑی کے گرد کھڑا دیکھا۔ وہ بھڑی کا بھارے ہوئے
ڈاکو نے جو بھڑی پر قبضہ کر لیا ہے اور اس کے پیچھے بھڑی
لے دی ڈاکو کھرا ہے شاہین کا بھارہ بھڑی کا کھرا تھا یہ
ڈاکو کی موت سے ادھیں لے آئی تھی۔

لیکن شاہین نے ڈاکو پر اپنی خفیہ طاقت خاں کر دئی
تھی اور دونوں ہاتھ اور عبارت کے

ڈاکو نے پہلے ہی سے وہی تیار کر رکھی تھی جوت
شاہین کے پیچھے سے اٹھ دینے اور بھڑی سے دھکا
دے کر عبارت کے پاس کر دیا۔

شاہین نے کوئی متاثرہ نہ کیا لٹاک کر عبارت کے
پاس جا کر۔

عبارہ کو کھی پہلے تک یہ نہیں ہوا تھا کہ شاہین کے
اعتراف خفیہ طاقتیں سے ڈاکو اب ان دونوں کے سامنے
جو بھڑی کے فرشتے پر آگئیں پھیلا کر بھڑی میں لئے کھڑا
ہو گیا اور شاہین کی طرف دیکھتے ہیستے ہوئے بولا۔

”تم دونوں کی اہل جان ہرے دم و دم پر ہے
اس جگہ تم ہرے ساتھ نہیں دھکتے۔“

”شاہین نے کہا میں جاتا ہوں تم بھڑی جہاز سے
ہمارے ہوئے ڈاکو اور تہاڑا پکٹان تہاڑی تلاش میں ہے
۔“ ڈاکو نے ٹپک میں آ کر کہا۔

”خبردار تم نے آواز نکال کر پکٹان کو بلا نے کی
کوشش کی تو یہ خبر میرے ہاتھ سے آگئی کہ سیدھا تہاڑی
گردن میں اترا جائے گا اور بھڑی کشتی کھائی ہو گا۔“

شاہین نے جوت موت اس کی نہیں کرتے
ہوئے کہا۔ ”میرے بھائی تم جیسا کہیں گے تم ویسا ہی
کرے گے ہم منہ سے ایک لفظ بھی نہ نکالیں گے لیکن

میری بہن کے منہ سے کڑا کھل دو۔“ نہ جانے ڈاکو کے دل میں کیا آئی کہ اس نے عمارہ کے منہ میں دیا اور دھال باہر نکال دیا۔

عمارہ نے یہ عداقت کی کہ ملحق سے وہی پراسرار چیخ کی آواز نکلتی۔

ابھی آدھی چیخ ہی بلند ہوئی تھی کہ ڈاکو اس پلٹو میں عمارہ کی گردن میں زبردستی کاٹا لہو خنجر سے اسے قتل کرنے کی ناکھ کا کر شاہان نے ایک جھٹکے سے اپنے ہاتھ کی رسی توڑ دی اور ڈاکو کے سینے پر ایک بات لاری۔ ڈاکو صریح طرف جا کر لڑنے لگا۔ عمارہ نے اس کے کمر پر چھلانگ لگائی تو چالاک ڈاکو ایک دم پیچے سے نکلا اور پھر لڑ کر شاہان کے سینے میں گھونپ دیا اور وہ پشیمان ہو گیا کیونکہ اسے ایسا لگے جیسے اس نے کسی پتھر کی سیل پھرنے پر ہلکا ہوا پتھر جس کے ہاتھ سے ٹوٹ کر پڑا ہو گیا۔ پتھر کو زخمی شاہان کو لگنے لگا۔

ڈاکو نے جھٹ سے اپنے ہاتھ والے ٹوٹے ہوئے خنجر سے شاہان کا نشانہ بنا لیا اور اسے زور سے اچھال دیا۔ خنجر شاہان کی گردن سے گرا کر زور چا کر مارا۔ شاہان نے دو ڈاکو گردن سے پکڑا اور ایک ہاتھ سے مردہ چہرے کی طرح اوڑھ لیا۔ ڈاکو اٹھا ہوا سارا زخمی اور مرنے لگا۔ لیکن شاہان کے ہاتھ میں وہ چہرے کی طرح نکلا ہوا تھا۔

عمارہ جیسے ہو کر شاہان کی کندہ رسی کی کہ اس کے بازو میں اس قدر طاقت کہیں سے آگئی ڈاکو خوف زدہ سا ہو گیا تھا۔ اسے طاقتور سے طاقتور آدمی نے بھی اس طرح ایک ہاتھ میں نشانہ لیا تھا۔

شاہان نے ڈاکو کو زخمی پر کھڑا کر دیا اور پھر اس کی آنکھوں میں آگھیں ڈال کر کہا۔ ”تم نے میری بہن کو کھانا کھینچ کر مارا تھا کیونکہ میں اس کے ہونٹوں پر بھابھا خون دھونڈ گیا ہے۔ جس میں سب برابر کرنا ہوگا۔“ یہ کہہ کر شاہان نے دو ڈاکو کے گال پر ایک ہلکا سا پیٹھ سے دھراں پھینچ دیں اتنی طاقت تھی کہ ڈاکو زخمی پر زور جا کر اور اس کا ایک دانت ٹوٹ گیا اور منہ سے خون جاری ہو گیا۔ شاہان نے اسے گردن سے پکڑ کر اٹھا دیا اور کہا۔

”میں تمہیں ہلاک بھی کر سکتا تھا تم نے میری طاقت کا اندازہ نہ کیا ہوگا کہ میں میری سالوں کی ٹھیک ٹھیک جودا دیتے ہوئے صرف تمہیں اپنے پاس رکھوں گا بلکہ تمہارے خوفی کشتیاں سے بھی تمہاری جان بچا لوں گا۔ بول گیا کہتے ہو۔“

ڈاکو شاہان سے خوف کا کیا تھا ہی نرم آدمی نہ تھا میں اپنے ہونٹوں سے بہتا ہوا خون پونچھ کر لے لیا۔ ”تم مجھ سے کیا پوچھنا چاہتے ہو۔“ شاہان نے عمارہ کے ڈاکو سے اس کی رسیاں کھول دی۔

شاہان نے پوچھا۔ ”پہلے یہ بتاؤ کہ کشتیاں جہیں کس لئے ہلاک کرنا چاہتا ہے۔“

”شاہان اس لئے کہ میں نے اپنے ایک ساتھی کو قتل کیا تھا۔“

عمارہ نے کہا۔ ”تم اصل بات چھپا رہے ہو۔“

شاہان نے کوک بکھینچ کر کہا۔ ”مگر تم نے سچ بات نہیں بتائی تو میں ابھی تمہاری گردن انڈوں گا۔“ شاہان ڈاکو کی طرف بڑھا تو اس نے جھٹ کہا۔

”مظہر۔۔۔۔۔ میں ابھی بتا ہوں لیکن ایک شرط پڑے۔“

”کون سی شرط؟“ عمارہ نے پوچھا۔

”ہم اسے برابر قتل کر دیں گے۔“ شاہان نے اس کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر کہا۔

”کیوں نہیں ہم برابر میری صحر کی دیں گے۔“

”اچھا اب یہ بتاؤ کہ یہ جریرہ کس سندھ میں ہے اور یہاں سے قریب ملک کون سا ہے۔“

ڈاکو بولا۔ ”یہ جریرہ مگر کراچی سے ہے اور کراچی انوں کے عظیم پورٹ ہے۔ یہاں سے قریب ملک افریقہ ہے۔“

”وہ یہ باتیں کئی دہے تھے کہ بھل گئے ہیں بہت قریب سے نکل رہا ہوں۔“

ڈاکو ایک دم دوجوہ کے ساتھ گھبرا گیا۔ ”کشتیاں کتنی گھبرا۔“

ڈاکو نے کہا۔ ”گھبرا نہیں اس کشتیاں کی لاش اسی بھل گئے ہیں کہ گردن کا ٹوٹنے کی تم کوگ سنا تھا۔“

یہاں پھیندے ہوئے میں چاہتا ہوں۔ ”عمارہ نے چلا کر کہا۔

”میں شاہان تم اپنی جان خطرے میں نہیں ڈالو گے۔“ شاہان سر کیا۔

”کاش میری جان بھی خطرے میں نہ پڑتی۔ اب تو یہ صحت یابی ہو رہی ہے دل میں۔“ اتنا کہہ کر شاہان نے رسی پکڑ کر اپنا بازو کیا۔

اس کے پیچھے اترتے اترتے کشتیاں اپنے دونوں ڈاکوؤں کے ساتھ اس کے سر پہنچ گیا تھا۔ دونوں ڈاکوؤں نے ہما کر کشتیاں کولہے۔ دونوں بازو میں پکڑ کر کشتیاں کی آواز میں بھاڑتے ہوئے کہے۔

”ہمارا ڈاکو ساسی کہاں ہے۔۔۔۔۔ یوں تو نہیں تو میں گولی چلا کر تمہاری گھونپ کی پانی پانی کر دوں گا۔“

شاہان نے بڑے اطمینان سے اس کے سر پر ہاتھ رکھ کر کہا۔ ”مگر تم یہ چاہتے ہو کہ میں تمہارے جہاز پر قبضہ کر لوں گا اور کوئی بھی۔۔۔۔۔ لیکن اگر تم نے اپنی جان ہمارے جہاز پر بچا ہے تو یہ بتاؤ کہ تم نے کونوں سے لڑنا ہوا تھا۔ میں تمہارا کہہ رہا ہے۔“

”فصے سے کشتیاں کا منڈال رہا ہو گیا۔ اس کے ہونٹوں

سے ہما لگنے لگا اس جسم کی بات اس نے بھی کی تھی۔ یہ اس کی بہت بڑی بے وفائی ہے اس نے آؤ دیکھنا تازہ پتھول کا کھوڑا بولیا اور ہمارے سب کچھ دھجی پتھول کے دھماکے کے ساتھ ہی اس کی چیخ بلند ہوئی اس کو پھینکنا تھا کہ شاہان سر کیا ہے۔ گردن ایک اور سی رانہ دیکھنے لگا اس ڈارے سے خوفی کشتیاں دونوں ڈاکوؤں اور عمارہ کو کسی اس قدر حیرت میں گم کر دیا کہ اس کی آنکھیں پھٹی گئیں۔ وہی کئی کئی کشتیاں نے سر سے پتھول کی پھرنی گولیاں کھانے کے بعد اپنی جگہ پر کھڑا کر دیا تھا۔

”اتنی کشتیاں اب تم نے وہ شکاری آنکھوں سے دیکھی ہے جو میں نہیں دیکھا تھا۔“ کشتیاں نے جھٹ کھول کر شاہان کے پیٹ پر پھرنی طاقت سے دیکھا ہے۔ دوسرا ملتا تھا جس کے نتیجے میں وہ سارے کے سارے فوراً زہر سے حیرت زدہ ہو گئے کھول کر شاہان کے پیٹ پر گولیوں کی آواز پھرنے لگی۔ کھول کر شاہان کو دنگے ہو گئے۔ شاہان نے زور سے ہاتھ دھو کر لگا کر لڑا ہوا حصہ اس کے ہاتھ سے چھوٹ کر دوڑا گیا۔ شاہان نے کشتیاں کو کچھ نہ کچھ نہ کیا لیکن اس کے سامنے ڈاکوؤں کی گردنیں پکڑ کر انہیں اس میں لایا۔ زہر سے سر کیا لیکن یہ کھول کر پھرنی کئی اور کشتیاں کے پیچھے پڑ کر کھڑے ہو گئے۔

ڈاکو بچاں لاشوں کی طرح زمین پر گرے ہوئے تھے۔

شاہان بے عمل کھڑا رہا۔ اس کی کشتیاں نے کشتیاں سے بلند آواز میں کہا۔ ”کیا اب بھی تم زندہ رہنا چاہتے ہو۔“ کشتیاں نے بڑی مکاری سے کام لیتے ہوئے کہا۔

”تم جیت گئے اے تو جان۔۔۔۔۔ ضرور تمہارے پاس افریقہ کا کالا جادو ہے میں تمہارے آگے اٹھتا ہوں اس لیے تم میرے خزانے پر قبضہ کر سکتے ہو آؤ میرے ساتھ میں تمہیں بتا ہوں کہ میں نے خزانہ کس جگہ ڈھن کیا ہے۔“

پہلے دلا ڈاکو بھی نیچے آ گیا تھا۔ عمارہ بھی نیچے اتر آئی یہ سب لوگ جھل میں اسی جگہ منہ ہو گئے جہاں خزانہ ڈھن تھا خوفی کشتیاں کھانے والی نظروں سے گھبراہٹ میں جھل میں اس کی آواز زور سے گونجنے کے بعد جھونپ

بیوہ

اپنی زوجہ سے کہا اک مولوی نے نیک بخت
تیری تبت پر تھیں تحریر کس مہم کی
اہلہ بولی عبارت سب سے بہتر ہے مکی
دفن ہے یہ وہاں مولوی مرحوم کی
(الطاف لا کراچی)

تہمدی بہن ہے؟" بیٹی نے کمرے کا چاند لیتے ہوئے
دوایں تھا۔
"ہاں وہ میری بہت بقیہ بہن ہے۔" بیڑ نے
جواب دیا۔
"بہن جی وہاں میں اس کے لئے معذرت
چاہتا ہوں۔"

"کوئی بات نہیں۔" بیٹی بولی۔
"میں چاہتا ہوں کہ تم میری بیٹی کو
کھانے کو لے کر جاؤ۔" بیڑ نے کہا کہ اس کے لئے کھانا
لیئے چلا گیا۔

رات کے وقت بیڑ کے سب سے بہتر ساتھی
رہا۔ بیڑ نے سون کے کتبے کتبے میں پایا۔ بیڑ نے پوچھا
کہ بیٹی کو کبھی لانا چاہئے۔ اس نے فون کے بیٹی کو کبھی
پایا۔ اور پھر دلوں ساتھ میں مل کر کتبے بیٹھے۔

بیڑ اپنے دوستوں سے ملنے لگا جبکہ بیٹی ایک
طرف بیٹھی رہی اور ہر سب میز پر بیٹھ کر بیٹھ گئے۔
بیڑ نے بھی بیٹی کو ساتھ لے کر لڑاؤں کرنے لگا رہا۔
سمیت سارے لوگ اس کا مذاق اڑانے لگے۔ بیڑ کو بہت
غصہ آیا کہ یہ سب لوگ اس کی بات پر ہنس رہے ہیں۔

"تم تمہیں بیٹھو میں ابھی آیا۔" بیڑ بیٹی کو بیٹھا کر
رہا کہ اس چلا آیا۔
"تم لوگ اس کیوں رہے ہو؟" اس نے فٹے
سے پوچھا۔

پورا فٹے نے تہمدی لگا کر کہا۔ ہم کیوں نہیں رہے

اور وہاں کمرے کے اندر آ گیا۔ وہ جہاں تھا کہ
آخر میں کہاں پہنچی اسے پورا میں تھا کہ اس نے بیٹی
کو دیکھا تھا۔ بہر حال وہ اس خیل کو جھک کر کپڑے
تہمدی کرنے کی کوشش سے لپٹ گیا۔
اگلے روز بیڑ اسکول سے گھر لے کر اس خیل سے
کہ شاید آج پھر بیٹی سے ملاقات ہو جائے وہ فورا
دیکھنا کہ کچھ ایسا کارنگا کرنے کے بعد وہاں کمرے میں
جانے لگا کہ خیل کا سامنے سے بیٹی کی بیٹی کی بیٹی
آئی اس سے بیٹی نے بیڑ لپٹا کر لے کر لپٹا گیا۔

"ہاں بیٹی کی بیٹی ہے؟" اس نے پوچھا۔
"ہاں۔" بیٹی نے کہا۔
"کھانا کھاؤ۔" اس نے کہا کہ وہ بیڑ کے پاس
دیکھا تھا۔ اس نے کہا کہ وہ بیڑ کے پاس
"ہاں۔" بیڑ نے کہا کہ وہ بیڑ کے پاس
"اندر جاؤ آج تم جی میرے ساتھ کرو۔" بیڑ
نے کہا۔

"راقی تہمدی نام کو تو کوئی اعتراض نہیں ہوگا
میں۔" اس نے پوچھا۔
"نہیں بالکل نہیں۔" بیڑ نے کہا اور اسے ہاتھ
سے پکڑ کر لے گیا۔

"ہاں بیٹی۔" بیڑ نے بیٹی سے کہا۔
"ہاں۔" بیڑ نے کہا کہ وہ بیڑ کے پاس
"ہاں۔" بیڑ نے کہا کہ وہ بیڑ کے پاس
"ہاں۔" بیڑ نے کہا کہ وہ بیڑ کے پاس

"ہاں۔" بیڑ نے کہا کہ وہ بیڑ کے پاس
"ہاں۔" بیڑ نے کہا کہ وہ بیڑ کے پاس
"ہاں۔" بیڑ نے کہا کہ وہ بیڑ کے پاس
"ہاں۔" بیڑ نے کہا کہ وہ بیڑ کے پاس

"ہاں۔" بیڑ نے کہا کہ وہ بیڑ کے پاس
"ہاں۔" بیڑ نے کہا کہ وہ بیڑ کے پاس
"ہاں۔" بیڑ نے کہا کہ وہ بیڑ کے پاس
"ہاں۔" بیڑ نے کہا کہ وہ بیڑ کے پاس

"ہاں۔" بیڑ نے کہا کہ وہ بیڑ کے پاس
"ہاں۔" بیڑ نے کہا کہ وہ بیڑ کے پاس
"ہاں۔" بیڑ نے کہا کہ وہ بیڑ کے پاس
"ہاں۔" بیڑ نے کہا کہ وہ بیڑ کے پاس

"کہا راقی؟" بیڑ نے سر کھانے ہوئے پوچھا۔
"ہاں راقی۔" بیٹی نے بیڑ سے جواب دیا۔
"پھر تو میرا ہاتھ بھر کر دے؟" بیڑ نے پوچھا۔
"ہاں۔" بیڑ نے کہا کہ وہ بیڑ کے پاس
"ہاں۔" بیڑ نے کہا کہ وہ بیڑ کے پاس
"ہاں۔" بیڑ نے کہا کہ وہ بیڑ کے پاس
"ہاں۔" بیڑ نے کہا کہ وہ بیڑ کے پاس
"ہاں۔" بیڑ نے کہا کہ وہ بیڑ کے پاس
"ہاں۔" بیڑ نے کہا کہ وہ بیڑ کے پاس

رات کا وقت تھا۔ بیٹی کی ہاتھ ہاتھ میں بیڑ
اپنے لپٹ کر لے گیا۔
"ہاں۔" بیڑ نے کہا کہ وہ بیڑ کے پاس
"ہاں۔" بیڑ نے کہا کہ وہ بیڑ کے پاس
"ہاں۔" بیڑ نے کہا کہ وہ بیڑ کے پاس
"ہاں۔" بیڑ نے کہا کہ وہ بیڑ کے پاس
"ہاں۔" بیڑ نے کہا کہ وہ بیڑ کے پاس
"ہاں۔" بیڑ نے کہا کہ وہ بیڑ کے پاس

"ہاں۔" بیڑ نے کہا کہ وہ بیڑ کے پاس
"ہاں۔" بیڑ نے کہا کہ وہ بیڑ کے پاس
"ہاں۔" بیڑ نے کہا کہ وہ بیڑ کے پاس
"ہاں۔" بیڑ نے کہا کہ وہ بیڑ کے پاس

"ہاں۔" بیڑ نے کہا کہ وہ بیڑ کے پاس
"ہاں۔" بیڑ نے کہا کہ وہ بیڑ کے پاس
"ہاں۔" بیڑ نے کہا کہ وہ بیڑ کے پاس
"ہاں۔" بیڑ نے کہا کہ وہ بیڑ کے پاس

"ہاں۔" بیڑ نے کہا کہ وہ بیڑ کے پاس
"ہاں۔" بیڑ نے کہا کہ وہ بیڑ کے پاس
"ہاں۔" بیڑ نے کہا کہ وہ بیڑ کے پاس
"ہاں۔" بیڑ نے کہا کہ وہ بیڑ کے پاس

"ہاں۔" بیڑ نے کہا کہ وہ بیڑ کے پاس
"ہاں۔" بیڑ نے کہا کہ وہ بیڑ کے پاس
"ہاں۔" بیڑ نے کہا کہ وہ بیڑ کے پاس
"ہاں۔" بیڑ نے کہا کہ وہ بیڑ کے پاس

"ہاں۔" بیڑ نے کہا کہ وہ بیڑ کے پاس
"ہاں۔" بیڑ نے کہا کہ وہ بیڑ کے پاس
"ہاں۔" بیڑ نے کہا کہ وہ بیڑ کے پاس
"ہاں۔" بیڑ نے کہا کہ وہ بیڑ کے پاس

جہاں ہوں۔" اس لڑکی نے شرمیلی سی مسکراہٹ کے ساتھ
جواب دیا۔
"آؤ میں تمہیں اپنی ہانک پر چھوڑ دوں کہ تم کو کافی
تھکی ہوئی لگ رہی ہو۔" بیڑ نے کہا کہ وہ بیڑ کے پاس
"شکر ہے میں راقی کی بیٹی ہوں۔" اس نے کہا۔
"پھر وہ دلوں ہانک پر سوار ہو جی کہ تمہارے
ہوئے راستے پر جانے لگے میں بھی آج کل مصروف ہوتا
ہوں۔" ہاتھ سے چہرہ شروع ہوئے والے ہیں میں نہیں
پڑھائی پڑھائی اور پڑھائی۔" بیڑ نے کہا۔
"میں میرے گھر آؤں گا۔" بیڑ نے کہا۔

"میں تمہاری کر کے تھک گئی ہوں۔"
"ہاں بیڑ۔" بیڑ نے کہا کہ وہ بیڑ کے پاس
"ہاں۔" بیڑ نے کہا کہ وہ بیڑ کے پاس
"ہاں۔" بیڑ نے کہا کہ وہ بیڑ کے پاس
"ہاں۔" بیڑ نے کہا کہ وہ بیڑ کے پاس
"ہاں۔" بیڑ نے کہا کہ وہ بیڑ کے پاس
"ہاں۔" بیڑ نے کہا کہ وہ بیڑ کے پاس

"ہاں۔" بیڑ نے کہا کہ وہ بیڑ کے پاس
"ہاں۔" بیڑ نے کہا کہ وہ بیڑ کے پاس
"ہاں۔" بیڑ نے کہا کہ وہ بیڑ کے پاس
"ہاں۔" بیڑ نے کہا کہ وہ بیڑ کے پاس

"ہاں۔" بیڑ نے کہا کہ وہ بیڑ کے پاس
"ہاں۔" بیڑ نے کہا کہ وہ بیڑ کے پاس
"ہاں۔" بیڑ نے کہا کہ وہ بیڑ کے پاس
"ہاں۔" بیڑ نے کہا کہ وہ بیڑ کے پاس

"ہاں۔" بیڑ نے کہا کہ وہ بیڑ کے پاس
"ہاں۔" بیڑ نے کہا کہ وہ بیڑ کے پاس
"ہاں۔" بیڑ نے کہا کہ وہ بیڑ کے پاس
"ہاں۔" بیڑ نے کہا کہ وہ بیڑ کے پاس

"ہاں۔" بیڑ نے کہا کہ وہ بیڑ کے پاس
"ہاں۔" بیڑ نے کہا کہ وہ بیڑ کے پاس
"ہاں۔" بیڑ نے کہا کہ وہ بیڑ کے پاس
"ہاں۔" بیڑ نے کہا کہ وہ بیڑ کے پاس

"ہاں۔" بیڑ نے کہا کہ وہ بیڑ کے پاس
"ہاں۔" بیڑ نے کہا کہ وہ بیڑ کے پاس
"ہاں۔" بیڑ نے کہا کہ وہ بیڑ کے پاس
"ہاں۔" بیڑ نے کہا کہ وہ بیڑ کے پاس

قوس قزح

قارئین کے بھیجے گئے پسندیدہ اشعار

دیکھتی ہیں میری آنکھیں نظارے کیسے کیسے
آشیان سے اٹھتے ہیں شرارے کیسے کیسے
جان بوجھ کے بھی نہیں مٹا وہ مجھے
نمانے میں میراں ہیں ہمارے کیسے کیسے
(محمد اسلم جاوید.....سکند آباد)

ہوا جو تیر نظر نیم کش تو کیا حاصل
حرف تو جب ہے کہ سینے کے آرزو پار چلے
(انتخاب: زاہدہ حیات.....کراچی)
اے خواب تیرے فردوس پر حق ہے میرا
تو اے ان دور کے دوزخ میں جلائے ہوئے
(انتخاب: ایس حبیب خان)

تو نے دیکھا ہے کبھی ایک نظر شام کے بعد
کتنے چپ چپ سے گلتے ہیں فجر شام کے بعد
اسنے چپ چاپ ہیں کرستے بھی رہیں گے لاطم
چھوڑ جائیں گے کسی زورِ عمر شام کے بعد
(خزف الدین جیلانی.....ٹنڈوالہار)

اترا ہے میرے دل میں کوئی چادرِ عمر سے
اب خوف نہیں کوئی اندھیروں کے سفر سے
وہ بات ہے تجھ میں کرکٹ کی تھم سا نہیں ہے
اے کاش کوئی دیکھے تجھے میری آنکھ سے
(امجد ذوری.....حیدرآباد)

درد کی خنجر ہو گئی رنوں کی رنوائی مگی
موسم بہراں تری اب کے پنہرائی مگی
کون سی مغل، کہاں کے روزِ شب کیسا قیام
زعمی تو اصل میں اک سانس ہے آئی مگی
(ریحان شاہ.....کراچی)

نہ یو وہ پیار رہا نہ ہی وہ ایثار ہے
ایکسویں صدی کے شروں میں پیار بھی پیار ہے

جس شان سے وہ شان عقل گمیا وہ شان سلامت رہتی ہے
یہ جان تو آئی جانی ہے اس جان کی تو کوئی پست نہیں
(ناصر محمد خالد عباس.....سکند آباد صاحب)

آپ سمجھتے ہیں ہم نے آپ کو بھلا رکھا ہے
ہم نے تو آپ کو دل میں بٹا رکھا ہے
کوئی دیکھ نہ لے آپ کو ہماری آنکھوں میں
اسی لئے پلوں کو اس قدر جھکا رکھا ہے
(ڈاکٹر انوار عامر شہزاد.....سکند آباد صاحب)

سکھتی اے حیات چھٹی کیوں نہ سمجھد میں
ہم سے ہے زار ہمارے ناخدا تھے
(انتخاب: زاہد جلی.....سکند آباد صاحب)

غیر کو برا کھ رہا دور دور میں ایسا
آپ ہی سے لکھو ہے آپ کے بارے میں
بے وفا کہا مجھ کو آپ نے بجا نہیں
اس طرح نہیں کیے، ہر کسی کے بارے میں
(انتخاب: اختر احمد.....گٹوڑی، بھکر پور)

آنکھوں نے خواب کیسے تراشے ہیں ان دنوں
دل کو جب رنگ اترے ہیں ان دنوں
اس محقق نے ہمیں ہی مہربان نہیں کیا
اس کی خوش حیرانی کے چہرے ہیں ان دنوں
(محمد سلیم.....بھکر پور، پاکستان)

لوں پر پھول کھلتے ہیں کسی کے نام سے پہلے
دلوں کے دھبے چلتے ہیں چراغِ شام سے پہلے
نجانے کیوں ہمیں اس دم تھکادی یاد آتی ہے
جب آنکھوں میں چمکتے ہیں ستارے شام سے پہلے
(انتخاب: عتیقہ دروازہ.....کھڈی، صاحب)

کس لئے تیری مہراں دیتے ہو
کبھی کرتے ہو یاد تو کبھی دیتے ہو
عجب میری محبت کا صلہ دیکھا دوست
عجب خوش اور کبھی دلی ہی جلا دیتے ہو
(عقربا حیات.....دروہ، صاحب)
کبھی پھول سے ابھر کر کبھی چاندنی میں وصل کر
تیرا حسن چمکاتا ہے مجھے رخ بدل بدل کر
(میں اس کی پسند.....کراچی سے)

☆☆



کسی کی آنکھ جو پلٹ نہیں
نہ سمجھو یہ کہ اس کو کلم نہیں ہے
سوادِ درد میں تنہا کھڑا ہوں
پلٹ جاتوں میں موسم نہیں ہوں
سمجھ میں کچھ نہیں آتا کسی کی
اگرچہ میں سمجھو نہیں
سکھ کیوں نہیں بتا دیکھ جنگل
طلب کیوں کر دم نہیں
یہاں کوئی سسکی ستم پرور دہاں کی
کھٹکا کوئی سسکی سے تم نہیں
دہ ساجی ہے عمر غم نہیں ہے
میں تم کو چاہ کر پچھتا رہا ہوں
کوئی اس زخم کا مرہم نہیں ہے
(انسی حبیب خان.....کراچی)

بیاد میں جب کچھ لوگ سرکارتے لے ہیں
تیری یادوں کے کیا کیا پھول کھلتے ہیں
یہ اعجازِ وفا کا یہ تیرے بدلے ہوئے تیر
کانٹوں سے بھی اے میرا کہاں دُشمن لے لے ہیں
میرے لیے تو سب کچھ تیرے حسن کی دولت کسی
تھک کر تو میری بے دلی کے پھر سے گلے ہیں
خاموش اجنبِ قنار پ نہ نہ ہمیں سرکارتے گے
دل میں تو بہت کچھ کسی نگر ہوئے کھلے ہیں
سننے ہیں کہ اس بار بھی آئی تھیں بہاریں
تیرے گھٹن میں اس بار بھی کچھ پھول کھلتے ہیں
آپا ہے بہت یاد جاوید پھر سے ان کا غم
جب بھی بہت گہرے دامنِ زمانے سے لے لے ہیں
(محمد اسلم جاوید.....فیصل آباد)

دل کی بربادی کا قصہ ہم نے سن لیا
ایک دیوانی کو ہمارے دل نے جن لیا
آئی سب تو پچھو حراجِ یار کا
ایک پہلو ادا کیا ہے مگر نہ دیا
پتا چلا کہ دیوانی تھانوں میں رہتی ہے
غرض رہنے کا ہم نے اسے فن دیا
اب ابھک نہیں بھانہ سرکارتا ہے سدا
حسن بھی دیا اور تجھے تن بھی دیا
اب نہ کہنا تھا ہوں میں تھارے ساتھ میں
اے جا اے کہاں گیا اس نے سن لیا
(احسان انجم.....سکند آباد صاحب)

کب ہے خودی تو خودی ہو رہی ہے
عقل آنکھوں سے کیسے سو رہی ہے
یہ کس کا پانا ہے دور رہی ہے

عیت ایشی ہی ہو رہی ہے
لغ نقصان ہے کب سوچتی ہے
یہ بھی ہے کجریا کجریا ہے
لوں تو اب میرا چہرہ دیا سارے
جھپٹ پانے کی خواہش کجریا ہے

یہ دور کی کجریا ہو رہی ہے
محبت ایشی ہی ہو رہی ہے
(سکین باہن ط.....سرگودھا)

نہاد لھوں سے آلودہ کار ہونے کا
سلوکِ دقت ہے پھر دل لگا ہونے کا
دور کی کجریا ہے دل لگا ہونے کا
یہ دشتانِ عمل ہار ہار ہونے کا
قلندہ کشتیِ دل بک زبیت طوفانِ خیر
سکونِ عالمِ غم سے دور چار ہونے کا
دو کچھ دیا کہ قسمت ہے جن کی جگہ دھول
اب اپنا شہر بھی ان میں شمار ہونے کا
جو اپنا بھی ان میں سایہ ہے جو مہارت ہیں
دو داغ چروں پہ ہیں آشکار ہونے کا

درد جس کا ستم آلود و درد کرب آید
وہ علم آج بھر انکار ہونے کا
تکدام کو تیرے قراں بہہ فرات دمک واد
فلس بھی آج اذیت حصار ہونے کا
(ہدو فیروز انکار وادینگوئی.....کراچی)

کرسچن جو تھم سے دقا تو کیوں تجھے برا گئے
بیاد بھی ہمارا کہاں تجھے ہلا گئے
فل جانے کوئی ہم سا نافرمان دیکھ لے جہاں
ہے داناں جو تجھے دل سے دقا گئے
ہے شقاوت مزانی کسی ہے ہلا کہاں سے
اور ستم گرلی ہے ہمارے پر بات بنا گئے
اپنے درویش پر ذرا غور کرنے کی ہے ضرورت
تا کیوں جہاں سے تو اتنا خفا گئے
یوں چپ چپ سا مدوش رہتا ہے کیوں
اس جگہ سے بہت تو دھوا دھوا گئے
دنیا دیکھ رہی ہے توخرا بیٹا سیکھ لے
کیوں اتنا سب سے الگ تھا تھا گئے
دل سے بے نیما کی دعا خدا خوش رکھے مبرا
پر ہمارے تو ہر دعا بھی تجھے بد دعا گئے !!!
(شاعر و ادیب ڈاکٹر کثرت بیاناخان.....کراچی)

جل جلتی ہیں غم یار سے باتیں کیا کیا
ہم نے غم کیس دے دیوار سے باتیں کیا کیا
ہات بن آئی ہے مجھ سے میرے بازے میں
اس نے ہمیں میرے غم خوار سے باتیں کیا کیا
لوگ بے دست اگر ہوں تو کھل آئی ہیں
جب کہ چاہئے انہماک سے باتیں کیا کیا
سوداگی کا قصہ کسی ہر بات کی بات
لوگ لے آتے ہیں ہمارے سے باتیں کیا کیا
ہم نے بھی دشت شامی کے ہمارے کی ہیں
ہاتھ سے ہاتھ لئے یار سے باتیں کیا کیا
میں کو کہنا تھا مگر خوش ہیں کہ اس بیٹے
ہوئیں اپنے خیردار سے باتیں کیا کیا
ہم ہیں خاموش کہ تیری سات غم میں گھیری
درد منسوب ہیں سرکار سے باتیں کیا کیا
(ڈاکٹر ناما ماسر شاد.....گلان صاحب)

تو کسے کھڑکڑاتے چتر جیسے شبنم کوئی قبر
لکھ مردہ لے اگھری اڑے مٹی پتھر کردستہ ہے بری
میں میں کر ماک کرون حساب اپنے ہجر پر دم کا
جب آئے رات کے آدے پچھلے بہرہ وہاں مکمل بکری
چراغیں شبنم پر ہے اور لڑکیاں تھے خاموش
نارودا جیسے کھانا ہلے دانت لکھ زبان اور زلف گھری
دھوکہ ترپ ماکہ ہے دفائی اور تپانے کی چم نے کل کر
کیسے کردی کل پکلی تیری پھول کی رنگت تھی جو مری
میں تھی تھاکرے دور کے کھنڈر میں بیٹا افسردہ سا
پھولوں اس سے کیسے ہوئی اتنی جھلک ضرورت تیری
گرم دھواں ابھری ہوئی آنکھوں سے گھر سے گھر کا پیسے
خانے کیوں اس سالے میں گئے تھے نہیں بھی اپنی بھری
ہو ہاتھ لائے تو کیوں کرے دردی سر پڑی آہ میں
میں نے تو بھی لکھی نہیں کسی بھر کے لگ گئی تھے بدنامی
بے شک خوف کا حضور تو مردوں کو ایک کیسٹن کی کی
بڑا سکون سا پایا تھا کہ تیری سات غم میں گھیری
(مارین پٹا.....اسٹاٹسٹک لاہور)

ان دن بھری آنکھوں میں حاکمیل دقا ہے
وہ دہر کے جاناؤں تھا کھیل دقا ہے
تو ترس دھکس ترس تھا کھیل دقا ہے
خوش میں کوئی شوق ادا کھیل دقا ہے
اس بزم میں جاگیا تو یہ کہتی ہیں ادائیں
کیوں آئے ہو کیا سر پر تھا کھیل دقا ہے
خاموش رہ، خاموش، ذرا شور قیامت
کاٹوں میں وہ مستانہ صحران کھیل دقا ہے
اس چشم سیاہ یہ کیسے ہیں پریشان

میں نے الفت کے قاضوں کو چھایا اکڑ
اور لوگوں نے میرا درد بڑھایا اکڑ
میں نے ٹوٹے ہوئے لوگوں کو اٹھایا چلا
اور لوگوں نے سر راہ مجھے گرایا اکڑ
میں نے ہمت کے زائے میں جانش نہ اکڑ
اپنے ڈھلے ہوئے انکھوں کو چھایا اکڑ
یوں تیرے ترک تعلق سے فکارت کیسی
چھوڑ دیتا ہے میرا ساتھ سایہ بھی اکڑ
(اکتاپ: قاسم صان.....ہری پور)

یہ ہوائیں جب بھی آتی ہیں
تیرے پاس ہونے کا احساس دلاتی ہیں
یہ ہوائیں جب بھی آتی ہیں
کاٹوں میں دس مکمل جاتی ہیں
پیار کے لئے سناتی ہیں
دل کے تار پھیر جاتی ہیں
یہ ہوائیں جب بھی آتی ہیں
میرے دل میں پیچھے ہوئے
چلے جاتی ہیں
لفظ محبت پر سکرانی ہیں
تحریر نگاہ پڑھ کر سناتی ہیں
یہ ہوائیں جب بھی آتی ہیں
تیرے پاس ہونے کا احساس دلاتی ہیں
(کاکا کاتہ رنگ تحریرو.....لاہور)

اے ہول ہول
کیسے تجھے دلاسا دوں
جب میری ذات بھی تو تیری طرح
کسی کی ہے دفائی کا شمار ہوئی ہے
کسی کو انہوں نے رلا دیا
تو کسی کو فیروں نے روا کیا
اے بے دقا تجھے تو خود سے بڑھ کر چلا تھا
تا بھر تو نے کیوں مجھے دھکا دیا؟
(فرحان میر.....لاہور)

میں نے نہ کبھی دوست
کس بہت خوب صورت ہوں
ہاں مگر برسات کے
اس بارش کی طرح ہوں
جو پھولوں کے ساتھ ساتھ
کاٹوں پر بھی کیاں برستے ہیں
زیادہ اہل کس سے میری ذات مگر
میں امید دھکے کس سورج کی طرح ہوں

جو کی لوگوں کے دیران دلوں میں
اسید اور پیار کے پودے کا تاج ہے
ہاں میں اس مہر کی طرح ہوں
جو بارش کے مین پتروں کو
خوب صورت سوتیلوں میں بدل دیتا ہے
میں پتوں کی آفریں
کب میں خاص ہوں
ہاں بکر

بارش کے ان پتروں کی طرح
انہی ضرور ہوں
جو اگر اک بار
ہاتھوں سے کر جائی تو
دو بارہ ہاتھیں کرتے.....!!!
(راجہ فرین..... فوکر نیاز بیگ لاہور)

ہم یونہی سفر پہ تھے غم
دیکھا ایک لڑکی پہ تیرا حسن
دل لوبا گھبرا گیا یہ یہاں کہاں
دور سے تھا موسم حسن
دہی ملب کھائی ہوئی ادا
دہی شورش شرم سی حیا
چہرہ پہ تھا ساتواں سا سال
گلاب سے بوٹتے تھے اس پہ دیکھا
میں نے اپنے کزور سے دل کی طرف دیکھا
رغم تھے بچے بچے سے نمایاں
آنکھیں خون کے آنسو رو پڑی
جنم روزوں روزوں ہو گیا دہاں
مرد مگدوم رہی تھی میرے دینا جہاں
میں پھر بھی اکیلا تھا اس نے دہاں
میں نے خود سے کہا ملاوے خود کو ہاں
سمیٹاں کوئی بھی نہ کرے گا تیری یہاں
(قلام صلیق ہاں..... قصور)

داغ حسن سے پا شدت جذبات سے کیا
حاشی کو تیرے قہقے پا میری ذات سے کیا
میری مصروفیت اس کو کہاں روک سکی گی
یونہی سوتیلوں کی دیر بکر

وہ تو یاد آئے گا اس کو میرے دن رات سے کیا
پاس دیکھوں پا کروں گھر کہ گھر کیا ہے
سوج میں ہوں کہ میرا رشتہ ہے برسات سے کیا
جس کو غمش ہو کہ مر جائیں گے ہو کے
سچے اس کو کسی کے حالات سے کیا
آج اسے فکر ہے کہ کیا لوگ کہیں سے کیا
کل جو گھٹا تھا مجھے رسم و رواج سے کیا
(انوری رمضان..... چتر دالون خان)

کچھ تو کس لگا
روشن دیا کرو سگی
تھک کر کل جان
دراؤں آں حال

ہم سے کب پوچھو یہ ہے
خالی لوح جال
چھوٹا سا ہو کر
جس میں راحت پاتی ہو
جنت سے بڑھ کر
پچی سی آواز
دل کو ہر صلا دیتی ہے
سائل کی آواز
اب ہے جس کا راز
دقت آئے پھر ہو گا
ہمسک کا صبح
دینا کی بدعت
وہ جس کا حاصل ہو
ہو گی اس کی بیت

(انس اختیار..... کراچی)

نہیں پاس سے بلائے
ندوں کی بات تاکئے

وہ کسی کی بل دینے کہ
ہاتھ تک نہ لگائے
یونہی سوتیلوں کی دیر بکر

ہم اسے کچھ نہ تاکئے
یہ مقام میں تھا مجھ سا کہ
وہ ہوا تو مجھ کا طرح
کوئی نہ تک نہ بھاگئے
اسے ہاتھ نہ مل دیا
اسے آج تک نہ بھلائے

(آفریہ جم..... یسٹی لے دالی)

بنتے ہوئے لوگوں کو رلانے والے بہت
چہرے پہ آنسو پھیلانے والے بہت
ہم جن پر اعتبار بہت زیادہ کرتے رہے
مگر ان اعتباروں کو ڈونے والے بہت
جس طرح شیشہ ٹوٹ کر ڈھم دیتا ہے
شیشہ دل کو ڈھک ڈھم دینے والے بہت
بنتے ہوئے لوگوں کو رلانے والے بہت
(راجہ عباس..... یسٹی لے دالی)

زندگی میں تو ہمیں تو آرزو کسی لے
یہ محبت کس کے لے یہ جنت کس کے لے
میں تجھے دیکھا کروں اور تو مجھے دیکھا کرے
یہ نہیں تو جان جہاں دودھ کس کے لے
بر بھیت ہم دہاں کی میں نے تیرے لے
تو اگر مٹا کتا تو رنگ و بو کس کے لے
دلیری کے تیرے چہرے چہرے جا میں نے سے
تو اگر میرا گھبرا تو یہ پامت کس کے لے
بر غزل میں نے بھی اسے جان جان تیرے لے
تو اگر ستا نہیں تو کھٹو کس کے لے
(شرف الدین جیلانی..... ٹنڈوالہار)

سرد راتوں کو میرے پاس آتی ہیں تیری یادیں
بر شب تمہاں میں ستاں ہیں تیری یادیں
لوٹ کر اب بھی نہ آئے گا تیرے پاس
بر شب بھی کہہ کر مجھے رلاتی ہیں تیری یادیں

روز و شب تجھے بھلانے کی کوشش کرتا ہوں
تیرا نام لے کر ترپاتی ہیں مجھے تیری یادیں
جب بھی مجھ جانا ہے تیرے پیار کا دیا
مجھ سے پچھتے لیکن اسے ملاں ہیں تیری یادیں
گنگ بھلانا چاہتا ہوں جس صورت کو
بر شب دہی صورت دکھائی ہیں تیری یادیں
(گنگ نامہ..... لاہور)

خوش انتظار تیری راد میں بھی ہے
صرف دل ہی نہ بھگا کروں کسی پہ بھی ہے
تیرے قصور کے دارالامان میں بھی بیٹھے ہیں دینی
خدا جانے اس قاتی دنیا کو کیا مجھ سے خوشی ہے
جس سفر میں تو ساتھ نہ ہو میرے
گئی تھے وہ رگیں، ہر راد خوشی ہے
چچا تو تھک چکے ہیں رنگ ہے اسے مسرا
مگر شام سے بھی ڈھاری تیری پوشاک وہ ہری ہے
اب تو میرا مشغفہ صرف یہ کشت غن شامہ
(راجہ انانت علی..... لاہور)

پیارا د و گل ہے کوئلہ کا مھر
دھرتی نے اودھ نی سفید چار
دوئی کے گالوں کی سی ہے برف باری
آنکھوں کو گھٹی ہے بہت چاری
بکلی بکلی ہوا بھی ہے در آئی
سردی کی لہر جسم میں اتر آئی
برف کے گولے بچے اچھاں رہے ہیں
بھوسوں میں برف کو ڈھال رہے ہیں
برف باری کاہن میں سے طمس چھایا
پہلا شہر یہاں آج الہ آیا
بر طرف ہے غضب و خوب صورت ساں
بر چہرہ ہے غمی سے شادیاں
(سائل ایڈوکیٹ علیہ یار پوستان)
☆☆☆

رضوان علی سومرو - کراچی

اچانک نوجوان کی آواز بھرا لگی اس کے منہ سے نوسانی آواز نکلتی لگی کہ میں کسی صورت بھی تجھے نہیں چھوڑوں گا ہر صورت میں تجھ سے اپنا خونی انتقام لے کر ہی رہوں گا اور بہرہ.....

ایک ایسے نوجوان کی داستان حیرت جرجش انتقام میں..... دلچاسہ..... ہو گیا تھا

سومرو اندھیری رات تھی۔ آسمان کو سیاہ رنگ کے بادلوں نے ڈھانپ رکھا تھا کسی بھی دلت باز ہونے کا امکان تھا۔ میں اس پہلاڑی مقام پر ابھر یزیدوں کے بتائے ہوئے اس قدیم قلعے کی پختہ فصیل کے ساتھ چلا جا رہا تھا اور جب بھی بجلی چمکتی تو قہقہوں کی دیر کے لئے پہلاڑی گٹھڑی نظر آ جاتی۔ میں پھونک پھونک کر قدم رکھتا ہوا آگے بڑھ رہا تھا۔ اس قدیم قلعے کے پیچھے دو سو سال پرانا قبرستان تھا جس کی قبریں لڑائے کی بے رحم دقت کا شکار ہو کر ٹوٹ پھوٹ چکی تھیں۔ اس قبرستان میں وہ قبریں بھی تھیں جو کہ جنگ آزادی میں ہمارے گئے تھے یہ قبرستان آسپ زدہ مشہور تھا۔ اس قبرستان کے بارے میں کئی روایات مشہور تھیں جن میں ایک بہت مشہور کی۔

یہاں ایک ایسی قبر ہے جو کہ رات کے 2 بجے کے بعد چمکتا شروع ہو جاتی ہے جو محض اس چمکتی قبر کو دھڑلے لے کر اس کا مردہ ظاہر ہو کر اس کی ایک خواہش ضرور پوری کرتا ہے اس کے علاوہ ایک روایت اور بھی مشہور کی۔

اس قبرستان میں رات کے وقت چمن..... چمن..... کی آواز آنے شروع ہوتی ہے۔ یعنی رات کے وقت ایک عورت اس قبرستان میں گھومتی ہوئی نظر آتی ہے۔



اگر وہ عورت کی بھی افسانہ کو نظر آ جائے تو وہ عورت اس آوی کا سارا خون لپی لیتی ہے اور روایات میں کئی صداقت اور حقائق کی یہ میں نہیں جانتا مگر ایک بات ضرور ہے کہ بہت سے لوگوں نے اس قبرستان میں رات گزرنے کی کوشش ضرور کی تھی، مگر دوسری صبح وہ مردہ حالت میں پائے گئے تھے اور جڑ بڑھ چکے تھے وہ ہمیشہ پیشے کے لئے پاگل ہو چکے تھے۔

میں بھی ایک کبیر انسان ہوں اپنی لالچ اور فرض کے تحت آج رات اس قبرستان میں داخل ہوا تھا، داستان میں آگے بڑھنے سے پہلے مجھے اپنے پس منظر آ پک ضرور دیکھنا چاہئے کہ وہ کیا حالات تھے جس کی وجہ سے میں اس قدر خطرے کا کام کرنے لے رہا ہوں تھا۔

☆☆☆☆

یہاں لوگوں کی بات ہے جب وہاں مزید آ کر لاوا ہوئے زیادہ وقت نہیں گزرا تھا میرا حلق پاکستان کے جس گاؤں سے تھا آج وہ بہت زیادہ ترنی پائے اور خوشحال ہو چکا ہے گاؤں کا زیادہ تر طبقہ حور تھا، جن کی زندگی کا مقصد دلہنوں اور جاگیرداروں کی چاکری کرنا تھا اور صرف اور صرف پیٹ کے تمدن کو برباد اور بھرت دت آنے پر قبر میں پڑ پڑ کر سو جانا۔ میرے والد عروین گاؤں کی

قصاب، قفس و دروازہ کا ماحول ام ایٹھنٹ جس طرح لی اور پانی جاری تھی، وہ میرے لئے حیرت انگیز تھا میں آکھیں بھاڑ سے وہ سب دیکھ رہا تھا مجھ پر ایک دھوئی کا عالم ہوا تھا۔

بہت سے لوگ پہلے سے بیٹھے تھے جب کے منہ پان سے میرے ہوئے تھے میں نے دیکھا کہ ایک بہت ہی حسین لڑکی جس کے پیروں میں منگھر بندے تھے وہ طے کے قصاب پر پانہ بدن تھوکانی تھی یہاں ہوش رہا تھا میں نے پہلے کی بند بکھا تھا۔

میں اس کی معصوم صورت بکتا رہا۔ داتا میری آنکھوں کے سامنے بھما کا ہوا۔ مجھے ایسا لگا کہ زکرس کی جب انور جو دے زکرس میں مجھے پاؤں اڑا رہی تھی۔

میں نے دیکھا کہ زکرس نے بیب سے بہت سے ٹوٹ نکال کر میرے سامنے پھیلا دیئے۔ زکرس شرابی لپٹی میرے سامنے بیٹھتی۔

”ہے۔۔۔ میں نے بے بسی کہا۔

”اسے پڑا اس کی اولاد“ ابھی وہ میرے کچھ کہتا کہ زکرس کسی جنگی کی طرح میری طرف آئی اور میرا ہاتھ پکڑ لیا۔ اس کا ہاتھ پکڑنا ہی تھا کہ میرے ہارے نیم میں 1000 روپے کا کرنٹ روڑ گیا خرم سے میری گردن چمک گئی اور میں۔۔۔ بہت چکا گیا۔

”مجھ کو دت کیجیے۔۔۔“ اس کا بوجھ دانا کھل تھا۔

”کنگ۔۔۔ کیوں۔۔۔ میں نے گھبرا کر پوچھا۔

”وہ اس لئے کہ آپ مجھے اچھے گئے ہیں۔۔۔ وہ مسکرا کر کہی۔

”اوئے گدے تو بڑا خوش نصیب ہے کیونکہ آج تک اس نے مجھے کھاس نہیں ڈالی۔“ کرسو چمک کر کہ۔

”پوشش کر دیں گا۔۔۔ میں نے وقت حرام کہا۔

کہہ کر کرسو کے ساتھ باہر نکل گیا۔

گھر پہنچا تو رات کا اندھیرا طرف پھیل چکا تھا اس وقت کاؤں کے چند گروں میں بیٹھی آئی تھی، جو کہ بڑے گھر تھے، جیسے ہی گھر میں داخل ہو کر کھال ہوا میری

ہوئے کہ۔

”اچھا۔۔۔ میں نے مرہ سے لہجہ میں کہا اور اٹھ بیٹھا۔

”میں چار ہاؤس تم بھی کچھ جانا۔ دیکھو میری مسجد کچھ چکا ہے۔ آپ مسجد کا پیش لام سے اور بیٹا۔۔۔ کیا یہ کسی سے مرہ پاتے ہوئے گھر سے باہر نکل گئے۔

اما کے جانے کے بعد میں نے چار پانی سے اٹھنے کی کوٹس کی مین لینڈ کا غلبہ نہ دیا تھا، مین لینڈ کا خوف تھا مجھے پھر تھانہ جھوٹ کی تواریدے کی رات عشاء بھی نہیں پڑی تھی اور مغرب بھی۔۔۔ چاند چھ میں چار پانی سے اٹھ کر اٹھا۔

اما جبکہ ایسا لگا کہ میرے کسی نے مجھے آواز دی ہو۔

میں نے چونک کر اٹھ کر اٹھ کر دیکھا تو آواز دینے والا کوئی تھا۔ آواز میری آواز ہی تھی۔

”کے۔۔۔ کہیں چار ہا۔۔۔“

”نہاڑ پڑھئے۔۔۔ میں نے غور لگا دی۔

”سوچا۔۔۔ ابھی ابھی لینڈ بود میں نہیں لے گی۔“

آواز میرے کانوں سے نکل گئی۔

”نہاڑ لینڈ سے بہتر ہے۔“ میں نے خود کھائی کی۔

”تو قہقہہ کہہ رہا ہے۔۔۔ نہاڑ لے کے کپڑے پاک ہوا شرط ہے میرے کپڑے ناک ہیں۔“

وہ آواز سن کر میں سوچ میں پڑ گیا اور میرے کپڑے تو قہقہہ نہیں تھے۔

”میں۔۔۔ میں نے پھر کمرے کے دروازے کی جانب قدم بڑھائے۔

”تو جانا کے کپڑے بدلے گا نہاڑ تو ہوجاے گی۔۔۔ تو سوچا کہ میں نے کیا کر لیا نہیں پڑتا۔“

میرے اندر کی آواز یعنی میری نفس سسل مجھے نہاڑ سے روک رہا تھا کہ خود کا سباب ہو گیا۔

اس کوئی ایسی ہی بات تھی کہ میں نے کس کا سباب نہ ہوتا۔ میں اس وقت نہاڑ پر تھکا کر نہاڑنے سے

گمانہ سے بچ جاتا۔۔۔ کس نے تو بڑے بڑوں کو گناہ گار اور مردود کر دیا ہے۔ شیطان کے لئے گرفتاروں تک فرعون سے لے کر ابو جہل تک ہر نام اس کس کا نظار ہوا۔

میں اس وقت رات چھوڑ کر دوبارہ خواب خرگوش میں گھر گیا۔

اور پھر ادا کی وہ مدت میں بھرنا نہیں۔۔۔ جڑنا چھوڑنے پر ہی تھی۔

☆ ☆ ☆

پھر اس پانی کے بعد عشاء پہلی بار میرے بدل میں اما کے لئے کھول کر تھکا کا احساس پیدا ہوا، مجھے ایسا لگا کہ اب میرے زیادہ پار کر رہے ہیں اور میرے نہیں اب میں اب کوئی نہاڑنے کے چان لگا رہی تھی اور نہاڑ دیتا آواز دہریں کرتا۔ کرسو کے ساتھ ایک دروازے میں۔۔۔ زکرس کے درشن کئے تھے اب میرے لئے پریشان رہنے لگے تھے اب نہاڑ کی تائید کرتے اور کابج کی پڑھائی کو کچھ تو میں دھانی سے منع کر دیتا۔

وہ دن مجھے ابھی طرح یاد ہے جب میں کاؤں سے نکلا گیا۔ جب میری وجہ سے اپیل کا دورہ پڑا تھا۔ وہ شام کا وقت تھا میری پوری آواز سہا تھا نہاڑ 4:30 بجے کھڑی ہو گیا کئی کسی اس وقت 5 بجے کا وقت تھا۔

میں کچھوں والے راستے سے ہوتا ہوا پانے کنوئیں کی طرف چار تھا جہاں اکثر کرسو سے میری ملاقات ہوا کرتی تھی۔

جب میں اس جگہ پہنچا جہاں پرندوں کو ڈرانے کے لئے تھکا لگا گیا تھا تو ایک میرے کانوں نے فزونی کی کی آواز تھی تو میں چونک اٹھا۔ میں اس کانوں میں ایک بچپان سنا تھا وہ ان کی آواز تھی کسی کی آواز اس پہلے کے عتب سے آ رہی تھی۔

میں تیزی سے اس آواز کے عتاب میں پہنچا تو نظارہ دیکھ کر میری آنکھیں حیرت سے پھٹی کی پھٹی رہ گئیں۔۔۔ تم اور مجھے کی شمت کے سبب میرا چہرہ سرخ ہو گیا۔

ہاں ایک لڑکے کی گود میں سر دھونے کے ڈھائی سے
 فیصدی کی دوا کا کئی ادویں بلکہ میرا بلی میرا تھا، جہا
 کے سامنے بہت شریف اور پارا پار بناتھا، اس نے آج
 میری موت پڑا کر ڈالا تھا۔
 ”میر“ میں چلا۔
 وہ دونوں چمک کر سیدھے ہو گئے ایک ہی ہل
 پاروں کی آنکھوں سے خوف کھا رہے تھے۔
 میں سنے کی کیفیت میں ہندوں کو کھو ہاتھا۔
 ”اہ۔۔۔ موت۔۔۔ تانا۔۔۔“ میر بکلا۔
 اب میں میرا کتا بلیاں خطرہ کا قسم کی گالی دیتے
 ہوئے اس کی جانب بھاگا۔
 ”دھمکی بھی میں ہے تمہے گالی دے رہے
 ہو۔“ میر بھی گھبرا کر پڑا۔
 ”ہینے۔۔۔“ سنے۔۔۔ بھائی کی محبت پڑا کر ڈال
 کر مجھے سبق پڑھا رہا ہے۔
 ”میں تمہے نفرت کرتی ہوں۔“ میر کے چہانے
 آواز نہ دیتے ہوئے گئی۔
 ”اے! تمہیں مال سمجھ کر نہیں۔
 جانتا تھا کہ مجھے ایسا کہ میری ساری دنیا
 بھونک رہی ہو۔ جو کج جنت میں چٹ کھاتے ہو۔
 میری آواز نہ دیتے تھے کیسے کھانا پڑا ہے۔
 میری آنکھوں سے آنسو جاری ہو گئے۔ مجھے
 پتا چلا کہ میرا کسی ہو سکا ہے کہ مجھے لئے بدود
 بھولتی۔
 ”کسی آواز اور لڑنے لڑنے شادی کرنے کے
 بجائے خود کی گنا زیادہ بڑے میں دینے کی میرے
 یاد کرتی ہوں۔“ اتنا کہ اس نے میرا کاتھا تمام اہاں
 کی آنکھوں میں میرے لئے نفرت تھی۔
 میرے دل کی دنیا میں لڑو کی کیفیت طاری
 تھی۔ ”خدا میں نے آنسو مجھے نفرت کچھ میں پڑا۔
 ” نفرت ہی تھی۔“ گزرا میرے عاتق کو جان
 سے بارود کا۔ جو میرے مجھ سے یاد کر کے کی تھی۔
 میرے لیے میں ملاتی تھی۔

اتنا کہ میں نے میر پر حملہ کر دیا میر شایہ اس
 کے لئے تیار نہ تھا چہرے میں مسکراہٹیں ہنسنے لگیں ہو کر
 کر پڑا۔ وہ بے ہوش ہو چکا تھا اس کا چہرہ جگہ جگہ سے
 ڈھکی ہو چکا تھا اور کپڑے پٹ پٹے تھے جسے بھی تھک
 چکا تھا میں نے پلٹ کر دیکھا تو وہاں نہ کسی شاید وہ سچ
 جان کر کھٹک جھکی گئی نہیں جانتا تھا کہ ہاں میر نے
 کتنی بڑی مصیبت کھڑی کر رکھی تھی۔
 میری سانس ٹھوڑی، بھل ہوئی تو میں نے دیکھا
 کہ میرا بچہ بے ہوش ہے۔ مجھے اور نفرت میں، میں ہی
 بول چکا تھا کہ میر میرا بھائی ہے۔
 میں کھینچوں میں ادھر ادھر کی ایک چیز ڈھونڈنے
 لگا جس سے میں اس کا ہتھام کر سکوں۔۔۔ کھینچنے لگا
 کوئی چیز نہ پڑی۔
 ”خدا مجھے کراہنے کی آواز سنائی دی تو میں نے
 دیکھا کہ میر بھوش میں آ رہا تھا۔ میری شیطانی جبلت
 دوبارہ جگمگائی، میں نے سنا کہ نفروں سے اس کی
 طرف دیکھا اور اس پر ہل ہو گیا اس کے سینے پر دیکھ کر اس
 کا کھانہ گھونٹنے لگا اس وقت میرا خون سفید ہو چکا تھا۔
 میر پچھلے کا چہرہ یاد کرنے لگا۔۔۔ وہ میری طرح
 سے اپناں گزارتا تھا کہ دھن دھن ایسا کہ میرے
 سر پر کسی نے دیا کہ میرے ہزاروں سورج میری آنکھوں کے
 سامنے طلوع ہو کر غروب ہو گئے ہوں اور انتہائی شدید تھا
 میں بتانا چاہتا تھا کہ میں کو تو کادور دار مجھے دیکھنے پر لے
 آیا۔۔۔ پھر مجھے کچھ ہوش نہ پڑا۔
 ہوش آیا تو میرا پورا جسم دھنوں میں جکڑا
 ہوا تھا۔ میرے سر میں شدید قسم کا درد ہوا تھا۔ میں
 اس جگہ آ رہا تھا وہ جہاں جاکر ایک بہت بڑے شیل
 کے بڑے کچے خورق تھے اور بڑی کی دوسرے شیل
 کے درد کی ایک چیز اساتم کر دیا تھا۔ میرے چہرے
 کا دم بڑا کھانہ کی دھڑکی پر طرف کھینچ لگی تھی، اس کا
 مطلب کہ میں پوری رات رہا تھا اس چہانے میں گاؤں
 کی پناہ گاہ کی تھی۔
 اس بڑے کے آس پاس بہت سے لوگ بیٹھے

لوگ کرسیوں پر پناہ گاہ کے بڑے لوگ بیٹھے تھے کرسیاں
 اس بڑے کے سایہ میں تھیں، انہیں کرسیوں کی انٹھری
 عدالت میں میرا فیصلہ ہوا تھا کالی رنگ بندے رہنے
 سے میرے جسم میں درد سا ہونے لگا تھا میں غصے کر دیا تھا
 کہ اب میں پڑھتا ہوں کہ میرا جسم مجھے نفرت بھری گاہوں
 سے دیکھ رہا تھا جرت کی بات یہ کہ مجھے اب کبھی نہیں
 دکھائی دے سکتے تھے۔
 ایک ایک کرسی پر بیٹھا ایک شخص اٹھا اور ایک نفرت
 بھری نظر میری طرف ڈالی اور میرا حاضرین غفلت سے
 غائب ہو۔
 ”یہ جو یہاں بندھا ہوا پڑا ہے۔۔۔ ہمارے محترم
 اور معزز امام صاحب کا بیٹا ہے۔ اس نے نہایت ذلیل
 اور شرمناک حرکت کی۔۔۔ چھری صاحب کی آنکھوں
 میں پھر پھر ملنے لگا۔ اس کو یہ عزت کرنا یا بھانپنے
 والا کو یہاں سے ہارنے کی کوشش کی۔ اگر میر دہاں
 شہا جانا تو اپنے ٹاپک مقدس میں کیا ہو جاتا۔۔۔
 اس کی وجہ سے بے چارے امام صاحب اس ذلیل کی
 حرکتوں کو کھانڈ کر چہرے ہو گئے اور میر دہاں کی
 میں چھری صاحب کے گھر پر ہے۔“ اتنا کہ کردہ شخص
 خاموش ہو گیا، تمام حاضرین کی گاہوں سے تم دھڑ
 دکھائی دینے لگا تھا۔
 ان اخراجات کوں کر میں جرت زور زور
 کیا۔ میں ہاں کی عزت پر ہاتھ نہیں ڈالنا تھا میں
 نے میر پر ضرور حملہ کیا تھا۔ یہ خبر میرے لئے کسی
 ناز یا بے قسم نہ تھی۔
 اہاں دنیا میں نہیں رہے تھے۔ میری آنکھوں
 سے آنسو ڈھک رہے تھے کچھ کچھ میرے والد تھے
 جو ہر وقت میرے لئے فکر مند رہتے تھے۔ میں کچھ کھائی
 چاہتا تھا کہ میری زبان پھیر کر کہے۔ تم ایک ایک پالا جو
 میرے پھانچے۔ میرے چہرے پر تکلیف تم کرکے کے
 آ رہے۔
 ”جھپٹا کچھ کہتا ہے۔“ پناہ گاہ کی ایک بی بی کرسی
 سے اٹھ کر میرے پاس آ کر لڑا۔

”نن۔۔۔ نن۔۔۔ مم۔۔۔ مم۔۔۔ کچھ نہیں۔
 میرا بچہ۔۔۔ میں کھلا۔
 ”انہیں دھار دیا آج میرا جسم۔“ بی بی بولا۔
 یہ خبر میرے لئے کسم کسم نہ تھی۔ غلاموں
 نے مجھے میرے باپ کا چہرہ بھی نہیں دیکھنا تھا۔
 میری اس حالت کی زبرد ہاں گئی تھی۔ چھری تھا
 میرا تھا، میں نے دل میں ایک بہت بڑی قسم کھائی کہ
 ”میں ان سے انتقام ضرور لوں گا۔“
 پناہ گاہ کے تمام شاہدوں کے غصے نفرت مجھے
 انتہائی ختم نہ سنا۔
 اگر کچھ پر میر پر حملہ کرنے کا اہرام ہوتا تو دھن ہوتا
 میرا ہاں کی عزت پر حملہ کرنے کے اہرام میں وہ اہرام جو کہ
 مجھ کو دے رہی تھی تھا۔
 مجھے گاؤں سے نکال دیا گیا خالی ہاتھ ہاتھ
 دوڑنے پکڑوں میں، میں گاؤں سے جانے وقت ایک
 بار اپنے والد کی قبر سے لپک کر دوڑا چاہتا تھا کہ مجھے اس کی
 اجازت نہ دی گئی۔ لیکن ان تمام باتوں کے باوجود
 میرے دل میں انتقام کا چرچا ضرور دوڑنے ہو چکا تھا، جو کہ
 اب صرف اور صرف میرا ہاں کے خون سے بھوکھا تھا۔
 میں دیکھنے کے پلٹ قائم پر بیٹھا ریل کے کاتے
 انتظار کر رہا تھا، میری جیب میں مجھے تھوڑے کچھ ہو گئے
 سترہویں جی دھن مجھے کڑوا تاکہ کالی دیا۔ جو سیدھا میری
 طرف آ رہا تھا کسو آ رہی تھی خصوصی اعلان میں مسکرایا
 اور لڑا کیسا ہے۔“
 ”ٹھیک ہوں۔۔۔ تو سنا۔۔۔“ میں نے ہنسنی کی
 مسکراہٹ سے کہا۔
 ”تمہارے ساتھ بہت کام ہوا دست مجھے یقین
 ہے ہاں تو مجھے بھلا ہے۔“
 ”ہاں میں جانتا ہوں۔ لیکن میں ہاں آؤں گا
 بدلہ لینے۔ ایک دن۔“ میری آنکھوں میں ایک عزم تھا
 میں جانتا تھا میرا جتن بھلا ہوں کہ کسے جانتا ہوں۔
 ”یہ کچھ ہے ہیں بڑی طاقت ہے ان میں تو کد
 لے میرے کام آئے گی۔“ کرسو نے میرے پیچھے جیب

میں نے پیسوں کا منع نہیں کیا اور ریل میں

۷۰۷-۱۰۰۰

ایشن سے اترتے ہی اس شہر کی رونق دیکھ کر میں

میں چل چل کر تھک گیا تھا لیکن راستہ ہی ختم نہ

میرے پیارے بھائی کے پاس گیا۔

جلدی مجھے انداز ہو گیا کہ انسانوں کے اس

February 2018

چنانچہ میں نے اس شہر کی بڑی بڑی دکانوں

”فرمائیے.....؟“ کا دُعا کرنے کی بجائے فرمائیے

محمداکرام

”اتنے بڑے کئے ہوئے بھیگ مانتے ہو..... سرزم

میں کہا۔

نے ہت لڑکے کی دکانوں میں لوگوں میں ہر جگہ لگا دیا

Dar Digest **222**

ریلوے ویٹنگ روم تک جانے کے لئے میں تھوڑا

آنکھ کھلی تو میں نے خود کو ایک نہایت ہی عالی

”آپ لئے رہے نہیں تو آپ کی فحشیت بڑھ

اس طرح کی ہوشیاری کے بعد وہ اپنا کام مکمل کر کے

میں نہیں جانتا تھا کہ مجھے یہاں کون لایا تھا؟ لیکن

پچھلی سچے ترے ہوں گے کہ مجھے دروازہ

223 February 2018

جو بھی میرا میزبان تھا وہ واقعی ہے حد رحم دل

اس نے حکم پر نہایت خوب صورت سوٹ زیب

”تم نے کھانا ٹھیک سے کھایا۔“ اس نے خالی

”ج.....جی..... بہت مہربانی۔“ میں اس کے

”جو کے بھی اور بے آسرا بھی ہو۔“

میری کہانی کے دوران وہ بالکل ہی خاموش رہا۔

”تو مجھ سے کہا تم نے اپنی داستان سے۔“ اس کا

”خوب..... میں جون فریگ 1940ء میں

”نہیں.....“ میں نے بدقوفوں کی طرح کہا۔

Dar Digest

ٹاپاک مزدگار کی تخیل مجھے سے چاہتی تھی۔
 ”کیسے“ ذلیل۔۔۔ اس کا باپ ابھی
 زندہ ہے۔“

”تو مر جاؤ۔۔۔“ یہ کہہ کر میں نے لپک لپک کس
 بڑے کا کھانکڑا اور بڑے نکٹھان میں بندھ کر دیادہ بڑھا
 مرغ فصل کی طرح تر تڑپا ہوا اور بھر پھلا ہوا گیا پھر مایوس
 ہوا۔

”ہا۔۔۔“ بڑی چیخ کر بڑے کی جانب بڑی
 نگہیں میں سے ایک لپک کر نکلا۔ اس کے چہرے
 پر خون کی کھانٹ نے اس کی خوب صورتی کو چھاپنا
 لگا دیئے تھے جس نے اسے دیو جی لایا۔ خود کو میرے آگے
 قبیضے سے بچانے کے لئے ہاتھ پر ہڈی رکھی پھر میں نے
 اسے ایک منٹکے سے نیچے گرا دیا پھر میں انسان سے
 چالو رہ گیا اور اس کی مصیبت کو نہ دیکھتا رہا اس کی
 کریمک پتیلیں ابھرنی لگی رہیں۔ اور جب میرے
 ہوس کا سیلاب ٹھنڈا ہوا تو وہ بے ہوشی کی کیفیت سے
 دو چار ہو گیا۔ اسی لمحے میں نے دانتوں سے اس کی شہرک
 کاٹ ڈالی۔ وہ ایک لمحے کے لئے تڑپا پھر میں نے
 اسے تڑپنے کا موقع نہ دیا۔

اس کا گرہ مگر خون پری ہی پلاس، بجاتا رہا اور میں
 انسان سے علاحدہ نہ کیا۔۔۔ میں کسی خون آشام پھیرنے
 کی طرح خون پیتا رہا۔ اس کے بعد مجھ پر پیسے بے
 ہوشی کی کیفیت طاری ہونے لگی۔۔۔ بے ہوش ہونے
 سے قبل میرے صرف اتنا پایہ کہ مجھے کسی نے ریل سے
 دھکا دیا تھا اور میں جس جگہ سے گزرتا رہی اس طرف ہے
 شہر خورد ہوا جائیوں پوسے اور ہوا سا میدان تھا کرتے ہی

میں اس خورد ہوا جہاں میں جا رہا تھا۔
 آج کل تو میں نے اپنے آپ کو ایک جھوپڑی
 میں گھاس سے بنے ہوئے بستر پر لایا۔ جھوپڑی میں نیم
 اندر بڑھتا میں نے اپنے کی کوشش کی تو میں درد سے کراہ
 کر دیا گیا لپک تھا ریل سے کوہے وقت کرتے ہی نہیں
 چوٹ آگئی تھی میں نے سر اٹھا کر اپنے جسم کی طرف دیکھا
 تو میرا ہاتھ جسم میں جبرائیل میں سے اپنا ڈھانچا جس سے

اٹھنا لگی جب یہ تک میرے دماغ پر اثر انداز ہو رہی تھی
 نہ چاہتا میرے جسم پر کیا لگا ہوا تھا جس سے میرا چہرہ مایوس
 سن ہو کر رہ گیا تھا۔

دلچسپ میرے کانوں میں قدموں کی آہٹ سنائی
 دی، نہ چاہتا کون آنے والا تھا میرا دل دھک سے دھکا
 بڑا ہونے لگا۔ اسے اندر سے اور دوسرے میرے دماغ میں
 گونجنے لگے مجھے پتہ نہیں آ رہا تھا کہ میں کیا کر دے
 والا مجھے نقصان بھی پہنچا سکتا تھا۔

”گھبرو تو مت یہ میں بالکل محفوظ ہوں۔“ آواز
 سننے ہی مجھے جیسے میرے کانوں میں کسی نے شہد پڑھا دیا
 ہوا دانا اس قدر حسین اور خوب صورت تھی کہ میں اپنی
 نظریں اس وجود پر گاڑ دیں وہ ایک خوش آواز آج دینے
 بدلتا اور بڑے قریب غلطواری دے دلی حسیہ کی اس نے دھاتی
 رنگ کی سا گرہ لگا دی کہ نہ کر دیتی تھی۔

اس کی ہڈی گردن اتنی چھوڑوٹ آتھیں الٹ
 اس کا سن میں بھول نہیں پایا ہوں۔ وہ میری طرف
 مسکراتی نظروں سے دیکھ رہی تھی۔
 ”اور دست ہرے جھگ میں تم اس جھوپڑی میں
 محفوظ ہوتے مجھے ڈر ہی حالت میں ہماڑیوں میں پڑے لے
 تھے۔“

”میرے جسم پر کیا لگا ہے۔“ میں نے کراچے
 ہوئے پوچھا۔

”تم بہت زیادہ ڈر تھی تھے اب لگہ بڑھتا کہ تم کو کسی
 نے بہت مارا ہے۔“ پھر تیرے زخموں سے چھوڑوٹ۔
 اس لئے ڈر سکانے کے لئے جڑی بوٹیوں کا عرق لگا دیا
 پڑا۔ وہ مسکرا کر بولی۔

اس کی بات سن کر میرا منہ جرت سے نکلا دھکا
 میں جس طرح گرا تھا اس طرح اس نے مجھے لپکنا چک چٹس
 میں آئی آ پائیں جس۔

میرے چہرے پر جرت دیکھ کر وہ بھی کر شاہ
 مجھے یقین نہیں آیا۔
 ”میرے بھلوے بادشاہ میں جج کہ رہی
 ہوں۔ تم بہت ڈر تھی۔۔۔ ویسے بھی کا کا کا کھوٹ

نہیں ہوتی۔“

میں جس طرح کے واقعات سے گرد رہا تھا ایسے
 میں کچھ ہوا میرے ساتھ کون تھا۔

”یہ لپ۔۔۔ دونوں تک تھا میرے بدن سے لگا رہے گا
 دونوں بعد یہ خود بخود گھر کر گئے گا اس کے بعد تم جھگ
 میں موجود رہی ہو گی۔“ یہ کہہ کر وہ باہر چل گیا۔
 ☆ ☆ ☆

کانا کون تھی یہ میں نہیں جانتا تھا۔ کسی دو ہفتہ
 پیسے لاپٹی کے لئے وقت کا فرش ثابت ہوئی تھی۔

نہ جانے میں کب تک جا سکا رہا اس کے بعد
 میری آکھ لگ گئی۔ کانوں میں گزری ہوئی جسم میں شہد
 جسم کی کھانٹ محسوس ہونے کی میری آکھ لگ گئی۔
 مجھے لپکنا کھیرے جسم میں پھینکا ہوا ہے جس میں نہ نور

سے دیکھا تو خوف سے میرا دل اچھل کر قتل ہو گیا میرا
 پیرا جسم چال کے دانے کے برابر چھوٹے چھوٹے سفید
 کیڑوں سے بھر پڑا ہے سفید کیڑے بڑی ہی تیزی سے
 میرے ہرے جسم کو چاٹ رہے تھے کا کا میرے بالکل
 سامنے کھڑی تھی مجھے جب اس نظروں سے دیکھ رہی تھی۔
 یہ سب دیکھ کر میرے قلعے سے دل خراش پٹی
 نکلی گئی۔

”کیہ۔۔۔“ میرے پیچھے ہی ستر ہوا گیا وہاں
 نہ کیڑے تھے نہ ذیاتی کاس میں اور میری پیچھے نہیں۔

میرے پیچھے کی آواز میں سن کر کا کا تباہی ہوئی
 جھوپڑی میں داخل ہوئی کا کا کے ہاتھ میں ایک
 لائٹنیں کی۔

لائٹنیں روشنی میں، میں نے کا کا کو دیکھا تو خون
 کی عدت میرے جسم میں تیز ہو گئی یہ خون مجھے لالام
 کر میرے جسم میں ڈونے لگا کا کا نے جسم پر ایک ہلکی
 چارو ڈال دی تھی جس سے صاف ظاہر ہو رہا تھا کہ کچھ
 وہ پہلے کیڑوں میں نہیں تھی مجھے اس طرح کھوٹے دیکھ
 کر وہ یکدم بڑھائی پھر دوسرے سے دو ہاتھیں بن گئی۔

”کیا کیا ہیں جیڑے تھے؟“
 ”کھگ کھگ نہیں۔۔۔“ میں نے نظریں چراتے

ہوئے کہا۔

”کیوں کوئی مارا خوب دیکھا۔۔۔“ اس کی نظریں
 مجھے اپنے جسم کے بارہائی محسوس ہو رہی تھیں۔

”سن۔۔۔ سن۔۔۔“ اس کی لپک بات نہیں۔
 ”اچھا۔۔۔“ اس نے مجھے سے پچھنی سے دیکھے

ہوئے کہا اور پھر باہر چل گیا۔
 وہ ساری بات میری آنکھوں میں گئی تھی

ہر طرف سفید سفید کیڑے کھلاتے ہوئے محسوس ہو رہے
 تھے ہر جگہ دیو میں چمک چمک جانا کہ میں وہ کیڑے سے وہاں
 نہ جا سکتا۔ نہ جانے کیوں مجھے ایسا لگ رہا تھا کہ کا کا
 بہت خطرناک صورت ہے اس کا جھوپڑی زانکڑی کے چال
 کے جیسا ہے وہ اس جھوپڑی سے میں اکیلے کیوں واقف تھی؟
 ایسے بہت سے حالات تھے جو کہ کل طلب تھے۔

دوری جگہ وہ جھوپڑی میں داخل ہوئی
 تو اس کے ہاتھ میں میرے لئے ناشتا تھا ہاں اس
 کو دیکھ کر میرے حواس بھی قابو میں نہ رہے ایسا لگ
 رہا تھا کہ شعلہ پڑھوں کی تیز سے باہر آنے کے لئے
 چل رہا ہے جھوپڑی میں داخل ہوتے ہی نہایت ہی
 قائل کنا ہوں سے میری طرف دیکھا اس کی نگاہوں میں
 میرے لئے دعوت کی جیسے کہ رہی ہو۔ ”میں نے کہہ پتے
 دریا میں لپک گیا کا کا۔“

ناشتا میں شہد، سپ اور دوسرے جنگلی پھل تھے
 چونکہ میں گھنے سے قائل نہ تھا اس لئے ناشتا نے مجھے
 اپنے آنکھوں سے روایا۔

ناشتا کروانے وقت دو ہاتھ مجھ نظروں سے
 مجھے دیکھ رہی تھی جیسے کہ کوئی بھوکے شیر کی اپنے فکار
 کو دیکھتی ہے۔
 ناشتا کروانے کے بعد وہ اٹھ کھڑی ہوئی میں نے
 دیکھا کہ اس کی آنکھیں سرخ اور چہرہ لال تھا۔ جاتے
 جاتے اس نے مجھے محبت پاش نظروں سے دیکھا اور مسکرا
 کر بولی۔

”میرے بھولے بادشاہ تم سدا ہو۔“
 میں اس کی بات سن کر حیرت سے اسے تنکے لگا۔

پھر نہ جانے میرے من میں کیا آیا۔
 میں نے سزا کر رکھا۔ "تم بھی کچھ نہیں ہو۔"
 میری بات سن کر اس کا چہرہ جیسے گھبرا ہو گیا
 اور پھر وہ مجھ پر بڑی سے باہر نکلی۔

صبح سے شام تک وہ میری خوب خدمت کرتی
 اور سات میں نہ جانے کہاں چل جاتی۔
 میرے کمر پر چڑھا ہوا ایک چمک چمک کر طرح
 سخت ہو چکا تھا اس لئے میں بے چلنے سے قاصر تھا
 ایک بات نہایت حیرت انگیز کی یہ عجیب و غریب قسم کا
 لپ جب تک میرے جسم سے لگا رہا تھا حواسِ ضروریہ
 کی حاجت پیش نہ آئی لپ کے ساتھ مجھے دور دراز
 ہو چکے تھے۔

ایک روز صبح کے وقت دو ہفتے کے ساتھ مل کر
 پیلا بگی لائی جس میں بزرگ کا کئی سیال تھا۔
 اس نے وہ سامانیاں میرے جسم پر اٹھ کر دیا
 سیال کے جسم پر گرتے ہی وہ لپ اپنے گھرنے لگا جیسے
 فراخ کے موسم میں درختوں سے پتے پھرتے ہیں
 چند ہی نظروں میں اس سامانیاں لپ سے صاف ہو گیا
 لپ صاف ہوتے ہی میں نے دیکھا کہ میرا اوپر ہی حوض
 برہنہ ہے جبکہ مجھے صرف ایک جالیگہ موجود ہے۔
 میرے جسم کو چھوڑتے ہی اس کی خال خال آنکھوں میں
 خراشاں چھا گیا، سر سرخ سرخ سے ڈورے اس کی آنکھوں
 میں تیرنے لگے۔

وہ نہایت بھوکے نظروں سے مجھے گھورتے گی حتی
 اور پھر بڑھ کر کچھ کچھ ہوت چلی ہوئی باہر نکلی۔
 کا تا کا اس طرح گھوندا میری کچھ سے باہر تھا،
 میں پھر اُدھر مجھ پر بڑا رہا تھا کا تا اس جگہ سے
 دو چار دفعہ آتی ہشت کے کہ جاتا تھا کہ میں چلی جاتی یہ
 چیز میری کچھ سے باہر کی روئی کہیں سے کرنی کیا ہے؟
 اس جنگل میں کیوں ہے؟ مجھے کبھی مجھ پر بڑی سے
 باہر نکلتی نہیں دیتی؟

ان سوالات کے جوابات نقشہ سے کافی دن
 مجھ پر بڑی میں چڑے گزر چکے تھے جب بھی میں باہر نکلتے

کی کوشش کرتا وہ مجھے منع کر دیتی۔

میں اس مجھ پر بڑی سے باہر نکلتا چاہتا تھا اور پھر
 ایک روز میں نے صحت کے مجھ پر بڑی سے باہر نکلتے کا
 فیصلہ کر لیا۔ اس رات قریب 7 یا 8 کا وقت ہو گا کا تا
 کے آئے ہی مجھ پر بڑی سے باہر نکلتے کا فیصلہ کر لیا
 باہر نکلتے کے بعد پہلے تو مجھے کچھ نظر نہ آیا کچھ قاصد ملے
 کرنے کے بعد رات کی تاریکی میں جنگل نے اپنے
 خدو خال نمایاں کرنا شروع کر دیے تھے درخت
 جھاڑیاں، کیلیں، خنکے وھندے اور گرمی نظر
 آرہے تھے میں آہستہ آہستہ چل رہا تھا کہ میرے
 قدموں کی آہٹ کا تا تک نہ پہنچ جائے۔

میں ایک جگہ رک کر جانا چاہتا تھا۔
 کا تا تک نہ پہنچ جائے۔
 کا تا تک نہ پہنچ جائے۔
 کا تا تک نہ پہنچ جائے۔

میں چاہتا تھا کہ کسی طرح جنگل سے نکل کر کسی
 قریبی ایسی یا شہر یا پانچوں کے تار سے میرے ساتھ زندگی
 شروع کر دوں ان تمام لوگوں۔ مجھے اس جنگل میں ایک ماہ سے
 زیادہ گزار چکا تھا مجھ پر وہ ہمارا برکتیت دوبارہ طاری نہ
 ہوئی تھی جس کے زیر اثر میں نے ایک بے بس
 اور بے پروا ہونے کا خون اور جو ان کی خصوصیت کا کل
 کا تا تک نہ پہنچ جائے۔
 میری خاموشی کی میرا دور تھا میں اس ہمارا برکتیت کے
 تار سے کچھ کا تا تک نہ پہنچ جائے۔
 اعزاز تھا ان تمام کے خون نے لایع اور میں نے مجھے کہیں
 لا کر کوئی آواز نہ تھا جس وقت کوئی خبر نہ کرنا چاہتا تھا آج
 وہی وقت کوئی خبر نہ کرنا چاہتا تھا آج
 حصول نے آج میری دیر تک بتا دی تھی۔

رات کی تاریکی میں کافی دیر تک چلنے کے بعد
 مجھے ایسا لگا کہ میں راستہ گھٹا ہوا ہوں میرے جیسے
 خوف آدی شاید اس دنیا میں کوئی ہو گا میں تو آج یا رات
 کے غریب مجھے نہ تھا نہ کھانا نہ پانی نہ ہوا چکا تھا۔

آگے جانا خطرے سے خالی نہ تھا اور وہاں کا
 راستہ میں بھول چکا تھا کہ میں اس کے اندر کی طرح آگے

بڑا تو لگتا تھا کہ میری ملاقات موت سے ہوئی ان تمام
 لئے پھر اگر میں مر جاتا تو میری روح ہر وقت بے سکون
 رہتی۔ اور جب تک میں ہوا کو کامل نہیں کر لیا اس وقت
 تک میں جہنم سے نہیں نکلتوں گا۔

میں وہیں ایک درخت سے لپک لپک کر بیٹھ گیا،
 کچھ ہی گزے گزرے ہوں گے مجھے اپنے ہیوں کے
 قریب ہمارا سر ہی محسوس ہو گا کی میں چوک کر اٹھ
 کھڑا ہوا اور دروازے سے شتر میں سے مہرے کا پانی
 آیا..... میں ڈر کے مارے بیٹھنے لگا۔ اور پیچھے بیٹھ
 ہوئے میری کراہی کا بجائے جاگے۔

"جمن..... جمن..... جمن....." اچانک میرے
 کانوں سے پانوں کی جھکائی آواز آنی خیر اور آواز کی
 کہ خوف سے میرے بدن کے سارے ماسوں نے
 ہینسنا کر دیا۔

"جمن..... جمن..... جمن....."
 "کہاں ہو....." ہاتھ..... میں ہر جہنم تہماری
 پرکھیا کرتی ہوں بھائی کی آگ میں مجھے تھمت جاناؤ۔
 ایک دور تک میں ڈوبی آواز میرے کانوں سے نکلتی۔
 "جمن....." فورا میری زبان پر آیا تو میں لالے
 قدموں داہیں بھاگا۔

میری مثال ایسی تھی کہ ہر دیر میں کھائے
 اور میری بھانجری۔
 بھانجری بھانجری میرے کسی پتھر سے گرنے
 اور اس پتھر کے گرنے سے مجھے ایسا لگا کہ بہت سے
 سورج اچانک طلوع ہو کر غروب ہو گئے ہوں پھر اندھیرا
 چھا گیا۔

☆.....☆.....☆.....
 آگہ کھلتے یا مجھے نہ جانتے کیوں عجیب سا
 احساس محسوس ہوا شاید یہ احساس کسی قسم کے خوف کا تھا۔
 مجھے اپنا سر بھی بھڑکائی محسوس ہوا ہاتھوں لگ رہا تھا
 کہ میرے سر پر سونوں بوجھ ہو چکا ہو لیکن کے بعد
 میرے سر میں بھلی ہوئے تو میں نے دیکھا کہ ایک
 پتھر کی ٹکڑی میری سر پر اس کی جیسے کوئی نہیں ہو۔

اس کھڑی کا حال بھی اسی غار پر چل جیسا تھا
 جہاں عموماً خطرے کا قسم کے قیدی رکھے جاتے ہیں
 دیواروں پر بڑی بڑی دیو جیسی نصب ہیں جن میں ہڈیوں
 کے ہونچے بچھڑے ہوتے تھے شاید یہ وہ مجھ پر قیدی تھے
 جنہیں کسی جہنم کی جگہ سے لائے گئے ہوں گے اور
 پھر مجھ کو چاہے مر گئے ہوں گے، میں نہیں سمجھ رہا تھا
 کہ میں یہاں کیوں قید ہوں؟ مجھے یہاں کی لایا نہ جانے
 کسی کسی کو کھو مرنے سے نہیں سمجھا گیا تھا؟ میں نے خود پر
 نگاہ ڈالی تو میں حیران رہ گیا کہ میرے جسم پر کھڑکیوں کی
 جگہ ایک رنگ کا ایک چمک چمک رہا ہے میری کچھ میں نہیں
 آ رہا تھا کہ میں اس غم اور میری کال کھڑی میں کیا کر رہا
 ہوں اس نے مجھے نہ کیا کیا تھا۔

انہی چوڑوں میں غلطیاں تھا کہ مجھے کسی کے
 قدموں کی آہٹ کی آواز سنائی دی۔ میں چکرنا ہو کر بیٹھ
 گیا کہ میں یہاں کیوں آتا ہے۔ قدموں کی آہٹ قریب آتی
 گئی تو وہ میرے ہی سر سے مارنے آنا تو اس کو دیکھ کر میں
 چپک گیا..... فورا کے ہونٹوں پر طعنے سے مسکراہٹ تھی۔
 فورا کوئی اور نہیں بلکہ کا تا تھا..... میں چلی چلی
 آگھوں سے کا تا تک تک دیکھ رہا تھا۔

کا تا کا رہا اس بار باہر ہی بڑا ہوا تھا.....
 اس نے میرے دھک کا بار یکساں چاند ڈھل رکھا تھا جس
 سے اس کے خوب صورت جسم کی ریتاں نمایاں ظاہر ہو رہی
 تھیں اس نے چہرے پر ہجرت لگھا تھا۔
 "کیوں بڑو ہمارا مان....." بھانجری
 تھے..... اس کے لیے سے طعنے ظاہر ہوا تھا میں نے کوئی
 جواب نہیں دیا..... مجھے اس سے زرخش ہو رہا تھا۔

"ہمارے جنگل سے بچ لکنا آسان نہیں ہے
 کیجئے تم۔" وہ درخت سے کھڑی میں اس کی بات سن
 کر چونک رہا تھا اس سے میرا کوئی کیادہ ایسی نہ تھی۔
 تو میں نے اس کے دھمکیوں کو نظر انداز کر کے
 گھوڑی دہی پھر لے کر اپنے گھر کی طرف چلی۔
 مجھے نہیں معلوم تھا کہ کا تا کس قدر خطرناک
 عورت ہے اس کا مجھے علم نہ تھا۔

”تم بھی بھی کامیاب نہیں ہو پاؤ گی۔“ میں نے دل میں کہا۔

☆ ☆ ☆

پراسرار اور شیطانی مندر قربانی کے لئے تیار تھا۔ لیکن قربانی سے پہلے بھوانی کی عکروہت کی پوجا ہونا باقی تھی جبکہ عکروہت میں زمانے کے بڑے بڑے جہاں روشن تھے، اگر جی کا خوشبودار دھواں پورے ہل میں بھرا ہوا تھا۔

مجھے اور اس لڑکی کو لوہے کے بنجرے میں مورتی کے بالکل قریب رکھا گیا تھا بھوانی دیوی کی مکروہ مورتی کے قریب

اچانک فضا میں گھسنے کی آواز گونجی۔ ساتھ ہی

ساتھ ناقوس پھونکے جانے لگے۔
 کانا نے اس دقت سرخ اور چست لباس پہن

کھا تھا وہ لباس بالکل ایسا تھا جیسا کہ اسٹار وار کی فلموں میں
 ریکوں نے پہن رکھا ہوتا ہے، کائنات کے سارے ماحظوں
 نے یہ اچھوٹے پن پر کھنکھن کے چہرے کتابوں میں
 دیکھے ہوئے تھے۔

کاملاً آہستہ آہستہ چلتی ہوئی اس کردہ مورتی کے
درمیان آئی اس کے چہرے پر عقیدت اور محبت کا دریا
وجہن تھا یہ مسکراتے ہوئے بولی۔

”عظیم دہوی..... تیری غافلانی غفلتوں کو ساما
برے سامنے والے مارے شیطان کے بہتر ہیں۔ وہ
شیطان جماعہ جبر کے کشتیاں ہے۔ وہ شیطان جس نے
کالی قوتیں جنسی ہیں۔ خزانے کا راز ظاہر کر دے
ی۔“ تاکہ کر دے جسے میں گئی اس مشرک کو جسے
کرتے دیکھ کر میری لڑائی اُٹھنے سے کانپ گئی، ایک
پاک کے سوا کسی اور کو جسے کیسے جائز ہو سکتا ہے
حال ان کی دریکہ دے جسے میں بڑی۔

پھر اس نے سراٹھایا..... چند لمحوں تک وہ میری
رف و بیکتی رہی، مگر زور زور سے ہاتھ پھونکنے لگی
اس کی تیز آوازوں نے دہلیز پر کالے چوٹے والوں

میں یہاں سے دو کوس دور ایک گاؤں پہنچا وہاں رہتی ہوں۔" اتنا سننا تھا کہ میں کانپ کر رہ گیا گویا ہم دونوں یہاں قربانی کے لئے لائے گئے تھے۔

”کیا ہم ہمارے نہیں کہتے؟“
 ”جی نہیں..... مجھے اپنے بوڑھے والد کی فکر ہے،
 سات کے اندر میرے میں انہوں نے مجھے گھر سے اٹھا
 کیا ہے۔ میری موت کے بعد میرے والد کا کیا ہوگا۔“ اتنا
 کہہ کر وہ پھر رونے لگی۔

☆ ☆ ☆

نہ جانے کتنی درد پر ہی اس نے لڑکی کو ہولی..... پھرا
میں نے دیکھا کہ وہ لڑکی جس کا نام ملا تھا وہ تو روئے
موسیقی کی شور میں جاگ رہا تھا مجھے خندیں خندیں آ رہی تھی۔ لڑکی
کو دیکھ کر یہ بات تو جرات ہو گئی تھی کہ نیند پر سوجھ بوجھ
آ جاتی ہے میری موت میں زیادہ دقت نہ تھا، نہ جانے
کیوں مجھے لگا تھا کہ میں نہیں مروں گا..... پھر مجھے بالوں اور
اسے بھائی سے انتقام کے بغیر میں نہیں مل سکتا۔

کچھ ہی دقت گزارا ہوگا کہ مجھے قدموں کی آہٹ
سنائی دی۔

آنے والا کوئی اور نہیں کاٹا تھی کاٹا نے جسم پر جنور اور انی شرٹ پہن رکھی تھی اور چہرہ فل میک اپ سے مزین تھا کاٹا کے ہاتھ میں ایک بڑا سا کٹورا تھا۔ کاٹا مجھے مسکراتی ہوئی نظروں سے دیکھ رہی تھی..... اس کے چہرے پر افسانہ خاثرات تھے جیسے کہ وہ اپنی کامیابی کے بالکل نزدیک ہو۔

”کیسے ہو مہاراج۔“ اس کی نظر میں ڈوبی آواز
میرے کانوں میں ذہر گھول رہی تھی۔

”مجھے جانے دو..... میں نے تمہارا کیا بگاڑا“

”ہمارا تو ہر امن لوگوں نے بھی نہیں تھا جن کو
میں نے قتل کئے بس آج آخری قربانی ہے اس کے بعد
دیوی خزانے کا راز مجھ پر ظاہر کر دے گی جس کے لئے
میرا نے بہت سے معصوموں کو ہلاک“

یہ کہہ کر وہ کہیں کھو گئی جیسے کمانے والے مستقبل

چربی کے گزرنے والے کے کہتے ہیں کہ وہاں پر سٹاپ کی چیزوں کی آڈل پر سٹاپیٹس ساتھ ساتھ مجھے حیران آڈل پر بھی سٹاپیٹس دیں کوئی شخص کا لیاں بیک رہا دنیا میں مٹ کر رہے ہوں گے کہ میں نے دیکھا کہ درمیان میں جیسے جیسے غلام ایک ایک کو انہوں سے کہتے ہوئے لارے پر لڑی نہیں ہمتی معمولی سے پڑوں میں جس صاف ظاہر ہوا تھا کہ وہ لوگ اسے کسی قریبی گاؤں سے اٹھائے ہوئے ہیں لڑی کی حالت بڑی کھلی تھی اس کا سوتی شلوکر میں جگہ سے جیسے جگہ چٹا نہیں ہے بڑی سے روٹی سے کھڑی کا دروازہ کھول کر اسے دروازہ کا سٹاپ دیا۔

ہوئی کوٹھری کے فرش پر کرتے ہی یہی طرح
سکے گی۔

ٹوکی کی حالت ہے حدنازک تھی۔ میں نے لاکھ
دو لاکھ دیکھا کٹھری کے بائیں طرف ایک سٹین کم
ایک گنڈا سا گلاس موجود تھا، میں کراچے ہوئے اٹھا
اور منٹے سے پانی بھرا اور ٹوکی کے سامنے کھڑا ٹوکی نے
سوئے سر اٹھایا اور چہرے تک میری طرف دیکھنے
کے بعد سارا گلاس ایک ہی سانس میں خالی کر دیا۔

ٹوکی کوئی خاص خوب صورت نہ تھی مگر اس میں ایک کشش تھی خاص کر اس کی آنکھیں جسے دیکھ کر مجھے ہالو یاد آ سکی وہی ہالو جس سے میں نے محبت کی تھی، وہی جس نے مجھ سے نہیں میرے بھائی سے محبت کی تھی وہی ہالو جس نے مجھے لٹریچر و ادب نہ جانے کیا کیا کھاتا تھا اس سے بدلہ لینے کے لئے آج میں اس حال میں تھا۔

”کون ہوتا..... یہ سب کیا ہے.....؟“ میں نے اس سے نرم لہجے میں پوچھا۔

”مم..... میں نہیں جانتی..... میں صرف اتنا جانتی ہوں یہ مردہ گردہ ہے جو مکمل چاند رات میں ایک لڑکا اور ایک لڑکی کی قربانی ہو جتا ہے۔“

چاند کی وہ ایک مخصوص رات ہر تین ماہ بعد آتی ہے۔ رات آنے میں صرف دو دن باقی ہیں اور دو دن بعد..... ہم دونوں..... مجھے یہ لوگ انخوا کر کے لائے

مستند ڈاکٹروں، جیسوں ماہرین طب ہدایات مشوروں سے لکھی گئی مفید کتاب

قیمت -/100 روپے

ہیپاٹائٹس اور علاج

(کالاچان)

پڑے ہیپاٹائٹس کیوں اور کیسے ہوتا ہے، جگر کی ساخت، جگر کا اہم کام، یوریا بننے کا عمل، ناکارہ خون کے ذرات، مفید عضو، ہیپاٹائٹس اور کینسر، جنسی علامات، مرض کی وجوہات، قدرتی نظام، گردوں کا عمل، ہیپاٹائٹس اے، اور ہیپاٹائٹس بی، ایلیو جنسی اور ویسرو، بیٹھتی علاج، ہیپاٹائٹس کا طبی علاج، دافع درو جگر، لُخز دافع یہ کان، لُخز آملہ، شربت امار، عرق کاسی، لُخز آب آہن تاب، خشک انجیر سے علاج، گروے کا درد، گروے کا درد، جگر پر درم، جگر میں گری، یرقان (پیلیا)، نرادرہ پیشاب آنا، گردوں کے نقص، جگر میں درم کے لئے، تلی کا رائے سے علاج، تلی بڑھانا، تلی کا درم، آک سے یرقان کا علاج، امراض گروہ مثانہ کے چند نئے، دن میں صرف دو بار کھائیے، دن میں آٹھ گلاس پانی پینا ضروری ہے، روزانہ پندرہ منٹ ورزش کریں، حفظان صحت کے 39 اصول، اور دیگر معلومات اور ان کا علاج گھر بیٹھے کیجئے۔

عظیم نظام مصطفیٰ

شیخ مجاہد ایمنی
نوبل اسکالرشپ گراڈیو
ایڈیٹور
Ph: 32773302

میں ہوا کی شائیں شائیں سٹائی دس دی جس ہوا کے دور کے سبب آگھیں بند ہو گئی تھیں۔

میری آنکھ کھلی تو پانی کے تیز شہر کی آواز میرے کانوں سے ٹکرائی میں فوراً تھ بیٹھا میں نے دیکھا کہ میں کسی جہاز کے حشرے پر تھا ہوں۔ رات کا گہرا اندھیرا چاروں طرف چھایا ہوا ہے فضا میں پانی کے شہر کے سما اور گئی آواز نہیں گئی۔

میں نے آگھیں پھاڑ پھاڑ کر اندھیرے میں چاروں طرف دیکھا گرد پاں گپ اندھیرے کے سوا کچھ نہ تھا۔
”کونسی ہے؟“ میں نے جہاز کے حشرے پر کھڑے ہو کر چاکر پوچھا۔

مگر جواب عائد تھا بہت دیر تک جیتنے چلا تے رہنے کے بعد مجھے اندازہ ہو گیا کہ میں اس جہاز پر اکیلا ہوں اور یہ جہاز سمندر کے وسط میں کھڑا ہے۔
خوف اور وحشت سے میرا دل کتھپوں میں گھڑنے لگا تھا۔ یہ سوچ کر مجھے ہول آنے لگے تھے کہ میں اس دریاں جہاز میں اکیلا ہوں اور وہ سمندر کے وسط میں کھڑا ہے۔

بھوک اور پیاس کی شدت سے میرا حال خراب تھا۔ اچانک مجھے ایک عجیب سی آواز سٹائی دی۔ آواز کچھ ایسی تھی کہ مایک سسٹم میں خرابی کے بعد بھی آواز پیدا ہوتی ہے۔ میری کیفیت اس خوف ناک اور وحشت ناک فلم کے ہیرو سے مختلف نہ تھی جو کہ خوف ناک واقعات کا شکار ہوا جاتا ہے فرق صرف اصل اور نکل کا تھا۔ میں نے سوچا کہ اس طرح مرنے سے بہتر ہے کہ پتھر بدمر مر جائے اسی لئے میں اندھیرے میں ٹوٹا ہوا حشرے سے کچے ٹیکسٹ کی طرف جانے کا راستہ اچھوٹنے لگا رات ڈھونڈنے میں مجھے کئی دفعہ گردوں کا سامنا کرنا پڑا۔ لیکن اندھیرا اس قدر گہرا تھا کہ میرا کمرے بڑھ نہ پایا۔ مجھ پر جیج کا انتظار کرنا پڑا۔ بھوک پیاس کی شدت بہت بڑھ چکی تھی آخر مجھے نیند آگئی۔

مجھے اللہ رسول کے واسطے دیئے تھے شاید میں بہا ہو چکا تھا اس پر ابرار فوت کے زہر میں میں اس مصوم کی آبرودہی۔ پھر اس کا خون بھی پی..... جب میں بائیں سٹائی سے قاصر ہوا تو دیکر میری کئی دیکھ بھگھ پر غصہ ہو گیا ہونے لگی میرا جسم ہلکا ہونے لگا..... شاید قبرستان دلی و دوت مجھے چھوڑ کر چلی گئی۔

میں نے خوف زدہ نظروں سے اندھیرا دیکھا تو مندر کا نقشہ ہی بھلا ہوا تھا۔ کانا کی لاش بہت کا نمونہ بنی اس ہے جان۔ بت کے سامنے تھی، کانا کی پہلی جگہی خوف اور حیرت کے تاثرات جگر ہو چکے تھے تو کئی کی نیم برہنہ لاش میری سٹائی کا جھوٹ دے دی تھی مندر کے سارے مخالف بھاگ چکے تھے میں اس مندر میں لاشوں سمیت خون سے لت پت کھڑا تھا۔

خوف سے میرا حال خراب تھا میں دل ہی دل میں اس وقت کو یاد کیا کہ میرا تھا جب میرا سامنا جان فریک سے ہوا تھا جو مجھے سچ کھنے جانے کہاں حشرے کر رہا ہوا تھا مجھے اپنے اس مردود بھائی کو اس پانوہ صفا کرنے لگا جو کہ میری خوشیوں کے قاتل تھے میں سر نہیں ٹھکا تھا انتقام لئے لیٹر۔

اچانک مجھے ابراہان کا کہنے کو کئی میرے بالکل پیچھے کھڑا ہے۔

میں نے حکم کر دیا کہ تو میری آگھیں حیرت اور خوف سے پہلی کی پہلی رہ گئیں۔

اب بھولائی کی چٹری کے ہے جان مورتی میرے سامنے کھڑی تھی اس کی چٹری آگھوں میں آگ کے شعلے سے دھتے نظر آ رہے تھے۔
”دھتاں کا پتھر بازو دھتشی انداز میں ہلا اس نے میری گردن پکڑ لی اور مجھے چپے کی طرح لوہا اٹھا لیا اس کے کاب ہے۔“

”کانا..... میری بھانجری تھی..... اور تو نے..... میں تجھ سے اس کا ہلا لوں گی۔“ اس کی آواز غراہت سے مشابہ تھی اتنا کہ میں نے مجھے ہوا میں اچھال دیا۔ میرا جسم فضا میں اڑنے لگا۔ مجھے اپنے کانوں

میں نے جانے کب تک سوتا رہا، کسی قسم کی آواز سے میری آنکھیں کھلیں۔ وہ آواز نہ جانے کسی کی کڑواہٹ سے میرے جسم میں لرزہ طاری ہو گیا۔ میں نے اٹھ اٹھ کر دیکھا تو صبح کا ابلال دیکھ کر طرف ہلکا چکا تھا۔ میں نے بے چمن نگاہوں سے پاروں طرف کا ایک جائزہ لیا تو عرض پر ہر طرف سیاہ رنگ نظر آیا جہاز کا ایک ایک حصہ سیاہ رنگ کا نظر آ رہا تھا۔ حریت انگریز بات بھی فضا میں ہر طرف غومت سی گئی ہوئی تھی۔

عرشے کے جس آخری سرے پر میں موجود تھا وہاں سے ایک نیند بچھوٹی طرف ابھرتا تھا وہ دیرستہ قید خانے کا تھا۔

جیسے ہی میں بیڑیوں سے اتر کر چلے گاں گئے مجھے ایسا لگا جیسے کسی نے مجھے گتھ کی ہو کر وہاں مت جاؤ۔ لیکن میں ڈرنگ آلود زمین میں ہلچل مچا کر گیا۔ اس چھوٹے سے قید خانے میں عجیب سی سٹین زدہ بدبوئی مچلی ہوئی تھی۔ قید خانہ میں شیم اندھیرا تھے سامنے ایک چپتر سے پر ایک تابوت موجود تھا جس کا رنگ سیاہ تھا۔

ایک ایک مجھے ایسا لگا جیسے کوئی طاقت مجھے کھسکے رہی ہو کر "تابوت کا ڈسکن اٹھاؤں۔" میں آہستہ آہستہ تابوت کی جانب بڑھنے لگا جبکہ پیال کا ہر احساس مفقود ہو چکا تھا جیسے ہی میں نے تابوت کا ڈسکن اٹھاؤں۔ ایک تیز جھجکی کی آواز میرے کانوں سے گھڑکی۔ جیج کی آواز دوسرے سے میری جگر پر گرج رہی تھی۔

دہشت کی ایک لہر میرے جسم میں دوڑ گئی۔

چوتھا باہر نکل گیا چند لمحوں میں ہوسے کا ہوا تہہ خاند چکاڑوں سے بھر گیا چکاڑوں کے چیننے کی آوازیں عجیب سا ماحول پیدا کر دی تھیں جس کی تہمت کی بات یہ ہے کہ چکاڑوں کا گھم پر عمل کرنے کے بجائے چمت سے ان کا لگائی جی۔

چوتھا باہر نکل گیا چند لمحوں میں ہوسے کا ہوا تہہ خاند چکاڑوں سے بھر گیا چکاڑوں کے چیننے کی آوازیں عجیب سا ماحول پیدا کر دی تھیں جس کی تہمت کی بات یہ ہے کہ چکاڑوں کا گھم پر عمل کرنے کے بجائے چمت سے ان کا لگائی جی۔

چوتھا باہر نکل گیا چند لمحوں میں ہوسے کا ہوا تہہ خاند چکاڑوں سے بھر گیا چکاڑوں کے چیننے کی آوازیں عجیب سا ماحول پیدا کر دی تھیں جس کی تہمت کی بات یہ ہے کہ چکاڑوں کا گھم پر عمل کرنے کے بجائے چمت سے ان کا لگائی جی۔

چوتھا باہر نکل گیا چند لمحوں میں ہوسے کا ہوا تہہ خاند چکاڑوں سے بھر گیا چکاڑوں کے چیننے کی آوازیں عجیب سا ماحول پیدا کر دی تھیں جس کی تہمت کی بات یہ ہے کہ چکاڑوں کا گھم پر عمل کرنے کے بجائے چمت سے ان کا لگائی جی۔

دوسرے لگا تھا۔

اب میں شاید پہلے سے بھی زیادہ بڑی مصیبت میں پھنس گیا تھا۔ وہ تو تیرے پہلے ہی میں ضرورت کے تحت گھر پر عادی ہوئی تھی میرے کان میں آ رہی تھی مجھے ایسا لگا تھا کہ جیسے کہ میں سرچکا ہوں۔ مجھے سب کچھ یاد تھا کہ میں کون ہوں دلچسپ میرے کانوں نے کچھ عجیب سی آواز سنی تھیں جیسے بہت سی عورتیں رورہی ہوں۔ جیسے لوگ کسی میت پر پیٹنے رو رہے ہیں چہرے پر آواز کی آوازیں سن رہے ہیں۔

میری آنکھیں سامنے کے دیوار کے کھاف پر جمی ہوئی تھیں۔

میرے دیکھنے دیکھنے کھاف سے دھواں اٹتا شروع ہو گیا۔

دھواں داغ ہونے لگا۔ اس دھواں سے جو پھیل کر اٹھ رہی اس بوڑھے کی جیج کی جیج کا میں نے ٹرین میں خون پا تھا اس بوڑھے کی آنکھیں چمکی ہوئی تھیں ان آنکھوں میں غرت اور حسرت موجود تھا، دوسری صورت کا کان کی جیج کی آنکھوں میں غرت اور حسرت موجود تھی۔

دلچسپ اس دھواں نے جسم کی صورت اختیار کرنا شروع کر دی، اس بابا کا دلچسپ صورت میں تھی۔

دلچسپ کا حال اس وقت نہایت عجیب دھواں ناک تھا وہ اپنے ٹیکڑوں سے بے پناہ کی جیج کی جیج کی صورت میں تھی۔

میرے کانوں میں ایک جھمکے چپتر سے پڑا ہوا ایک ماحول تھا۔

میرے کانوں میں ایک جھمکے چپتر سے پڑا ہوا ایک ماحول تھا۔

میرے کانوں میں ایک جھمکے چپتر سے پڑا ہوا ایک ماحول تھا۔

میرے کانوں میں ایک جھمکے چپتر سے پڑا ہوا ایک ماحول تھا۔

میرے کانوں میں ایک جھمکے چپتر سے پڑا ہوا ایک ماحول تھا۔

پہلے ہی میں جیج کا ہوا تھا مگر جیج نہیں پاتا تھا۔

ساپ رنگا ہوا میری طرف بڑھنے کا میرا چہرہ دہشت سے سلیک پڑ گیا۔ کچھ لمحوں میں ساپ میرے جسم پر چڑھنے لگا۔

اس سے قبل کہ ساپ میری گردن سے منگ لگا پاتا کہ ایک ساپ نے فضا میں کی گئی فٹ ابھلا، جب وہ بچے آیا تو وہ گھولوں میں بند چکا تھا۔

جہاں کا کتا کھڑی تھی وہاں سے قہقہے فاصلے پر لپٹے رنگ کا دھواں نظر آنے لگا تھا اس دھواں کے جسم نے پھیلنے پھیلنے کیلئے انسانی جسم کی صورت اختیار کر لی اب وہاں ایک 60-65 سالہ بوڑھا شخص کھڑا تھا جو کہ نہ تو قہقہے سے ہلکا ہوا تھا بلکہ اس کی طرح اس کے چہرے متانت کے بجائے خفاست تک رہی تھی۔

کیجیے قارچیک؟" کا دنا مسکراتے ہوئے بولی۔

"مرا انسان کیا ہو سکتا ہے..... دینے تہا میرے جسم بہت خوب صورت ہے اگر میں زندہ ہوتا تو ایک رات تہا میرے ساتھ ضرور لگتا۔" گارڈ نے اسے اوپر سے نیچے تک دیکھتے ہوئے کہا۔

"ضرور نادر..... بجا بجا کیا ہو سکتا ہے۔"

"اسی لئے تو میں نے اس کے جسم کو جون ٹریک کی مدد سے اپنا کھڑا کیا تھا کہ عورت کی مدد میری جوانی ہمیشہ میری رہا ہے کہ یہ پرائے تہہ خاند میں اپنی غرض کے تحت داخل ہوا۔ اس کے اعداد و لاچ مطلب عرض ہر چیز موجودگی اس لئے میں اس کے جسم میں داخل ہوا۔"

"مگر تھو اس نے مجھے قتل کیا..... میرے مقصد کیا کا تھا کیا۔" اس کا تہہ جھلٹاے ہوئے کہا۔

"نہی میری وجہ سے۔" اس نے کہا۔

آئے کی تو میں ضرور کتا گا۔" قارچیک نے ہلکا۔

"مگر..... میں اس سے انتقام ضرور لوں گی

اور انھوں نے کھت تو ناک سے اہرا تا۔

چلاکش آرام آرام سے چلنا ہو میری جانب آیا
میں دہشت بھری نگہوں سے چلاکش کو دیکھ رہا تھا۔
”آج سے تو میرا اظہام ہے۔“ قریب کچھ بھول
جانے گا۔۔۔ جس میں تازوں کا دھار دھار گھمے۔

میں نہیں جانتا تھا کہ چلاکش کیا کرنے والا ہے۔
میرے دیکھتے ہی دیکھتے اس نے دو چنگدر ساپ اٹھایا
اور مجھ پر چھوڑ دیا۔
خوف اور دہشت سے میرے مقل سے جیج کل
گی ساپ نے بڑی سرعت کے ساتھ میرے ماتھے پر
ڈس لیا۔

ساپ کے ڈسنے ہی مجھے ایسا لگا کہ جیسے کسی نے
تھکلا ہوا سہسہری رکوں میں اٹھ کر دیا اور مجھ پر بڑی
تیزی سے خود کی طاری ہونے کی ٹپاں لگ کر کہ جیسے
میں خود کھڑے ہو کر اڑا ہوا ہوں میری یادداشت میں
دھندلی ہوئی جادوی ہو چاروں طرف اندھیرا چھاتا
چارا ہو مجھے ایسے اندھیکاری کی غمیت ابھری محسوس
ہوئی کی جو خود کو دیکھ کر نہیں جانتی کی بھر پور تھکے ہوئے زندہ۔

☆.....☆.....☆

میں کون تھا؟ کہاں سے آیا تھا؟ میں نہیں
جانتا تھا، ہوش آنے پر میری شخصیت بدلی ہوئی کی چلاکش
اور دوسرے شیطانوں سے محبت کی محسوس ہو رہی تھی۔
”آج سے تمہارا نام چلی ہے۔۔۔ اور تم میرے
غلام ہو۔۔۔ اور میرا پہلا حکم ہے کہ میرے شراب پی جاؤ۔“
اس نے ایک سیاہ رنگ کا پیالہ میری جانب
بڑھاتے ہوئے کہا۔

پیالے سے عجیب سی بدبو اڑھ رہی تھی جیسے کہ کیا
گوشت سڑ گیا ہو کھنچے ہو خوشبو بکس ہو رہی تھی۔
میں نے اس پیالے کو دیکھا اور ہراساں ہو کر شراب
غناخت پی لیا۔
میرے شراب قلم کرتے ہی مجھے سینے
میں نہایت شدید قسم کی آگ لگی ہوئی تھی۔
”شباباش۔۔۔ اب تمہیں میرا ایک کام کرنا ہے

..... اگر میں خوش ہوں تو تمہیں اپنا جانشین مانوں گا۔“
”میں اس کی بات نہ منی۔“ مجھے ایسا لگا کہ ہاتھا
کہ جیسے کہ میرے سینے میں آگ لگ چکی ہو نہ جانے وہ
کس قسم کا شراب تھا جس سے مجھے شدید قسم کی طبع
محسوس ہو رہی تھی۔

میرے چہرے پر تکلیف کے آثار دیکھ کر چلاکش
اپنی حرکت آواز میں گویا ہوا۔
”یہ بچہ پاؤں کا کل ہے۔۔۔ تمہیں یہاں سے تیار
گاہ تمہیں میرا کام کرنا ہوگا۔“
”میں براؤ ناؤں پر چلا آؤں گا۔۔۔ میں نے
سر جھکا کر کہا مجھے خود جرحت کی کہ یہ جملہ میرے منہ سے
کلے کلے کیا، میں اس کی عجیب و غریب زبان کیسے بولنے
لگ گیا تھا۔

میں اپنی کالے جادو اور شیطانی قوتوں کا اثر
میں خود کی نہیں جانتا تھا کہ میں کیا بن گیا ہوں، بس ایک
حکم کا غلام۔
”شباباش۔۔۔ اب اس اسٹریچر پر لیٹ جاؤ۔“
چلاکش خوش ہو کر بولا۔ میں جب کر کے اس اسٹریچر
پر لیٹ گیا۔۔۔ میں نہیں جانتا تھا کہ آگے کیا ہونے والا
ہے۔ بس میں جب چپ چاپ اسے دیکھ رہا تھا۔

چلاکش نے آگے بڑھ کر میری پیٹھ کو دیکھا۔
میرا سینہ کھولا ہوا لگا کہ میرے دل کے بعد چلاکش نے اپنے
منہ میں ہاتھ ڈال دیا جب ہاتھ باہر نکالا تو ایک چوہے کے
سائز کی چمچیلی لکڑی کی میں نے زندگی میں ہی اپنی بڑی
چمچیلی نہیں دیکھی تھی۔

اب چلاکش اس نے وہ حرکت کی کہ میں سوچ بھی
نہیں سکتا تھا۔
میرے مقل سے بے ساختہ جیج کل گئی وہ چمچیلی
میرے سینے پر ایک دھکی دہی اور برابر اپنی سرخ سرخ
زبان سے میرے سینے کو چاٹنے لگی۔

”اس کا تھکا ہوا ہے اور یہ تمہاری رکھ ہے۔“
کچھ پر بعد چلاکش نے مقل سے عجیب سی آواز
نکالی۔ آواز کے نکالنے ہی روزانہ کل گیا تو ایک سیاہ

پش پش کی آواز اٹھ رہی تھی۔

”آج سے تم اس کے ساتھ رہو گی اور اسے کام
سمجھا دو گے کہ کیا کرنا ہے۔“ یہ کہہ کر چلاکش باہر چلا گیا۔
وہ چمچیلی میرے سینے سے اس طرح جھکی رہی تھی
جیسے کہ میرا سینا ہی قیام کا ہو۔
”یہ کچھ نہیں کرے گی۔“ مجھے اس طرح ڈر سے
دیکھ کر سیاہ پش پش لڑکی ہوئی۔

”شباباش۔۔۔ تم جاؤ۔“ لڑکی چمچیلی کی طرف دیکھ
کر بولی۔
چمچیلی نے سرفراہ کر اس کی طرف دیکھا کہ جیسے
اس کی بات سن لی۔

دوسرے کسے وہ میرے سینے سے اتر گئی۔
”جب تم اسے پکڑو گے۔۔۔ پیالہ جائے گی۔“ اتنا
کہہ کر اس نے میرا ہاتھ چکر کر اسٹریچر سے نیچے اتار دیا،
اس کے ہاتھ پکڑنے ہی میرے جسم میں ڈوڑھا دیکھ کر تیز
ہو گیا ایسا لگا کہ جسم میں خون کی جگہ کھلا ہوا سہسہ۔۔۔ ڈوڑھا
ہو مجھ پر ایک خدار الود کیفیت طاری ہو گئی میں نے اس کی
طرف دیکھا وہ میری طرف دیکھ کر سرکائی اور پھر بولی۔
”کسی وقت میں تمہاری ہی آرزو بھی پوری
کروں گی۔“

”میں چاہتا ہوں بہت جلد وہ دن آئے جب
مجھے قرب لے۔“ میں نے بھی جڑا کھنکھار کر کہا۔
زہر نے میرے اندر کی ساری انسانیت کو قلم
کر دیا تھا۔ سیاہ پش لڑکی مجھے نے کرتا پتی رہی اور میں بھی
اس کے ساتھ ساتھ چلنا رہا وہ اسے کے دوسری طرف
ایک سرگ نما راستہ تھا سرگ نما تارک بدست ایک تین
کے بند روڑوں کے پاس جا کر قلم ہو گیا، میں کہیں میں
نالا ہو گئے تین زیادہ بڑا نہ تھا۔

کہیں کی دیوار پر ایک نہایت عجیب سی بینک
گئی ہوئی تھی جس میں ایک گورت اور دو نظار آ رہے تھے
مروے گورت کے سینے میں کوا کو کھنچ رہی تھی۔
گورت کے سینے سے خون بہہ بہہ کر دیوار کے
سہارے کھڑے ایک تابوت پر گر رہا تھا۔

میرے لئے کئی بھی بات حجت ابھڑ نہ تھی کہ
ایک بے جا بینک سے خون کیوں نکال رہا تھا۔
سیاہ پش لڑکی نے تابوت کے ساتھ کھڑا ہونے
کو کہا۔ اور تابوت کا دھکن اٹھایا۔۔۔ تابوت کے
اندھیک آدی مروہ حالت میں ہاتھا۔ سیاہ پش لڑکی نے
بڑی تیزی سے اس مروے کے سارے کپڑے اٹارنے کے
مروے کے کپڑے اترتے ہی اس کا جسم تیزی سے گھلے
لگا چھوڑ گیا کس میں صرف صرف بھر پور مٹی کا ڈھیر تھا۔

سیاہ پش لڑکی نے بڑی ہی حکمت سے اس مٹی کی
طرف دیکھا۔ اور پھر میری طرف دیکھ کر بولی۔
”چمچیلی۔۔۔ یہ سارے کپڑے تم ہی کو۔“
میں نے کئی معمول کی طرح اس کے ہاتھ سے
کوٹ اور بینٹ لے لیا اور اسے میں کوٹ بینٹ میرے
جسم پر نظر آ رہا تھا۔
پھر اس نے نہ جانے کہاں سے ایک معلق کی پٹلی
نکالی اور مجھ پر چمچ کر دی۔
خوشبو کا ایک جھوکا اور میرے چہرے جسم کو سطر
کر گیا۔

”چمچیلی۔۔۔ آج سے یہ تابوت تمہارا گھر ہے۔۔۔
تم ہی میں ہو گے۔“
”تمہارا حکم آگھوں پر۔“ میں نے کہا۔
”شباباش۔۔۔ اپنا کان اڑا دو۔“
میں جیسے ہی اپنا کان اس کے قریب لے گیا اس
نے نہ جانے کیا چیخ بڑی۔۔۔ کہ کرم ہواؤں کے تیز
جموے مجھے بھانپے کان میں چلنے محسوس ہوئے۔
”میں تمہارے کانوں میں آگ آگے اپنی اس کا
سب سے طاقتور کس مینٹر چمک دیا ہے اب تم انسانوں
کی دنیا میں دیرا کر دے میرا ہم چاہیں گے۔“

”ہاں۔۔۔ میں وہی کروں گا۔۔۔ جتنی لوگ
کہوے۔“ مجھے ایسا لگا کہ جیسے میری آواز مجھے اچھے
کنوئیں سے آئی محسوس ہو رہی ہو۔
”شباباش۔۔۔ اب آگھیں بند کرلو۔“
اور جیسے ہی میں نے آگھیں بند کیں میرے

ہی زمین سے اٹھ گئے۔ مجھے اپنے ارد گرد تیر ہواؤں کا شور محسوس ہو رہا تھا، کبھی سمندر کی طوفانی موجیں شور کرتی محسوس ہوتی۔ میں ہوا میں پرواز کر رہا تھا۔
مجھے اپنے ارد گرد سناٹا محسوس ہو رہا تھا۔ مجھے ایسا محسوس ہونے لگی کہ جیسے کہیں تازہ دھن کئے گئے سرور کی خبر کی نے نکول ہوئی۔
”میں تمہیں بھول دوں۔۔۔۔۔“ سیاہ پوش لڑکی کی آواز آئی جیسے ہی میں نے آنکھیں کھولیں تو میں نے دیکھا کہ میں کسی قبرستان میں کھڑا ہوں اور سیاہ پوش لڑکی کا کہیں پتہ ہی نہیں۔

میرے چاروں طرف قبریں تھیں ہی قبریں تھیں۔۔۔۔۔ ان قبروں پر سوگی شاخوں والے درخت جھکے ہوئے تھے ان کے اوپر چاہے کھلا ہوا تھا جس کی باکی اور لاش روٹی قبرستان کی آغوا کا زور زیادہ ڈال رہا تھا۔
”اے اے اے بڑے چاؤ۔۔۔۔۔ جہلی۔۔۔۔۔“ سیاہ پوش لڑکی کی آواز میرے کانوں سے گزری۔

میں اے اے بڑے کھنکھاتا کہ قبرستان کا نیم فکس گیت میرے سامنے آ گیا تھا ایک گیت، گیت ہی سیاہ پوش لڑکی کو راہ نظر آئی۔ جو کہ گیت کے سامنے کھڑی کی وہ آہستہ سے چلتی چلتی میرے سامنے آ گئی اس نے اپنی چٹکی دھوئی کن آنکھوں سے مجھے گھورا اور پھر بولی۔

”اے اے اے طاقتور طلسمی مہتروں کی بدولت تم دنیا کی ہر زبان سمجھ سکو گے۔۔۔۔۔ رو پیہ پیہ تمہارے اشاروں پر آئے گے کہ جہاں جاؤ جاؤ جاتے ہو۔۔۔۔۔ جبرورپ لیا جا جاوے لے گئے مابک بات یاد رکھنا۔۔۔۔۔ صرف سب سے دور رہنا اور تمہارا انجام بہت خوب ناک ہوگا تم اس وقت حیریں میں ہو۔۔۔۔۔ اب جاؤ میں ہمیشہ تم پر نظر رکھوں گی اب جاؤ۔“ آغا کھردہ غائب ہوئی۔

اور میں جیسے ہی قبرستان سے باہر نکلا میرے سامنے ایک کچی مری مرگ کی ہی بڑے خوش اعزاز میں اس مرگ پر پھیل رہا تھا کونے کونے پر ادھنی کی شیطاٹوں کے کس قدر بھرا کھردہ گردہ میں پھنس چکا ہوں اچانک مجھے مرگ کے چچے سے بھلی بھلی روشنی چھوٹی

دکھائی دی۔
روٹی کا قطر ایک تھپے سے چھوٹی طرح تھا۔۔۔۔۔ آہستہ آہستہ روشنی کا سائز بڑھنے لگا۔ روشنی دھڑلے کی شکل میں تھی اور دھڑلے سے کریمز چھوٹ رہی تھیں۔ اس نے دائرے کے اندر مجھے ایک نہایت ہی خوب صورت اور دلورانی صورت دکھائی وہ ایک سپرڈرائش بڑھا جا جو تھپے دیکھ رہا بڑھے کی صورت کے ظاہر ہوتے ہی غصا یکدم جیسے مسطر ہوئی تھی آگنی ظریف اور میں خوشیو میں بڑھنے کی کسی نہیں سوچھی تھی اس بڑھے سے کیوں کا نہیں ہوئی۔

”کیا حال ہا گیا ہے۔۔۔۔۔ میرے بچے تو نے۔۔۔۔۔“ کون ہوتم۔۔۔۔۔ بڑے میاں۔۔۔۔۔ میں نے سخت بچے میں کہا۔
میری بات سن کر بڑھے کی آنکھوں سے حیرت نکلا ہوئی۔

”اپنے آپ کو پہچان۔۔۔۔۔“ میں نے تیرے کان میں چھپن میں لڑکی کی چٹکی اڑان کی آواز سنائی تھی۔ ”بڑھے کی آواز میں افسردگی تھی۔“
”کیا مطلب میں سمجھا نہیں۔۔۔۔۔“ میں نے حیرت سے کہا۔

”میں تیرا آپ ہوں پرنسپل۔۔۔۔۔ تو یہ کاروبار بھی بند نہیں ہوا۔۔۔۔۔ پہچان اپنے آپ کو شیطان کی باتوں پر مت چل۔۔۔۔۔“

”کبھی صحت کرو۔۔۔۔۔ بڑے میں ہمارا کھانا کھانا بیٹا نہیں ہوں۔۔۔۔۔ میں نے سخت بچے میں کہا۔
میری بات سن کر اس کی بڑھے کی آنکھوں سے غم ظاہر ہونے لگا۔۔۔۔۔ چند لمحوں تک وہ کچھ نہ بولا پھر اس کی آواز سنائی دی۔

”تیرے نصیب میں شوکرین کھانا کھا۔۔۔۔۔“ کاش تو قوت کی بارگاہ نے بغیر مددہر جائے۔۔۔۔۔ پھر اس بڑھے کا پھر میری آنکھوں کے سامنے سے غائب ہو گیا ساتھ ہی وہ روشنی بھی۔

میں حیران ہی بیٹان تھا کہ بڑھا کھردہ خود کو میرا

باپ ظاہر کر رہا ہے۔ میرا راز تو چلی ہے۔۔۔۔۔ میرا تو کوئی باپ نہیں۔۔۔۔۔ میرے ذمہ جو کام سونپا گیا تھا مجھے وہ کرنا تھا۔۔۔۔۔ میں مرگ پر چلا جا رہا تھا میں ٹھوڑی دور ہی گیا ہوں گا مجھے ایک کار کے بدلے کی آواز سنائی دی۔
میں نے مرگ پر غور کر دیکھا کسی کار کی روشنیانی میری طرف بڑھ رہی تھی۔

کاہرے نے رعب آ کر کوئی ہوگی میں شش و پنج میں چلا تھا کہ میں کار میں بیٹھوں نہ کیوں۔۔۔۔۔ میرے کانوں میں سرگوشی کی آواز سنائی دی۔ ”کیا کہیں تمہاری منزل کی طرف لے جانے کی جگہ جاؤ اس میں۔۔۔۔۔ آواز سیاہ پوش لڑکی کی تھی۔

سیاہ پوش اس سختی میں میرا زور خوف فتم ہو گیا اور میں اس غلامی طرح گاڑی میں بیٹھ گیا۔
”کاہرے نے نہایت غصہ کیا۔“
”گڈ ایونگ سر۔۔۔۔۔“ ڈرائیور نے مجھے مودبانہ لہجے میں کہا۔

میں نے بھی جواب دیا کہ اس کے سلام کا جواب دیا۔
”سیر کیا حال چال آپ کے میں آپ کو شہر کے سب سے تھپتے ترین ہوئی میں نے چلوں گا۔۔۔۔۔“

ڈرائیور نہایت ہی شاندار قسم کی انگریزی میں بولا۔
”میں ٹھیک ہوں۔۔۔۔۔ میں تو اس شہر میں نیا ہوں۔۔۔۔۔ میں نے بھی انگریزی میں جواب دیا۔

ایک بات تو میں ضرور سمجھ گیا تھا کہ ان شیطانی قوتوں کی وجہ سے میں دنیا کی ہر زبان بول اور سمجھ سکتا تھا۔
میری گاڑی جیسے ہی پھر کے سب سے بڑے ہوئی پتلی میرے مکان میں پہنچی سرگوشی سنائی دی۔
”اس ہونے لگا ایک گھور پرائی لائی کی جھپٹیں لے گی جس کے بال گولڈن رنگ کے ہوں گے جیسے اس سے دوڑی کرتی ہے تمہارا نام پرنس اسن ہے اسے ایٹانی بہت پسند ہیں تم اسے بھلا کر اس کے سب سے بڑے گرجا گھر کے پیچھے لاؤ گے۔ اس کے بعد میں یہیں تمناں کی کر کیا کرنا ہے۔“ میں نے نہایت میں سر ہلایا۔

ایک سرنگ باوردی ملازم نے آگے بڑھ کر گاڑی کا دروازہ کھولا اور میں سرنگر اتار ہوا میں داخل ہو گیا۔
میں اس بات پر حیران تھا کہ گاڑی سے نکلنے ہی میرے کپڑے یکدم ہی بدل گئے تھے رات کی دیکھتیاں عروج پر تھیں۔

ہوئی کے ہل کی بھر پور دیکھتیاں عروج پر تھیں ڈانک کلو پر پر ہند اور نیم پر ہند عورتیں دھن کر رہی تھیں کچھ لوگ ان پر ہندو۔۔۔۔۔ میرے آگے اور کچھ نہیں، ہل میں مدم سروں میں موسیقی بج رہی تھی دیکھیں اور دیکھ لو بڑے بڑے شہت ہاتھوں میں لے لے ادر ہوا میں مشغول تھے۔

کوئی کچا ہوا شرابی کسی دیڑس کو گولہ گدا دیتا تو وہ مسکراتی ہوئی ہماگ چالی گلی دیکھیں اور گاڑی کا گاہکوں کے ساتھ یک ہو کر ہوئی کے کردوں میں جا رہی تھیں۔

میں نے ایک میرٹھ کی اور اس پر بیٹھ گیا میں جیب میں ہاتھ ڈالا اور سرگت کا پیکٹ نکالا اور سرگت نکالا، چھتری گلوں کے بعد ایک نہایت خوب صورت دھڑلے میں سرگت سے اسٹے آ کر کوئی ہوئی۔

”تیس۔۔۔۔۔ آؤر پائیز۔“ اس نے پیشہ ورانہ سرگت سے کہا۔

میں نے اس کے ہاتھ پر پھر نغروں سے دیکھا۔ وہ ایک ٹھوس بدن اور ظریف لفظوں رکھنے والی لڑکی تھی اس نے کھلے کھلے لٹا اسکرٹ پہن کر کھانا جس سے اس کی آج و بچہ دنیا میں ایک جھلک دیکھی تھی اس کا چہرہ اور اس کی آنکھیں میں خوب صورت تھیں۔

”دن لاریج دیکھ دو سوا۔۔۔۔۔“ میں نے سرگت کر کہا۔

”اؤکسر۔۔۔۔۔“ اور کھانے کو کیا لایا اس؟“
پچن میٹھو کے لاریج فرار۔۔۔۔۔ میں نے سرگت اچانک سے بولے تھے۔
”وہ جانے لگی تو میں نے اسے آواز دے دیے ہوئے تھا۔

میری آواز بدور تک گئی۔
”نہیں سر..... وہ مسکرائی۔“

”تمہارے ساتھ محفوظ نہ رہا ایک اچھا تجربہ ہوگا۔“ میں نے اسے اوپر سے چنگمد بچتے ہوئے کہا۔
میری بات سن کر وہ لڑی آویز انداز میں مسکرائی اس کی مسکراہٹ سے حد جاعلمی۔

”واٹس ٹاٹ سر..... ہماری رڈز آپ کو کون کھم ہے۔“

یہ کہہ کر وہ مسکرائی ہوئی چل دی۔
آرڈر کے پورا ہونے تک میں اسی ویڑن کے

بارے میں سوچتا رہا۔
”عاشی میں پڑ کر اپنے متعدد کھول مت

جانا۔“ ایک دم میری سرکشی میرے کانوں سے گزرائی جو کہ یقینی آ سیاہ پٹری لڑائی کی۔

”ایسا کی نہیں ہوگا۔“ میں نے پر زوم بچے میں کہا۔

شراب کے گلاب کے پہلے گھونٹ نے میرے سینے میں آگ سی لگا دی تھی۔ جراثیم زدگی میں بھی نہ

چپا ہوا اس کے ساتھ وہی چربیلی ہار پیٹے والوں کے ساتھ ہوا ہے میرا چہرہ تکلیف اور کڑواہٹ کے احساس سے

جو گریگا تھا۔ ڈاکٹر میری نگرش پر پڑی ہل کے گٹ سے جیسے جیسے طالعوں ہوا تھا۔ اس لڑکی کا سن شہاب جیسے اس

پارے ہل کی قلم لڑکیوں پر ہماری رہی۔
سندھ رنگ کے اسکرٹ رنگدی رنگ نسا

احراج پیدا کر رہا تھا۔ اس کی غرور گردن، نکالی چہرہ، بڑی بڑی روتھ سیاہ آنکھیں سہرے ہل ہرزہ کے

جذبات کو کھل کھل کرنے کے لئے کافی تھے۔
میں سے وہ لڑکی اس کا نام سالوں سے..... اس کا

شکار ذرا ہوشیار سے کرتا۔“ وہی دم گھر میری سرے کانوں سے گزرائی۔

وہ لڑکی ہل میں داخل ہو کر ہر دھڑکیچنے لگی تھی۔
ہر زور ہنٹھڑوں نے اس کا طواف کیا تھا تو وہی در ہند

وہ ایک خالی غیر منتخب کر کے اس کی بیٹھی تھی۔ اسے پیشے

ہوئے تو وہی دہری ہوئی تھی کہ بہت سے نوجوانوں نے اسے

رخص کی دعوت دی تھی مگر سن سوسکڑا سکر کا تھی میری

تجھ ہی کے گزرے ہوں گے کہ میں نے دیکھا کہ ایک

میل ویڑن لڑکی کی کھیل کے سامنے نظر آ یا وہ لڑکی اسے

آواز پھیل کر رہی تھی۔
پارے ہل میں ابھر پڑی میڈک دم آواز میں

گوچ رہا تھا۔
”تم جانا۔“ اسے ایشین بہت ہند ہیں تمہاری دہلی

گل جانے کی۔
وہی دم گھر میری سرے کانوں سے گزرائی۔

میں آہستہ سے اٹھا ہوا اس کی طرف چلنے لگا۔
”ایکس ڈی..... میں آپ کے ساتھ بیٹھ

سکا ہوں۔“ میں نے اپنی اپنی مودباٹھڑی سے اسے

اجازت طلب کی۔
اس نے سر سے ہیرک میری طرف دیکھا

پھر مسکرا کر ہوئی۔
”نہیں واٹس ٹاٹ..... اس کی آواز سن کر مجھے

ایسا کہہ کر کوئی درد پرانے میں کلاسیکل موسیقی پر مشق

کا ہوا ہوا تھا اس کی آواز بے حد خوبصورت تھی۔
میں شکر سارا کر کے بیٹھ گیا۔

”مجھے ایشین بے حد پسند ہیں اس لئے میں نے

آپ کا اس ویٹ پیٹنے یا..... مجھے اپنے ٹک کے کانوں

سے نرت ہے۔“ وہ زور سے گزرائی۔
”جی ہاں.....“ میں نے اس کی تاکید کرتے

ہوئے تھے۔
اس بار اس نے میری طرف ایسی نظروں سے

دیکھا کہ جیسے میری بات پر یقین نہ آیا ہو۔
”بہت خوب مسز وہ..... سالوں آپ کی

طرف دیکھ کر کا ہاتھ دھاتی ہے۔“ یہ کہہ کر اس نے اپنا ہاتھ

میری جانب بڑھا دیا۔
جیسے ہی اس کا ہاتھ میرے ہاتھ میں آیا مجھے ایسا

لگا کہ جیسے ہاتھ بہت گرم تھا جیسے کوئی بہت زور دھیز

میں نے پکڑی ہو۔

”میرا نام سالوں سے.....“ وہ آپ کا نام؟“
اس کی بات سن کر میں سوچے گا کہ میں اس کو کیا

نام بتاؤں دو میری جواب کی سختی۔
”بے کاد تیار.....“ وہی دم گھر میری سرے

کانوں سے گزرائی اچانک میں نے اسے چوتھے ہوئے

دیکھا وہ بڑی ہی گہری نظروں سے میری جانب دیکھنے

لگی..... دوسرے لمحے اس کے ہونٹوں پر غرور مسکراہٹ

ظاہر ہوئی۔
مجھے ایسا لگا کہ جیسے کہ اس نے سرکشی سن لی

ہو.....
”کیا سوچ رہے ہیں نام نہیں بتانا تو کوئی مسئلہ

نہیں۔“ اس نے ایک بار پھر اپنی خوبصورت مسکراہٹ

میری طرف اچھالے ہوئے کہا۔
”اوہ..... ایسی بات نہیں..... مجھے بے کاد کہتے

ہیں۔“
میرا نام سن کر اس کے ہونٹوں پر نہایت معنی خیز

مسکراہٹ ظاہر ہوئی۔
مجھے ایسا لگا کہ جیسے وہ کہہ رہی ہو کہ مجھے بے

وقف بنانا آسان نہیں، میں سب جانتی ہوں۔“ نہ جانے

کیوں میری پوچھنی جس کہہ رہی تھی سالوں کوئی آسان شکار

نہیں جو درخت لڑائی سے بڑھ نہیں۔
”بہت خوبصورت نام ہے آپ کا ناٹا آپ

اٹھایا ہے جس۔“
”جی ہاں.....“ میں نے اس کی تاکید کرتے

ہوئے تھے۔
اس بار اس نے میری طرف ایسی نظروں سے

دیکھا کہ جیسے میری بات پر یقین نہ آیا ہو۔
”بہت خوب مسز وہ..... سالوں آپ کی

طرف دیکھ کر کا ہاتھ دھاتی ہے۔“ یہ کہہ کر اس نے اپنا ہاتھ

میری جانب بڑھا دیا۔
جیسے ہی اس کا ہاتھ میرے ہاتھ میں آیا مجھے ایسا

لگا کہ جیسے ہاتھ بہت گرم تھا جیسے کوئی بہت زور دھیز

میں نے پکڑی ہو۔

کسی خوبصورت لڑکی کا ہاتھ تھامنے میں جس

طرح کا احساس ہونا چاہئے سالوں کا ہاتھ تھامنے ہی میں

نے اس کی ایک ٹیکٹ تمغوں نہیں کی۔
”نہیں نہ جانے کیوں مجھے جرات سن کی دہرائی محسوس

ہوئی لیکن مجھے کچھ ناچنے کے لیے تھک کر جا بھر کے پیچھے

کر رہا تھا۔
”سالوں..... تم بہت خوبصورت ہو۔“ میں

نے اسے لہجے کو لکھنا دیا ہے۔“ یہ کہہ کر اس نے

کھل کھلا کر غصہ پڑی۔
اس کی کسی اس کی طرح نہایت خوبصورت تھی

لیکن میں اس کی طرف سے ٹھوکر ہو چکا تھا۔
”آپ کی پوچھ نہیں ہیں..... مسز وہ۔“

”ذرا آواز ہے آپ کی.....“ میں نے اسے

کھنکھناتے ہوئے کہا۔
”کلی آپ کیا کر رہی ہیں مس سالوں۔“ میں

نے اسے گھبرنے کی ابتداء کرتے ہوئے کہا۔
”اوہ..... کچھ خاص نہیں۔“

”میں اس شہر میں بالکل جا ہوں اور میں

چاہتا ہوں کہ آپ مجھے اس شہر میں کھائیں

پھر ایسا.....“ قدرے وقف کے بعد میں نے کہا۔
”اوہ ضرور..... کل دوپہر بچے میری گاڑی

آپ کو پکڑ کرے گی۔ اب مجھے چلنا چاہیے کافی دیر ہو گئی

ہے۔“ یہ کہہ کر وہ گھر لڑائی ہوئی۔
اور میں اسے جاتے دیکھ رہا۔ جیسے وہ میری

نظروں سے لومل ہو گئی تھی اپنی نظر سالوں کی کرسی

کی جانب کھائی یہ دیکھ کر میں اچھل پڑا سالوں کی کرسی

پر وہی سا پڑا لڑائی کی پٹی تھی۔
سیاہ پوش لڑائی اپنی بڑی سیاہ آنکھوں سے مجھے

سناٹا نظروں سے گھوری تھی۔ یہ پہلی بار تھا جب میں

نے اسے بغیر تھاب کے دیکھا تھا اس کا چہرہ بہت خوب

صورت کو کہہ کر مجھے مدیہ نہ تھا مگر گندی رنگ کے باوجود

ایک ششام موجودگی اس کے چہرے پر اس کی بڑی بڑی

سیاہ آنکھیں، بیکہ کر مجھے ایسا لگا کہ جیسے یہ آنکھیں میں

تھے کہ اسے گھڑ سوار بہت پسند آیا ہے۔
دوسرے دن دو پہر 3 بجے سالون کی کھاڑی آ گئی
تھی اس روز میں نے کوشش کی کہ سالون کسی طرح متان
ہو جائے تاکہ وہ میرے ساتھ کر جا گھر آنے کے لے

کار میں میرا استقبال کرنے کے لئے سالوں کا موجود تھی سالوں نے سرخ رنگ کی فراک پہن رکھی تھی سالوں نے تیار ہونے میں ضرورت سے محنت کی تھی۔ منہ جانے کیوں سالوں کو دیکھ کر خوف کی ایک سڑکھیر

کرتے ہوئے کہا۔

”آج ٹھنڈ بہت زیادہ ہے۔۔۔۔۔ وہ ڈرنک سردی

میں جہیں گر بلا سکے۔ اس نے سہرا تے ہوئے کہا۔
 ”واہی..... ہرگز وہ ضرور چٹا جائے۔“ میں نے
 بھی سہرا تے ہوئے جواب دیا۔
 ”اور کیا بات ہے اس شروب میں؟“ میں نے
 چند سیکنڈ کے بعد دوبارہ پوچھا۔
 ”وہ ڈرنک پوری دنیا میں نہیں سوائے ایک
 جگہ کے۔ اس کے اثرات بہت فائدہ مند ہیں۔“ اتنا
 کہہ کر اس نے کار اسٹارٹ کر دی اس کی ڈرائیونگ
 بہت شاعری اس کا اندازہ مجھے ہو گیا تھا، شام
 کے 7 بج چکے تھے۔

تقریباً آدھے گھنٹے کی ڈرائیج کے بعد اس نے کار
 ایک ویران لائن سڑک پر راک ڈی۔ میں اب اس
 سے روکنے کی وجہ پوچھنے ہی والا تھا کہ میری نظر اسے
 بائیں جانب پڑی۔ نظر پڑنے ہی میں چمک گیا۔
 اور خوف کی ایک سرد لہر مجھے لپٹے اندر دوڑتی محسوس ہوئی
 میرے بائیں جانب ایک قبرستان تھا قبرستان کے
 اعداد بتلے بڑے بڑے برقی قندیلوں کی روشنی میں قبریں
 صاف نظر آ رہی تھیں میں سمجھ چکا تھا مکمل شروع ہو چکا
 ہے سالوں شاید میری اصلیت سے واقف ہو گئی ہے
 اور مجھے بھی شمس کرنے لائی ہے؟ میں ہلکا ہلکا دوڑنے
 کے بارے میں سوچ رہا تھا کہ اس نے اپنا ہاتھ میرے
 ہاتھ پر رکھنا یا بس برقی طرح سے چمک پڑا۔
 ”ڈرنک..... سامنے دیکھو“ اس نے ہاتھ کا
 اشارہ کرتے ہوئے کہا۔

میں نے دھڑ دھڑکنے سے اس کے ہاتھ کی طرف
 دیکھا تو میرے اشارے کے مطابق قبرستان سے قریب
 ایک فرار لگ کے فاصلے پر ایک چمکانا پھرا نظر آ رہا تھا
 جس پر بے بے حرشوں میں BAR لکھا
 نظر آ رہا تھا۔
 ”کیا وہ جگہ ہے جہاں سے وہ ڈرنک ملتا ہے؟“
 سالوں سہرا تے نہ جانے کیوں میرے دل میں عجیب
 و غریب کیفیات کا زہول ہوا تھا سالوں کی شخصیت مکوں
 مجھ میں مجھے ہر امر پر معلوم ہونے لگی تھی کہ خاص دیر سے

میں اس قبرستان کے سائے میں بارگھولنے کا مقصد کیا تھا؟
 میں اپنی حیرت چھپانے کا اور پوچھ بیٹھا۔
 ”یہ بارگھولنا اپنی ہے یہ ڈرنک بہت ہی خاص
 ہے اور غیر قانونی ہر پاسپورٹ کیا جاتا ہے؟ اس لئے پولیس
 کے ڈر سے یہاں کھولا ہے۔۔۔۔۔ اور کوئی ایسا خاص بات
 نہیں۔“ اس نے عام سے لہجے میں کہا۔
 نہ جانے کیوں مجھے اس کا یہ جواب بے وزن اور
 اور کوہکھلا ہوا ہوا محسوس ہوا کہ
 جوت بول رہی ہے؟ لیکن کیوں اس کا جواب میرے
 پاس نہیں تھا۔

چنانچہ میں نے زبانا کو لائے کا فیصلہ کر لیا۔
 ”اب چلیں۔۔۔۔۔ دوسری طرف دیکھ کر لو۔“
 ”ضرور۔۔۔۔۔ کیوں نہیں۔“ اتنا کہہ کر میں نے دل
 ہی دل میں زبانا کو آواز دیتا شروع کر دیا کہ آواز دینا ہی
 کہہ کر انہیں کمر شروع ہو گیا ہر کس بات کا اعلان تھا
 کہ نہ اب اس آ رہی ہے۔
 ڈھانچا سالوں نے اپنا دایاں ہاتھ میرے ہاتھ پر
 رکھ دیا۔۔۔۔۔ اپنی خوب صورت سے آنکھوں سے مجھے گھورتا
 شروع کر دیا میں نے محسوس کیا کہ ان آنکھوں سے جیسے
 تلخی کسی پنکھا کی لہر لکھ رہی ہوں۔۔۔۔۔ جیسے کہ میری وہم
 کسی کو بھی ہلا کر میرے چنگل سے فاسد کر سکتے۔
 ڈھانچا میرا جسم گرم سے سرد پڑا شروع ہو گیا صاف
 ٹاپہ تھا کہ آواز بائیں جا رہی ہے۔
 ”چلیں کون کون سے۔۔۔۔۔“ وہ میری طرف دیکھ
 کر نہایت مسکراتا انداز میں مسکرائی۔
 اس کی نگاہوں اور یونیورس سے میرا خون کھول اٹھا
 میرا جھجھکی کی تاب تو مجھ تک نہیں ہو سکتا تھا۔۔۔۔۔ لاچار میں
 بھی اس کے ساتھ گاڑی سے اتر گیا گاڑی کا دروازہ بند
 کرتے ہوئے میں نے گشت کے پیلے کی پیموش کی
 خوف کی لہر میرے اندر دوڑ گئی۔ ”کیا اس نے زبانا
 کو بلوایا تھا؟“

”کس سالوں پر کاش اور سیاہی پڑا کی سے زیادہ
 طاقتور تھی؟“ میں بھی پوچھتی نظروں سے اس کی نظروں
 دوست بچہ وہ دایاں آئی تو اس کے ہاتھ میں
 سر پر (سٹی) پوچھتی جس کے اندر عجیب طرح کا ٹکڑوں
 تھا جو کھڑکی کی تھوڑی سی کٹھن میں رکھ بدل رہا تھا۔

”اسے بی لو۔۔۔۔۔ دیکھاؤں کا شروپ ہے
“ جہاز میری شخصیت دایاں دے گا۔۔۔۔۔ میں دایاں
 دلائے گا کہ تم جی نہیں ہو۔۔۔۔۔ پس اس میں کس ہو۔۔۔۔۔ یہ
 کہہ کر اس نے میرے ہاتھوں پر اپنا ہاتھ رکھ دیا۔
 اس کی بات سن کر میں چونک پڑا اور گویا وہ سب
 کچھ جانتی تھی جیسے اس نے اپنا ہاتھ میرے ہاتھ پر رکھا اس
 لمحے ایک کلی کی سی سرد اندر دوڑ گئی۔
 ڈھانچا کی تیز چال کی آواز میرے کانوں میں گونجی
 اور میں گھبرا کر ایک کی آواز سنا لی مجھے یوں لگا کہ جیسے
 وہ آواز میں نے کبھی نہ سنی ہے۔

”یہ شروب ہے۔۔۔۔۔“ اس نے شروب گلاس میں
 نکال کر دیتے ہوئے مجھے گھمکھماتے ہوئے کہا۔
 میں گنگناہٹیں دوسرے لمحے میں نے دیکھا کہ
 سالوں کا ہاتھ میرے ہاتھ میں ہے اور پکی کی تیز لہر
 میرے سامنے دوڑنے لگی ہے۔
 سالوں کی آنکھوں سے تلخی شاعروں نے جیسے
 مجھے بے بس کر دیا تھا اب لگ رہا تھا کہ میں گم کا غلام
 ہوں میں گم نہ ہوں گا تو وہ شاعری وہ شاعری مجھے
 ہلا دیں گی۔
 مجھ میں نے بغیر کسی ہچکچاہٹ کے وہ شروب
 پی لیا۔
 وہ شروب نہایت ہی فرحت بخش تھا میں لگا کہ
 جیسے کسی نے خوشبوؤں سے میرے جسم و جان کو کھل
 کر دیا ہو۔
 پھر مجھے سب کچھ یاد آ گیا کہ میں کیا ہوں ایک
 ایک بات سب کچھ میرے دل میں سالوں کے لے
 حقیقت محسوس ہونے لگی۔
 ”اب کیسا لگ رہا ہے۔“ وہ مسکرائی۔
 ”بہت اچھا لگ رہا ہے۔“ میں احسان مند
 ہوں۔

”تو پھر احسان کا بدلہ اتنا ہوگا۔“ مجھے کہنے کے
 کہ۔۔۔۔۔ 500 سالہ زندگی کا بدلہ کا کتنے بھل
 ہوں۔“ اس کے لہجے میں کھنکھانہ تھی۔

February 2018

جانے کیوں اس بڑی کو حاصل کرنے کا ارمان میرے دل
چھیننے لگا تھا۔
میں نے اس لڑکی کا چہرہ کرنے کا فیصلہ کر لیا۔
کچھ ہی روز میں لڑکی نے ایک رکشہ رکوا لیا
اور اس میں بیٹھنے میں نے بھی ایک رکشہ رکوا لیا اور اس
میں بیٹھ گیا۔
”کہاں جانا ہے؟“
”کشمکشہ کچھ محلہ“ میں نے رستہ

”اس رکشے کے پیچھے چلو۔“ میں نے رکشے والے سے کہا۔
رکشہ والے نے مجھے معنی خیز نظروں سے دیکھا اور

”صاحب ایک سے ایک موتی اس فقیر کی جھولی
میں ہے گا یہ کس کے پیچھے جاتا ہے کہوتے لے چلاں وہ
اس نے بھی زیادہ مست ہے۔“ رکشے والے کا لہجہ بہت
خاموشانہ تھا۔
اس کی بات سن کر مجھے غصہ تو بہت آیا لیکن
میں نے تجھل سے جواب دیا۔

”میری جانے والی ہے۔ بہت دیر ہو چکی ہے۔“

گادری میں چڑھتے ہیں۔ اس کا لہجہ بہت خراب اور
عامانہ تھا۔
لوگوں کا کہنا تھا کہ ان کی نظر سے سادہ عمل ہو چکا تھا۔
اس کی کشتی دالے پہنچے بہت فخر اور اطمینان
میں چپ کر کے اتر گیا۔
اترے وقت میں نے صرف اتنا کہا کہ ”کرکر“
وہاں سے چلا اور ٹھیک کے بہت حالات ہوئے رے
ہیں۔“
رکشہ ڈراما پورہ سے میری ان سنی گروی اور

تہ بڑھادیا اگے جا لیں گے دوسرے مسافر اٹھا

شاپ کے سامنے ایک کیفے لیر یا قافہ ہوا جس کیلئے میں
 رکش گیا چائے کا آرڈر دینے کے بعد آکھیں بند کر لیں
 اور اپنی قوتوں کو ڈانڈ دینے کا جلدی دو تھیں مجھے
 نظر آنے لگے..... مکن یا تھیں تک سمجھ میں آنے لگیں۔
 ”ہامی آپ خوش نصیب ہیں جسے چاہا اسے

ماہل کیا۔۔۔۔۔ شازادہ عیسویہ کی طرف سے جیسی ہوئی ہوئی۔
 ”ہاں۔۔۔۔۔ نیت بھی ہو تو منزل مل ہی جاتی
 ہے۔۔۔۔۔“ اس نے عیسویہ کے ہاتھ پر پیار سے ہاتھ رکھتے
 ہوئے کہا۔
 جواہر عیسویہ مسکرایا۔
 ”بابی۔۔۔۔۔ کاڈن وانسی کب ہوگی۔۔۔۔۔
 “ شازادہ ہوئی۔

”جب ان کا کام ختم ہو جائے گا.....“ اس نے
عسیر کی جانب بڑے ہی پیار سے دیکھتے ہوئے کہا۔
یہ جان کر اس کی شادی مجھ سے نہیں ہو سکتی وہ

میرے بھائی کی ہو چکی ہے غم و غصہ صدمے سے میری
حالت پاگلوں جیسی ہو گئی تھی لیکن ہانو کو حاصل کرنا میری
زندگی کا مقصد تھا سو میں اسے پورا کر کے کہہ ہوں گا۔

دو رات مجھے اچھی طرح یاد ہے جس رات کے بعد میری زندگی میں بہت بڑی تبدیلی پیدا ہوئی اس رات بہت تیز بارش تھی گرج چمک اور طوفانی ہواؤں نے ایک قامت مہا کی ہوئی تھی میں مسلسل سائے کی

طرح تین دن سے ان دونوں کے پیچھے لگا ہوا تھا، وہ دونوں مجھے ایک ساتھ اکیسے نہیں لے، آخر کار قسمت نے مجھے یہ موقع فراہم کر دیا۔

یہاں رک گئی تھی اور وہ دونوں بچلے میں اکیلے تھے۔
جینا فحہ میں موقع سے پورا فائدہ اٹھاتے ہوئے

پچھلے کے مین ٹینٹ کے اندر داخل ہو گیا حیرت کی بات یہ تھی کہ نہ مجھے کئے نظر آئے نہ ہی کوئی چوکیدار میں اپنی قوتوں کا استعمال کرتے ہوئے ان کی خواب گاہ تک پہنچ گیا۔

خواب گاہ کا دروازہ بند تھا احمد سے دیکھی دیکھی ہلکی

اترا آئی۔

کی آواز سنائی دے اور جی۔
 ”تم بہت خراب ہو..... خرابی کا کوئی موقع تھا
 سے جانے کب نہ دیتے۔“ باؤں کی سرگوشی کی آواز سنائی دی۔
 ”ہاں تم بھی خوب صورت ہو کی ساتھ ہو.....
 پھر کون رہتا ہے۔“ میرے بچتے ہوئے کہا۔
 پھر ایک ساتھ دونوں کی ہنسی سنائی دی۔
 ان دونوں جیتے بولے خوش دیکھ میری آنکھوں
 میں خون اترا آیا میرے ابروؤں کا خون کر کے یہ دونوں
 اس طرح خوش نہیں ہو سکتے تھے۔
 چنانچہ میں اپنی تو قوں کی مدد سے دھالے سے
 گزر کر اندر داخل ہو گیا۔
 اندر کا منظر بھی اتنی ہی سنگین تھا۔ زرد پارہ پارہ لب کی
 روشنی ان کی ہنسی پر لگی تھی جہاں سے ہاتھ نکال کر
 مجھے یوں کرے کے اندر نمودار ہوئے دیکھ کر
 بالوں کے مقل سے چیخ نکلی گئی اس نے فوراً ہی چادر میں
 خود کو چھپا لیا۔
 مجھے یوں نازل ہوئے دیکھ کر میرا دل سا گیا اور ذرا
 اٹھ کھڑا ہوا۔
 ”کون کون ہو تم۔“
 ”تمہاری بیوی تو بہت خوب صورت ہے۔“ میں
 مسکراتے ہوئے بولا۔
 ”بے غیرت انسان تو ہے کہ اندر کھسا کیسے۔“
 اس کا لہجہ سخت تھا۔ شاید میرے بھیجے ہوئے میں ناگہان تھا۔
 جواب میں میں افسوس بڑا اور میں نے ہاتھ کا
 اشارہ کیا ہاں میرے سر میں مکمل دوڑی پھیل گئی۔
 میری صورت سامنے آئے ہی ان دونوں کے
 مقل سے چیخ نکلی۔
 ”نہیں.....“ میرا زبیب بڑھاپا۔
 اس کی آنکھوں سے خوف کا اظہار ہونے لگا تھا۔
 لیکن بالوں کی کیفیت اس سے مختلف تھی بالوں کی ہنسی شیرینی
 کی طرح نہ دکھائی دے سکتی تھی۔
 ”کیسے..... کیسے..... لہجہ..... بے غیرت.....
 میں تیرا اندر کوچ لولی کی۔“ وہ چلائی ہوئی بیڑے سے نیچے

سے اٹھ کھڑی ہوئی۔

اس کی مصمم نگاہوں میں خوف کے ساتھ خاموش
 احتجاج بھی تھا جس میں مسکراتا ہوا آگے بڑھا وہ کم کے پیچھے ہٹ
 گئی۔
 ”آج مجھے اپنا خیال کیا..... جسے میں نے چاہا
 آج میں اسے حاصل کر لوں گا۔“ میں کاہلی کے نشے
 سے بولا۔
 ”نہیں..... نہیں.....“ میں نہیں ہو سکتا میں اپنی
 عزت کی خاطر جان دے دوں گی۔“ اس کے لیے میں
 ٹھوس اور سچی چٹانوں جیسی تھی سو جیو۔
 ”مجھے تمہاری زندگی کی کوئی پروا نہیں میرا بلکہ پورا
 ہو جانے تو چاہاں چاہے جلی جاتا۔“ میں نے نانت چیتے
 ہوئے کہا۔
 ”پچھو تو کرو۔“ میں تمہاری باہمی ہوں۔“
 وہ آنکھوں میں آنسو لاری۔
 اس کے آنسو دیکھ کر میں نفس پڑا میرے دل
 کو بہت سکون مل رہا تھا۔
 ”جان میں..... میں تو اس الزام کو جی ثابت
 کرنا چاہتا ہوں جو تم نے مجھ پر لگایا تھا وہ الزام جی ثابت
 ہو جائے تو تم جلی جاتا۔“
 میں اسے اپنا بنانے کی نیت سے آگے بڑھا تو وہ
 یکدم پھر گئی۔
 ”رک جا۔“ مردود تہا لہجی سے ڈر تیرا خشر
 خراب ہوگا۔“ اس کی نظروں میں خوف اور بے بسی
 دونوں موجود تھے۔
 میں نے اسے گھبرنے کی کوشش کی کچھ دیر تک وہ
 خود کو بھائی رہی پھر بے بسی ہو کر بیڑے پر گر پڑی۔
 میں غارت کے نشے میں سرشار اس کی جانب
 بڑھنے لگا۔ میرے تیز ہر ہاتھ پر کہ وہ اور خوف زدہ ہو گئی
 اس کی غزالی آنکھوں سے آنسو بہنے لگا اور وہ چھت کی
 جانب دوڑنے لگی بالوں کے آنسو دیکھ مجھے ادا سکون مل
 رہا تھا۔
 وہ کسی بے بسی پرندے کی طرح بیڑے پر پڑی ہانپ

رہی تھی مجھے بیڑے پر چڑھتے دیکھ کر اس نے اٹھ کر بھاگنے کی
 کوشش کی لیکن میں نے اس کی ٹانگ پکڑ کر کھینچ لی وہ
 ٹھوکر لڑا کر گری اور اس کا سر بیڑے کے سر ہانے سے ٹکرایا اور وہ
 بے بس ہو گئی۔
 میرا شکر ہو رہا تھا اس کو بے ہوش دیکھ کر میرا دل
 جیسے جیسے ہانپا ہو گیا میرے سینے میں ہوس کے طوفان
 اٹھنے لگے۔ میں نے اس کے جسم کو پال کرنے کے لئے
 پیلا قدم اٹھایا ہی تھا کہ ایک کڑک آواز میرے کانوں
 میں گئی۔
 ”رک جا۔“ زہر ایک مظالم کی بے بسی
 پر طاقت کا مظاہرہ کر رہے ہو۔ کرو۔“ یہ تمہارے
 بھائی کی بیوی ہے۔
 میں نے اس آواز کو واضح طور پر سنا تھا میرے
 بالوں پر اسے سوا دوہلی کی تھا ہی نہیں پھر یہ آواز کسی کی گئی
 ایک لمحے دو بارہ دہرا ہوا چھپا ہوا کے جسم کو بے خواب کرنے
 کے لئے تھا بڑھاپائی تھا کہ میرا ہاتھ سن ہو گیا..... ایسا
 لگ رہا تھا کہ میرا ہاتھ ٹانگ زدہ ہو میں نے اپنی تو قوں کو
 آواز دینی شروع کی مگر ہاتھ ٹیک نہ ہوا میں جھلا کر بیڑے
 سے اتر آیا بیڑے سے اترنے ہی کے بعد ٹیک ہو گیا۔ ہاتھ ٹیک
 ہوئے دیکھ کر میں پھر بیڑے پر چڑھ گیا بالوں کی جانب چھ
 بڑھاپا ہی تھا کہ ہاتھ بھرن ہو گیا میری ہاتھ میں نہیں
 آ رہا تھا کہ کیا ہو رہا ہے میرے ساتھ۔
 ”تویر تم جی جی چاہے کوشش کرو۔“ مگر اپنے
 ٹانگ دلوں سے میں کامیاب نہ ہو سکے..... بیڑی پاؤں
 اور مصمم ہے اس نے ایسی طاقت کو آواز دی ہے جو بہت
 پاک اور حکم ہے۔
 میں بیڑے سے نیچے اتر آیا اور مقل کے بل چلا
 کر بولا۔
 ”مرد ہو تو سامنے آؤ۔“ پھر میں تم کو تھاتا ہوں
 میں کون ہوں۔“
 ”انکس.....“ صراحتوں..... تم اپنے اندر کھول
 مجھے صراحت چاہا اب کسی وقت ہے چاہے کہ دروازے سے تم بے بند
 نہیں ہوئے۔“

تہماری خوشیں تم کو ضرور دل جا سکیں گی عادت بد سے بڑے گناہوں کو دھو بیٹھی ہے۔
 دوسری بیچ میں باقر کے پیچھے پرانے کپڑے پہن کر کھڑا جگر کی لٹا سکیں گی سر دل جا سکتے ہیں وہاں نماز مستقل میری آنکھوں سے آنسو بہتے رہیں جس کا درمیان کے سامنے شرم سے گڑ جاتا تھا عادت کے احساس نے مجھے مجبور کر رکھا تھا جب نماز ختم ہوئی تو تیس من بعد میں رکھ رکھوت چھوٹ کر رونے لگا میرے دل کی بھی آرزو کی کس جیسے میرے ہاتھ لپٹ جائے ہاتھ میں لپٹ جائے ان کے قدموں پر سر رکھ رکھائی تاکہ سکوں۔
 باقر نے میری آنکھوں میں آنسو کیسے ڈھکے تیلی دتا ہوا بیلا۔ "ایک دن ضرور تم کو تہماری منزل مل جائے گی۔ ایک دعا ملی ہے ان لوگوں کی لاٹ ضرور ٹکے گا۔"
 مجھے باقر علی کے ساتھ رہنے ایک اہمیت چکا تھا میں مج سے نہ کر سکتا تھا نام پر لگی کیری کرتا شام کو باقر علی سے قرآن پاک کی تلاوت سنتا۔
 ایک روز شام کے وقت میں نے سہرے میں بیٹھ کر مجھ سے میری بہت سی باتیں سنیں انہوں نے مجھ کو بڑا خوش دیکھا۔
 دیکھیں سب کی آنکھوں میں کیوں کیوں کی نظر آتی۔
 "یہ تو لوگ ہیں باقر علی میرے ہمیشہ بند رہتا ہے۔
 ہر ماہ کی 28 تاریخ کو ہمارے بڑا شاہ صاحب آتے ہیں جو کہ ضرورت مندوں کو کھونچے ہندو اور دیگر دوسرے ہیں وہ دیکھ سکتے ہیں۔" باقر علی مسکرا کر بولا۔
 "میں تم کو بھراؤں سے ملنا ضروری ہے۔" میں نے بھی مسکرا کر کہا۔
 دھن میں نے خبر سے کے سامنے ایک بڑی گاڑی کھڑے ہوئے دیکھا۔
 گاڑی کے اندر سے نکلے والی کو دیکھ کر میں چپک کر رہ گیا۔
 نوادے کے چہرے پر غم کی کیفیت موجود تھی چہرے سے وہ بہت پریشان معلوم ہوئی تھی۔
 وہ کوئی نوٹس ہاتھ میں... وہی ہاتھ جس کا میں

بھڑھتا تھا، ہاتھ بالو جس سے میں نے محبت کی تھی۔
 "جیسے کون سے بار یہاں کیوں آتی ہے؟"
 میرا لہجہ پر تشویش تھا میری بات سن کر باقر علی میں ہونگا بھراؤ اس سے لپٹے میں بولا۔
 "یہ ہے چار بہت پریشان ہے اس کا شوہر بنا ہے تین ماہ سے آ رہی ہے نماز میں بیکر شاہ صاحب اس سے ملنے سے انکار کر رہے ہیں کہتے ہیں وقت کا انتظار کرو گزشتہ 4 ماہ سے آ رہی ہے۔"
 ہاتھ گاڑی سے نکل کر میرے طرف چلا گیا کہ میں نے خبر سے کھل کر کسی کو پہاڑ آئے دیکھا وہ ایک سیدہ ریش بزرگ تھیں جن کے سر پر سفید عمامہ تھا بزرگ کو پہاڑ آ گیا دیکھا ہوا کپڑے لوگوں کے سر پر عادت سے جب گئے بزرگ کی عمر 60 سے 65 سال کے درمیان تھی ان کے چہرے پر وہاں انہوں میں جلال کی کیفیت تھی۔
 ہاتھ بزرگ کو کچھ کر ٹھک کر رک گیا۔ جبکہ باقر علی انہیں آگے بڑھ کر کھڑے تھے ان سے اٹھا اور دوڑتا ہوا بزرگ کے پاس پہنچ گیا۔
 "حضرت آپ نے زحمت کیوں فرمائی مجھے طلب کر لیا ہوتا۔" باقر علی باجمت سے بولا۔
 بزرگ نے باقر کی بات کا جواب نہ دیا اور ہاتھ طرف دیکھ کر کہنے لگا۔
 "نہانی... تمہارے شوہر کی بیماری کا علاج احمد ہے۔" بزرگ نے سہرے کے کن کی طرف اشارہ کیا وہاں میں بیٹھا ہوا تھا۔
 باقر نے میری جانب دیکھ کر ہاتھ کا اشارہ کیا تو میں ہاتھ کھڑا ہوا جیسے میں وہاں تک پہنچا بزرگ احمد چلے گئے۔
 باقر نے مجھے ایسے دیکھا جیسے پچھلے کی کوشش کر رہی ہو۔
 میری کیفیت اس مجرم کی تھی جو مجرموں کے کنبہ میں کوٹھارہ کا شہر ہو گیا تاکہ میں نے دیکھا کہ ہاتھ کی آنکھوں میں غم کی کیفیت ابھری دوسرے ہی لمحے میں نے بھرپور ہنسنے میرے چہرے پر مدید کر دیا

ساتھ ہی ساتھ جو میں آتا جا رہا تھا کچھ چلا رہی تھی میں نے بھی اسے روکا کئی اس کی بھڑکیاں لگ جانے دی باقر علی اور دوسرے لوگ حیرت سے میری درگت بننے دیکھ رہے تھے۔ باقر نے بیچ میں آ جا چاہا تو میں نے اسے ہاتھ کے اشارے سے روک دیا۔
 "اقر یہاں یہ ہاتھ۔"
 میری بات سن کر باقر کھڑا گیا۔
 ہاتھ کے دل کی بھڑکیاں لگتی تھیں اور وہیں کھڑی کڑی سسکتی تھی۔ دوسرے لمحے وہاں کڑے لوگوں نے ایک حیرت انگیز سحر دیکھا میرا سر اس کے قدموں میں تھا۔
 "مجھے صاف کر دو بھائی... میں تمہارا مجرم ہوں... میری دوسری پرتہا فرض ہے بھائی۔"
 میرے منہ سے بھائی کے لفظ سن کر وہ چونک پڑا میرا ہر جے ہوئے لپٹے میں ہوئی۔
 "اگر تم میرے شوہر کو ٹھیک کر سکو تو میں تم کو صاف کر دوں گی۔"
 "آپ کے شوہر کو ہوا کیا ہے۔"
 "اس پر کسی شیطانی وجود کا سایہ ہے۔" وہ بولے ہوئے ہوئی۔
 ہاتھ کی بات سن کر میں چونک اٹھا۔
 "میں اس کا علاج کیسے کر سکتا ہوں۔"
 "یہ تم ہا سے پوچھو نہیں سنو تمہارا مشورہ دیا ہے۔" اس کا لہجہ جیتا ہوا تھا۔
 ہاتھ کی بات سن کر میرے دل کے کون کونگی۔
 عقیدت مندوں اور سائلوں کے چلے جانے کے بعد میں نے شاہ صاحب سے ملاقات کی۔ مجھے دیکھ کر وہ مسکرائے پھر بولے۔
 "اس غریب کا علاج تم ہی کر سکتے ہو۔ کیونکہ مرض جس کی تم اور شاہ صاحب تم ہو۔"
 شاہ صاحب کی بات سن کر میں حیرت سے ان کی طرف دیکھنے لگا۔
 قدرے وقف کے بعد شاہ صاحب نے اس کی

ہاتھ میں اس کا تصور بھی نہیں کر سکتا تھا۔
 میں جڑا شاہ صاحب حیرت سے کہنے لگا۔
 "جادو میرے بیٹے کی جی تہا را امتحان ہے کیا تو یہ بھی۔"
 ☆☆☆☆☆☆
 مجھے بھی نہیں آ رہا تھا کہ میں میرا علاج کیسے کر دوں گا کیونکہ ڈاکٹر سے پاس تو نہیں تھا اور نہ ہی میں روحانی امراض کا باقر تھا۔ جگر بھی ہوگا اللہ مالک ہے۔ یہ وہ جگہ تھی جہاں سے میں نے اپنے انوکھا کیا تھا۔
 ہاتھ صاف میرے کمر سے میں نے لگی۔
 میرے کمر سے نیم ادا میرا تھا۔ میرا شاہ سور ہاتھ۔
 "میرا ہوا کیا۔" میں نے دوسرے سے پوچھا۔
 "ہاں۔" ہاتھ نے غم سے لپٹے میں جواب دیا۔
 "یہ سب ہوا میرے بھائی؟"
 میری بات سن کر ہاتھ نے طویل سانس لی اور کہا۔
 "جب تم آؤ اسی حرکت میں کلام ہونے کے بعد بے ہوش ہوئے تو میں ہوش میں آ چکی تھی تم کو بے ہوش کرنے کے دیکھ کر میں وہیں سے بھاگ گئی کہ اس کے بعد سے میرے کمر سے اس حالت میں دیکھا اس کے کمر کی لٹہ دھرتی ہو۔" اس کے لپٹے میں صدمہ آیا۔
 "میں شرمندہ ہوں بھائی اپنے ہر گناہ کا کفارہ میں اپنے خون سے ادا کر دیا گا۔"
 میرے جواب پر ہاتھ نے مجھے غور سے دیکھا اور بھر پور چمکی۔
 ہاتھ جیسے میری کمر سے کی لٹہ ملائی تو میں نے دیکھا کہ میری پٹنگ پر پڑا ہے اس کے دلوں ہاتھ ہی دیکھو میں سے بندھے پڑے ہیں اس کے چہرے پر بڑا چمکی کا مہلا میں سوچ رہا ہوں۔
 یوں گونا گونا صاحب ہوگا کہ کم تو جوان تھا لیکن چہرے پر بڑا چمکی کے تمام مہلا میں سوچ رہا ہوں۔
 پچھلے کئی دن کا کفارہ تھا کہ ہاتھ کی جھپٹ کا کفارہ ہے جیسے ہی میں اس کے نزدیک پہنچا اس نے

آہستہ آہستہ کھول دیں اس نے اپنی سرخ آنکھوں سے گھرے ہوئے منہ بندھا دیا گتہ بقیہ دیکھا۔

”کیا تھا؟“ آنے آج میری دلکشی کی آتما کو شافی مل جائے گی۔“ اس کی آواز بدلی ہوئی تھی۔

میں نے اپنی جانب بندھا میں نے دیکھا کہ اس میں نے اپنی زنجیریں توڑ دیں اب وہ بہتر پر آکر بیٹھا ہوا مجھے گھبراہٹا تھا۔ اس نے ہاتھ کا اشارہ کیا۔

میں نے اس کا کھینچے زوردار دھکا لگا کر دھکے میں بھٹا میں چرنا ہوا دروازہ سے باہر چلے گئے اپنی چوٹ بہت شدید کی گئی تھی کہ کوئی گرم نہ بنی ہوئی محسوس ہوئی میرا سر پھٹ گیا تھا خون نے لکنا شروع کر دیا تھا مگر میں نے صحت نہیں ہادی کی، میں کہہ رہا تھا کچھ نہ ہوا یہ بے خطر دیکھ کر اب ہم کو باہر سے چپک کر گئی۔

”بہت دور دور ہے۔“ میری رائے تھا کہ وہاں بہتر سے پہنچا کر گیا۔

”مجھے تیرا پڑا کر کہوں گی۔“ اپنی بات کا بدلہ ضرور ملے گی اس کی آواز بدستور بدلی ہوئی تھی۔

اس نے میرے قریب آ کر ہاتھ کا اشارہ کیا اور میں فضا میں معلق ہو گیا۔

”کاٹ۔۔۔ تم کو مجھ سے بدلہ لینا ہے تو میں تیار ہوں میرے بھائی کو پھوڑ دو۔“

میرا کیا بات نہ کر میرے چوک چلے اس کے چہرے پر حیرت دہائی۔

”مجھے کیسے معلوم۔۔۔ میں کاٹا ہوں۔“

”شاہ صاحب نے بتایا تھا۔۔۔ مجھ سے سورا کرلو۔۔۔ اور میرے بھائی کو پھوڑ دو۔۔۔ بدلے میں تم میرے ساتھ جہاں چلو گے۔“

میری چیخیں سن کر میرے قریب سے معلق کے بلند ہوا گتہ بقیہ دیکھا۔

”اچھا۔۔۔ بہت اچھا ہے۔۔۔ بھائی کے اندر وہ کچھ توڑنا زیادہ آسان ہے۔ دیکھئے مجھے معلوم ہے میں سب کچھ تھوڑے پردار کرتی تو فوج جانیے گا۔ مگر میرے بھائی کے اندر کچھ سے بدلہ لینا زیادہ آسان ہوگا

Dar Digest **258** February 2018

”یہ ایک روزمرہ کی مصروفیت چلے کو کھر دری اور سخت بنادیتی ہے، جہت سبکو کاروانہ استعمال میرے چہرے، ہاتھوں اور بازوؤں کو نرم اور ریشمی کی طرح ملائم بناتا ہے۔“

”تہمت بنو میرے چہرے و خوبصورتی اور دلکش بناتی ہے اور مردوں سے محفوظ رکھتی ہے۔“

تجارت منوہ، برائے استیصالِ جہد و شجاعت، عزم و طاقت، نہ تھکنا، نہ
 دماغ و جسم، نہ کرے اور ان جہد و عمر کے اثرات، نہ
 مخبروں سے وعدہ، نہ تنگ، نہ غنائی سے دن میں
 اور رات کو نہ سے انتہا

تہت : ایشیا کی مشہور ترین بیوٹی کریم